سلسلۂ تاریخ آصفیہ عثمانیہ

ارمغانِ عرفانی

موسوم بہ

حیاتِ عثمانی

جلد اوّل

مرتبہٗ

خاکسار شیخ یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر رسالہ الحکم (سیاح یورپ و بلاد اسلامیہ)

بتقریب جشنِ سیمین اعلیٰ حضرت آصفجاہ ہفتم سلطان دکن خلد اللہ ملکہ
(بطور یادگار شائع ہوئی)

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی

سرمہاراجہ بہادر کی طرف سے شرفِ قبولیت

نمبر سرکاری نشان ۳۷۰

۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء م ۲۲ آبان ۱۳۴۵ف

بخدمت شریف جناب عرفانی صاحب ایڈیٹر "سالار" بمبئی

(معرفت اللہ الدین بلڈنگ۔ سکندر آباد)

"مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب زاد لطفکم!"

آپ کا معروضہ جو آپنے اپنی کتاب "حیات عثمانی" کے انتساب کی اجازت کے سرکار دام اقبالہ کی خدمت میں گزرانا تھا۔ وہ سرکار دام اقبالہ کے ملاحظہ میں پیش ہو چکا جسپر مجھے سرکار عالیجناب مہاراجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدراعظم باب حکومت سرکار عالی نے آپ کو ذریعہ تحریر اطلاع دینے کے لئے حکم فرمایا ہے کہ سرکار دام اقبالہ آپ درخواست انتساب کو بخوشی منظور فرماتے ہیں اور آپکی اس کتاب کا اپنے اسم گرامی سے معنون ہونا باعث فخر خیال فرماتے ہیں۔ لہذا آپ اس کے انتساب کی بمسرت اجازت دیجاتی ہے۔

منجانب پرائیویٹ سکرٹری علاقہ مہاراجہ بہادر

۷۸۶

فہرست تصاویر

فہرست مضامین حیات عثمانی

حصہ اول

حیات عثمانی کا دوسرا دور اور تیسرا حصہ

ی



اعلحضرت نواب میر عثمان علیخان خلداللہ ملکہ وسلطنہ آصف سابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ؁

عرض حال

اسلام کے علمی فیوض و برکات کے سلسلہ مین علم التاریخ بھی ایک عظیم الشان برکت ہے اور اگر صرف فن تاریخ کے متعلق مسلمانوں کی مساعی جمیلہ پر بحث کی جاوے تو ایک مبسوط تالیف کی ضرورت ہوگی۔ ابتدائے اسلام کے ساتھ ہی اس نہایت ضروری اور اہم فن کی بنیاد مسلمانوں نے رکھدی تھی۔ پھر اسلام کی اشاعت اور اسکی سیاسی ترقیات کیساتھ ساتھ یہ فن بھی ترقی کرتا چلا گیا یہانتک کہ مورخین اسلام نے جو خدمت تاریخ کی کی ہے اور جس درجہ کمال تک اسکو پہونچایا ہے۔

علوم اور ایجاد کا یہ عہد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا

آج نقد و نظر (ریویو نویسی) کے فن پر ناز کیا جاتا ہے اور ریویو نگاری کو ایک مستقل فن قرار دیا گیا ہے لیکن ایک محقق جانتا ہے کہ مسلمانوں نے اسماء الرجال کے رنگ مین اسی علم کی بنیاد تاریخ نگاری کے سلسلہ مین رکھدی تھی۔ جو بھی شاندار قصر اس سلسلہ مین تعمیر ہوا اسکی بنیاد وہی چیز ہے۔ تاریخ کے مختلف شعبوں پر بصیرت افزا اسلامی تالیفات دنیا کے کتب خانوں مین عہد حاضر کے مورخین اور محققین کو حیرت زدہ کر رہی ہیں۔ ابن خلدون کے مقدمہ کو عہد حاضرہ کا مورخ جب پڑھتا ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ یہ شخص فن تاریخ کی گہرائیوں اسکے فلسفہ اور مختلف شعبوں پر کتنی وسیع نظر رکھتا ہے۔ اس وقت نظر کا مورخ اتنی صدیاں گذر جانے اور علمی ترقیات کے باوجود بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ مگر آہ! جب مسلمان اپنی کمزوریوں کے باعث اوج و اقبال کے بلند مقام سے گرنے لگے اور انکی سلطنتوں اور حکومتوں مین ضعف شروع ہوا اسکے ساتھ ہی انکے علمی کمالات مین بھی زوال آنے لگا اسلئے کہ

علمی سرپرستی کی صف خالی ہوگئی

میں یورپ اور امریکہ کی علمی سرپرستیوں کو دیکھتا ہوں تو اسکے مقابلہ میں اسلامی علم نوازیوں کی شان کا مقام بہت بلند نظر آتا ہے اس جگہ میں اسکا مقابلہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ اس کتاب کا موضوع نہیں۔ یہ ابتدائی جملے میں نے محض ایک حقیقت کے اظہار کیلئے بطور تمہید لکھے ہیں۔ اور میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ اسلام نے فن تاریخ کو پیدا کر کے درجہ کمال تک پہونچایا اور جبتک اسلامی سلطنتیں اپنی شان کو قائم رکھ سکیں اس فن کی قدر و منزلت بھی ہوتی رہی۔

اسلامی عہد کے ہندوستان ہی کی تاریخ کو دیکھو کہ کیسی مفصل اور مکمل ہے۔ ہر عہد کے کارنامے نہایت عمدگی اور کامل تحقیق کیساتھ تاریخ میں موجود ہیں اور ہر عہد کی خصوصیات کا ایک تصریحی بیان ہم کو ملتا ہے لیکن اب یہ حالت ہے کہ یہ فن دوسرے کمالات کی طرح ہمارے ہاتھ سے نکلکر

بیرونی اقوام کی ملکیت ہوگیا ہے

اور اس علمی یتیم پر جسقدر ماتم کیا جائے وہ کم ہے۔ عہد حاضرہ کے مسلمان مورخ (علامہ شبلی) نے دولت آصفیہ کی سرپرستی میں اسلامی تاریخ کے فن کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور انکی مساعی جمیلہ آنیوالی نسلوں سے خراج تحسین حاصل کرتی رہیں گی۔ لیکن وہ آصفی کنگڈم جسنے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے نشان عظمت کو قائم رکھا اور جسکے عظیم الشان کارنامے عہد گزشتہ کی یاد دلاتے ہیں اسوقت تک اپنی کوئی مبسوط تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ اسکی وجہ وہی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اب

فن تاریخ و سوانح نگاری اغیار کی ملکیت ہے،

میں نے جب یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی تو مجھے ہندوستان کی اس عظیم الشان اسلامی سلطنت اور اسکے بادشاہ کے متعلق دونوں جگہ لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا پایا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ سلطان دکن کی تصویر کو ایک خیالی رنگ دیا گیا ہے نہ صرف یہ بلکہ جو کتابیں دولت آصفیہ پر لکھی گئی ہیں ان میں جو چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ کمپنی کے کارکنوں کے کارناموں کی ستایش ہے۔ دولت آصفیہ کے حکمرانوں نے جو عظیم الشان قربانیاں کی ہیں اور انہوں نے معاہدات کی رعایت اور تعلقات مودت کی استواری میں جس ممتاز طریق عمل کو دکھایا ہے وہ نظر نہیں آتا۔ میں ناسپاسی اور اخفائے حق کے جرم سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس طریق عمل میں بعض استثنائی صورتیں بھی ہیں اور بعض منصف مزاج یوروپین مورخین نے دولت آصفیہ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے

اور نہایت شرح صدر سے اس کے احسانات کی داد دی ہے۔ گو وہ بہت ہی کم ہیں۔ بہرحال ان حالات میں سے گذرتے ہوئے میں نے عزم کیا کہ اگر فرصت اور موقعہ میسر ہوا تو میں

سلطانِ دکن کی ایک قلمی تصویر پیش کرونگا

میں ایک عرصہ دراز سے دیکھتا تھا کہ ہندوستان میں قوموں اور ملتوں کی خانہ جنگیوں نے کچھ وہی صورت پیدا کر رکھی ہے کہ بلاوجہ بھی ایک دوسرے پر حملے کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ شمالی ہندوستان اور بمبئی پریسیڈنسی کی مرفہ آبادی میں دولت آصفیہ کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کیلئے اخبار نویسوں کی ایک جماعت انتہائی کوشش کر رہی ہے مخالفت کے اس طوفان کی تاریخ بھی دلچسپ ہے۔ میں نے نہ صرف اس عقیدت کیوجہ سے جو ایک مسلمان کو طبعاً ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی ریاست اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی یادگار سے ہوسکتی ہے بلکہ ایک حقیقت نفس الامری کے طور پر بحیثیت ایک اخبار نویس اس مذموم طریق صحافت کو ہمیشہ ناپسند کیا اور میں نے ہمیشہ اسکے دفاع کی کوشش کی مگر تنہا کوشش اس میدان میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ اسلئے میں نے ۱۹۲۳ء میں ایک واسطہ سے یہاں کے صیغہ سیاسیات کو توجہ دلائی کہ وہ

ایک پبلسٹی بیورو قائم کریں

نواب سر نظامت جنگ بہادر نے اس خصوص میں پوری دلچسپی لی مگر یہ تجویز ان کے عہد وزارت سیاسیہ میں بروئے کار نہ آسکی۔ میں جس چیز کو صحیح سمجھتا تھا اسکے لئے میں نے اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ اس مقصد سے میں نے بمبئی سے اخبار سالار جاری کیا اور اسکے ذریعہ دولت آصفیہ کی خدمت کو اپنا ایک ضروری فرض سمجھا۔

میں نہایت فخر و ناز سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سالار نے کسی مادی غرض کے مدنظر اس خدمت کو اختیار نہیں کیا تھا اور حیدرآباد کی حکومت کا کوئی وزیر اور محکمہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے سالار کیساتھ کوئی

مادی سلوک کیا

بحالیکہ شمالی ہندوستان کے ایک چوٹی کے اخبار نویس نے جو دولت آصفیہ کیخلاف غلط اور

بے بنیاد پراپگنڈہ کرنے اور شمالی ہندوستان کے ایسے جراید کا مشیر اعظم ہے اور ہند و صحافت کا ممتاز رکن ہے بارہا یہ لکھکر اسکی آواز کو بے اثر کرنا چاہا کہ

سالار حیدر آباد کے روپیہ سے چلایا جاتا ہے

اور یہ امر ایسا ہی بے بنیاد تھا اور ہے جیسے دوسرے الزامات جو دولت آصفیہ کے خلاف لگائے جاتے تھے میں اس موقعہ پر اس امر کو چھپانا نہیں چاہتا کہ سر یمین السلطنتہ مہا راجہ کشن پرشاد بالقابہ نے وزیر اعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی علم نوازی کی شان اور دولت آصفیہ کے ساتھ اپنی فطرتی اور روایتی وفاداری کی جذبہ سے سالار کی اعانت میں خوشی محسوس کی اور یہ صرف سالار ہی سے مخصوص ہیں۔ انکی علم دوستی کی شان اتنی بلند ہے کہ جب ایڈیٹر سالار کے بیٹے شیخ محمود احمد عرفانی نے مصر سے اسلامی دنیا جاری کیا (جسکو دولت آصفیہ کے جلیل المرتبت ولیعہد بہادر اور آپکے برادر عزیز و گرامی قدر شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے ورود مصر پر خاص نمبر شایع کرنے کی عزت حاصل ہوئی اور انہوں نے رابطہ شرقیہ کے وفد کو پیش کیا) اسوقت بھی حیدر آباد کے اس دستور اعظم نے سمندروں کو چیرتے ہوئے

اپنی علم نوازی کا مظاہرہ کیا

اور اسلامی دنیا کو (جو ایک خالص اسلامی اخبار تھا) گرانقدر عطیہ دیکر اپنی بے ریا علم دوستی کا ثبوت دیا۔ یہ تذکرہ ضمناً آگیا اور میں سر یمین السلطنتہ سے معذرت خواہ ہوں کہ میں انکی اس بے ریا علم دوستی کا اظہار کرنے پر مجبور تھا

غرض

میں سفر یورپ و بلاد اسلامیہ کے بعد یہ خواہش رکھتا تھا کہ دولت آصفیہ کے اس عظیم المرتبت سلطان اعلیحضرت میر عثمان علیخان بالقابہ کی ایک مختصر لائف شایع کروں جو بجائے خود ہر قسم کی غلط فہمیوں کو دور کرنیکا ذریعہ ہو چنانچہ

حیات عثمانی اسی عزم کا نتیجہ ہے

میں جس رنگ میں اور جس تفصیل کیساتھ اسکو لکھنا چاہتا تھا مجھے اعتراف ہے کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا اسکا باعث بیان کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے۔ اس تالیف کیلئے مواد فراہم کرنے کیلئے میں نے اپنی کوشش کا آغاز کیا مگر میں نے یہاں اہل علمی تعاون کیلئے کسیکو آمادہ نہ پایا میں اسکے اسباب اور تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف دو بزرگوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔ انمیں سے زیادہ جس وجود نے میری ہمت بندھائی وہ

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ہیں

مجھے انکی خدمت میں نیاز حاصل تھا اور نہ کسی قسم کا تعارف تھا۔ نہ میں کوئی تعارفی چٹھی لیکر انکے پاس پہونچا میں ان سے ایک مسلمان کی حیثیت سے ملنے گیا اور بغیر کسی تمہید کے میں نے اپنا مطلب بیان کیا اور انہوں نے مجھے فراہمی مواد کیلئے ہر ممکن مدد دینے کا بلا تامل وعدہ کر لیا۔ چونکہ انہوں نے اس کام کی اہمیت کا اندازہ فوراً کر لیا۔ اور ہر وقت (جو انکی فرصت کے اوقات میں سے ہو) اس کیلئے امادگی ظاہر کی وہ خود مصنف ہیں اور تالیف و تصنیف کی مشکلات اور ضروریات سے آگاہ ہیں اور اس تالیف کی ضرورت کا صحیح احساس انمیں پیدا ہو چکا تھا انہوں نے اسے

اپنے ملک و مالک کی خدمت یقین کیا

اور اسے ہر جائز حوصلہ افزائی کے قابل سمجھا۔ میں انکی اس ہمت افزائی کا از بس ممنون ہوں۔ پھر اس خصوص میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا میں شکر گزار ہوں میں نے ان سے خط و کتابت کی اونہوں نے مفید مشورے دیے اور ہر ممکن مدد کیلئے امادگی کا بانشراح خاطر اظہار کیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی ایک واجب الاحترام مصنف ہیں اور اونہوں نے حیدرآباد میں ذوق تالیف و تصنیف پیدا کر دیا ہے انکے علمی کارناموں کا تذکرہ میں کسی دوسرے موقعہ پر کرونگا۔ انکی اعانت کے محرکات میں بھی وہی جذبہ کارفرما نظر آیا جو نواب ذوالقدر جنگ بہادر میں ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ برکات عثمانی میں اس سے مدد ملیگی (انشاءاللہ العزیز) حیدرآباد سے باہر میں نے اپنے کرم دوست خواجہ حسن نظامی صاحب کو (جن سے میرے گزشتہ تیس سال سے مراسم ہیں) بہت بڑا امید پایا۔ اونہوں نے سیرۃ عثمانی کے لئے اپنے اخبارات سے مواد مہیا کرنے میں بڑی مدد دی اس سلسلہ سپاس گزاری میں میں یہاں کے معزز صحافی ایڈیٹر رہبر دکن کا بھی ممنون ہوں کہ اونہوں نے پرچہ ایک کرم فرما کو رہبر دکن کے فائل پیش کرنے میں اظہار مسرت کیا۔ یہاں کے دوسرے اخبار صبح دکن اور نظام گزٹ کے سالناموں سے بھی میں نے استفادہ کیا۔

اور مولانا ہوش بلگرامی کے مضامین سے جو انہوں نے سیرۃ شاہانہ پر لکھے ہیں مجھے بیش قیمت مدد ملی اسطرح ایک لمبی تلاش و جستجو ۔ کوشش و کاوش کے بعد یہ مجموعہ مرتب ہوگیا اور میں نے پسند کیا کہ اسے

حضرت آصفجاہ ہفتم کی سلور جوبلی پر بطور ارمغان پیش کروں

اسی لئے میں نے اس کا نام

ارمغان عرفانی موسوم بہ حیات عثمانی تجویز کیا

حیات عثمانی دو حصہ میں شایع ہوگی یہ پہلی جلد ہے جسکے تین حصے ہیں حصہ اوّل میں دولت آصفیہ کی ایک اجمالی تاریخ ہے جسمیں میں نے اس چیز کو نمایاں کرنا چاہا ہے جسکو یورپ کے بعض مصنفین نے چھپایا ہے دوسرے حصہ میں آصف جاہ ہفتم سوانح حیات ہیں اور تیسرے حصہ میں سیرۃ و شمایل کا مختصر بیان ہے ۔ اسباب کی قلت نے مجھے اس قابل نہ ہونے دیا کہ جس رنگ اور شان سے میں چاہتا تھا یہ کتاب شایع ہوتی اسکے لئے شاہانہ سرپرستی بکار تھی ایسی تالیف جسکا میرے دماغ میں خاکہ تھا اور ہے ایک بہت بڑی لائبریری اور متعدد مددگاروں کو چاہتی تھی اور چاہتی ہے اور یہ میرے بس کی بات نہیں میں نے جن مشکلات میں سے گزر کر اسکو شایع کیا ہے میں ہی جانتا ہوں ۔ دوسری جلد میں (جسکا نام برکات عثمانی) ہے حیدرآباد جدید کی تعمیر کی تاریخ ہے ۔ میں سمجھتا ہوں حیات عثمانی کی اس اشاعت کے بعد حیدرآباد کی امارا اور علمی دنیا کے علاوہ حکومت کے مختلف دفاتر اور ادارے میرے ساتھ تعاون کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہوئے اس سلسلہ تالیف کو اپنے ملک و مالک کی ایک خدمت یقین کریں گے ۔

تالیف کے بعد مجھے تلاش تھی کہ میں اس کتاب کو کسی جلیل الشان انسان کے نام نذر کروں مختلف پہلوؤں سے میں نے غور کیا تو میری نظر اوّل و آخر حیدرآباد کی زندہ تاریخ (اللہ تعالی انکی عمر و اقبال میں برکت دے آمین) اور مشہور علم نواز بے ریا انسان اور ہر شخص کے ولی خیر خواہ دولت آصفیہ کے مسلّم جان نثار و وفادار یمین السلطنت پر پڑی اور میں نے انکی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا میں جانتا ہوں کہ جہاں تک اس تالیف کو میری ذات سے تعلق اور نسبت ہے اسکی کچھ حقیقت نہیں لیکن جس عظیم المرتبت سلطان کے سوانح و سیرۃ اور جس گرامی منزلت سلطنت کی اجمالی تاریخ کے یہ اوراق امین ہیں اسکے لحاظ سے اسکا مقام بہت بلند ہے اور یہ

سر یمین السلطنت ہی کے نام نامی سے منسوب ہونیکے قابل ہیں

میں اسے اپنی بہت بڑی عزت سمجھتا ہوں کہ میری حقیر خدمت کو سر یمین السلطنت نے یہ شرف بخشا کہ سر یمین السلطنت کے مقام کی

رفعت اور بھی بڑھ گئی کہ وہ اس تالیف کو محض اسلئے عزیز رکھتا ہے کہ

وہ اسکے محبوب و محسن بادشاہ و آقا کا تذکرہ ہے

اس راز کو اس جواب میں پائیگے جو بطور معروضہ کا دیا گیا ہے۔ میں نے جب معروضہ پیش کیا تو بزبان حال سے کہہ اٹھا

ہدیۂ ما تنگدستان را بچشم کم مبین — چوں بر سر خوان تہی سرپوش باش

مگر سربمین السلطنۃ کی اپنے بادشاہ کے ساتھ عقیدت وارادت اس خوان تہی کو سرمایۂ مسرت سمجھتی تھی۔

بہر حال

مجھے فخر ہے کہ میری ناچیز سعی کو آصفجاہ ہفتم کے نام کیوجہ سے یہ عزت وشرف ملا کہ سربمین السلطنۃ نے اسے اپنے نام نامی سے منسوب کرنے کی اجازت دیتے ہوئے اسے موجب فخر سمجھا اور حضرت سلطان العلوم کی ذات سے تو مجھے توقع ہی ہے کہ آپ بھی ارمغان عرفانی کو

شرف قبولیت بخشیں گے

ختم کرنے سے پہلے مجھے ایک اور گرامی قدر وجود کا شکریہ ادا کرنا ہے میں شاید سب سے پہلے انکا تذکرہ کرتا لیکن میں نے اسے موخر کیا تاکہ آخری بات قارئین کرام کے ذہن میں رہے اس تالیف کی تحریک میں خان بہادر احمد علاء الدین کی اس محبت و اخلاص کو بہت بڑا دخل ہے جو انہیں

حضرت آصف جاہ ہفتم سے ہے

اونہوں نے ہی سب سے اول مجھے اس تالیف کیلئے ہر ممکن مدد دیکر اس کام کو شروع کرنے کا حوصلہ دلایا۔ انکی علمی فیاضیاں اور رفاہ عام کے کاموں میں شرکت کا جذبہ بغیر کسی اظہار کا محتاج نہیں وہ سالار کے بھی ہمیشہ معاون رہے ہیں۔ شہزادگان عالی تبار کی شادیوں کی تقریب پر سالار کا ایک خاص نمبر اونہوں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے خرچ سے شایع کرایا غرض میں انکی امداد کا ممنون ہوں اور ہر وقت انکے لئے دعا کرتا ہوں کہ یقینا انکی ہی ابتدائی تحریک اور اعانت اول سے عملی صورت اختیار کر سکا۔ اب مجھے ندامت کے ساتھ ایک اور امر کا اظہار کرنا ہے ور

وہ یہ کہ قلت اسباب کیوجہ سے کتاب کی صحت اور طباعت اور دوسرے امورمین کافی اہتمام نہ ہوسکا۔ مجھے احساس ہے کہ کتابت وطباعت کے بعض اغلاط موجود ہیں جسکے لئے میں ندامت کا صحیح احساس رکھتا ہوں اللہ تعالی نے چاہا اور حیدرآباد کی شاہ پرست پبلک نے مجھے اس قابل کیا کہ میں دوسرا ایڈیشن شائع کرسکوں توانشاءاللہ نقش ثانی نہایت اعلیٰ اور مکمل ہوگا۔

وماتوفیقی الاباللہ العزیزالعلیم

میں نے سلور جوبلی کی یادگار مین ایک ادارہ تاریخی سلسلہ تالیفات قائم کرنیکا عزم کیا ہے۔ خدا تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اسکے لئے مجھے اخلاص اور رفقائے کار عطا فرماوے۔ آمین

خاکسار

یعقوب علی عرفانی (سیاح یورپ بلاداسلامیہ)

نزیل سکندرآباد

۵۔ نومبر ۱۹۳۶ء



مہاراجہ سرکشن پرساد یمین السلطنہ بہادر

ڈیڈیکیشن



خاکسار ایڈیٹر سالار دلی اخلاص وارادت سے
ارمغانِ عرفانی کو اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ
کے اباعن جدٍ وفادار و جان نثار دولتِ آصفیہ عثمانیہ کے جلیل القدر
اور علم نواز وزیراعظم سریمین السلطنتہ مہاراجہ کشن پرشاد (شاد) بہادر
بالقابہ کے اسم گرامی سے منسوب کرنے کی عزت حاصل کرتا ہے۔



گر قبول افتد زہے عز و شرف

سید محمد میرز عرفانی (ایڈیٹر سالار)

سر مہاراجہ بہادر کی طرف سے شرف قبولیت

نمبر کار قریشی ۱۷۰ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء م ۲۲ آبان ۱۳۴۵ ف

بخدمت شریف جناب عبد الباری صاحب فانی ایڈیٹر "سالار ممبئی"
معرفت اله دین بلڈنگ سکندرآباد

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب "دام لطفکم"

آپکا عریضہ جو آپ نے اپنی کتاب "حیات عثمانی" کے انتساب کی اجازت کیلئے سرکار دام اقبالہٗ کی خدمت میں گذرانا تھا۔ وہ سرکار دام اقبالہٗ کے ملاحظہ میں پیش ہو چکا جس پر حضور سرکار عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے آپ کو بذریعہ تحریر اطلاع دینے کے لئے حکم فرمایا ہے سرکار دام اقبالہٗ آپکی درخواست انتساب کو بخوشی منظور فرماتے ہیں اور آپ کی اس کتاب کا اپنے اسم گرامی سے معنون ہونا باعث فخر خیال فرماتے ہیں۔ لہذا آپکو اس کے انتساب کی بمسرت اجازت دیجاتی ہے۔

منجانب پرائیویٹ سکرٹری علاقہ مہاراجہ بہادر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصہ اوّل

دولتِ آصفیہ کی ابتدائی خاندانی تاریخ

باب اوّل

اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم کا خاندان باپ کی طرف سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ آصفی خاندان کا آبائی سلسلہ نسب ماں کی طرف سے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ دولت آصفیہ قریشی سلطنت ہے اس خاندان کی سلطنت و حکومت کے پہلو سے قطع نظر کر کے یہ بات روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے کہ اس خاندان میں علماء و اتقیا کا سلسلہ دائمی چلا آتا ہے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بھی خاندان آصفیہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ یہ خاندان عرب سے کیونکر نکلا؟ اور کہاں کہاں نقل مکان کرتا رہا؟ اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان آنے سے پیشتر یہ خاندان[1] ایک ممتاز حیثیت سے سمرقند میں

---

[1] بعض مورخین نے غلطی سے بایں وجہ کہ اس خاندان کے بزرگ سمرقند و بخارا سے آئے انکو ترک یا ترکمان سمجھا لیکن حقیقت

مقیم تھا علم و فضل۔ زہد و تقویٰ ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ اور اسی پر ان کو ناز تھا۔ اور اسی کے سبب سے وہ ممتاز اور مشارٌ الیہ تھے۔ علی الخصوص حضرت خواجہ اسمٰعیل صاحب اپنے زمانے کے ایک ممتاز عالم اور مشہور زاہد تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا تھا۔ اور مشکلات اور مہمات عظیمہ میں انکی دعاؤں سے فیض حاصل کیا جاتا تھا غرض صدیقی فطرت ہر زمانہ میں نمایاں رہی۔

بقیہ حاشیہ صد۔ یہ نہیں یہ خاندان عربی النسل اور قریشی ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک انکا شجرۂ نسب پہنچتا ہے اور اسی سلسلہ میں حضرت شیخ سہروردی قدس سرہ العزیز بھی اس خاندان کے اجداد میں ہیں۔ میر قمر الدین خان صاحب کے دادا عابد قلی خان بن عالم شیخ بن اللہ داد شیخ بن عبدالرحمٰن شیخ عزیزان ہیں۔ عالم شیخ سمرقند کے علماء متبحر میں سے تھے اور عبدالرحمٰن شیخ نہایت متورع اور متقی تھے ابتداء عمر ہی سے بزرگان دین کی صحبت میں علمی تحصیل اور تزکیہ نفس میں مصروف تھے حقیقت یہ ہے کہ ابتداء عمر سے مشت خاک کو بزرگوں کے دامن میں باندھ دیا اور بہار زندگی کے پھول انہیں بزرگوں کے روضہ پر چڑھا دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی مشت خاک اکسیر اور وہی پھول جہاں آرائی کی خوشبو بن کر نمودار ہوئے۔ اپنے زہد و اتقا میں ایسی ترقی کی کہ مرجع انام و سلاطین بن گئے۔ اور اسی فیض رسانی نے صاحب ارشاد بنا کر شیخ کا درجہ عطا فرمایا ہزاروں انسان ان کے معتقد تھے عوام ہی نہیں سلاطین بھی ان سے حصول برکات کے لئے حاضر ہوتے اور جب کبھی مشکلات کا سامنا ہوتا تو انکی دعاؤں سے اعانت چاہتے۔ چنانچہ جب عبداللہ خان والی بخارا (۹۶۴ھ سے ۹۹۱ھ) اور جواں مرد علی والی سمرقند (۹۸۰-۹۸۶ھ) کے درمیان جنگ ہوئی اور عبداللہ خان غنیم کی قوت عسکری سے خائف ہو کر نہایت انکسار کے ساتھ آپ کے حضور آئے شیخ کی طبیعت میں رقت و جوش پیدا کرنے کے لئے ماوراء النہر کے سلطان نے یہ صورت اختیار کی کہ گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی اور اسکا سرا سوار کے ہاتھ میں تھا اس سے مدعا جنگ کے نتیجہ کا اظہار کر کے طلب امداد تھی۔ درویش کے پاس دعا کا ہتھیار ہی زبردست تھا جو ناقابل تسخیر ہے شیخ اس نظارہ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اور اسکی کیمیا اثر نظر نے کام بنا دیا۔ عبداللہ خان کو اپنی چادر اڑھا دی اور گھوڑے پر اپنے ہاتھ سے سوار کرا دیا اور دعا کا لشکر ساتھ کر دیا پھر کون تھا جو سہام اللیل سے بچ جاتا۔ عبداللہ خان اسیر ہو کر آیا تھا سوار ہو کر گیا اور نتیجہ ظاہر تھا کہ

ہجرت ہندوستان | مجکو خاندان کی ابتدائی[1] تاریخ اور اس کی تفصیلی حالات کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں بلکہ ایک مختصر سا بیان زیر نظر ہے۔ جس کو پڑھ کر اس کتاب کے پڑھنے والے دولتِ آصفیہ کے ممتاز خاندان کے متعلق عام معلومات حاصل کر سکیں۔ یہ خاندان محض علمی حیثیت سے ہی ممتاز نہ تھا۔ بلکہ علم و شمشیر دونوں کا مالک تھا۔

دولت آصفیہ کا مورث اوّل تاریخی حیثیت سے میں خواجہ عابد المعروف عابد قلیخان کو قرار دیتا ہوں۔ اس لئے کہ خواجہ عابد قلی خاں صاحب ہی ہجرت کر کے عہد شاہ جہانی میں ہندوستان آئے۔ خواجہ عابد خواجہ اسمٰعیل صاحب کے ایک بیٹے تھے۔ تاریخ میں یہی شخص عابد قلی خاں کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی تاریخ ولادت کا صحیح پتہ نہیں ملتا۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے خاندانی علم و فضل میں ممتاز اور مشہور تھے انہوں نے سمرقند کو چھوڑا اور بخارا چلے آئے۔ یہاں کی ترقیات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ اولاً قاضی مقرر ہوئے۔ پھر شیخ الاسلام کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ لیکن ان کی ترقیات کے لئے بخارا کا میدان بھی تنگ تھا۔ گو پورے طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کن اسباب کے ماتحت وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ لیکن جو لوگ اُس زمانے کے تاریخی نشیب و فراز سے واقف ہیں اور طوائف الملوکی کے انقلابات کو سمجھتے ہیں وہ آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ خواجہ عابد قلیخان کو باہر سے آکر بخارا میں ایسا اعزاز و امتیاز حاصل کر لینا ان کے بخاری ہمعصروں کے لئے خوش کن نہ تھا۔ اس لئے ان کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں اور تحریکیں ہوئیں۔ اور خواجہ عابد قلیخاں نے بھی اپنے لئے میدان ترقی کو تنگ پاکر

---

[1] اللہ تعالےٰ نے مجھے توفیق دے اور دولت آصفیہ اور اسکے وابستگان نے اس کام کی اہمیت کا احساس کیا تو میں انشاءاللہ خواجہ عابد قلیخان سے لیکر آصف جاہ ششم تک مفصل تذکرے لکھنا چاہتا ہوں۔ و باللہ التوفیق۔ (عرفانی)

سمرقند بھی اس کے ہاتھ پر فتح ہو گیا

حاشیہ بسلسلہ صفحہ ۲۔ یہ تھی قوت تسخیر اور اثر اکسیر جو انکی دعاؤں میں تھا۔ غرض یہ خاندان اہل اللہ کا خاندان ہے جس میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے (عرفانی)

ہندوستان کا عزم کرلیا

شاہجہانی دربار میں | چنانچہ عہد شاہجہانی کے آخری ایام ۱۶۵۸ء میں خواجہ عابد قلیچخاں دہلی پہونچے

حاشیہ سلسلہ صفحہ ۳- بزرگ اور اولیاء اللہ گزرے ہیں اور جد اعلیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جو مقام ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں آپکا ذکر اولوالفضل کے نام سے فرمایا۔ الغرض خاندان کی سیادت اور شرافت مسلمہ ہے اور اس میں بھی کلام نہیں کہ اس خاندان کو ہمیشہ سے حکومت ظاہری اور باطنی سے حصہ ملتا رہا۔ مختصر طور پر اس خاندان کا شجرۂ نسب یوں سمجھنا چاہیئے۔ اس شجرۂ نسب میں اولاد کیلیئے سلسلہ کو دکھایا نہیں گیا صرف ان اسمائے گرامی کا اندراج ہے جو تخت نشین ہوتے ہیں

(حضرت ابوبکر صدیق اعظم خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ)

(بہت سی پشتوں کے سلسلہ میں)

(عبدالرحمٰن شیخ عزیزان شانی)

(الٰہ داد شیخ ثانی)

(خواجہ عزیزان شیخ عالم)

- خواجہ میر بہاء الدینخان سمرقندی
- خواجہ عابد محمد قلیچخان (مورث اعلیٰ خاندان آصفیہ) ۱۰۹۸ھ
  - میر شہاب الدین غازی الدینخان فیروز جنگ سنہ ۱۱۲۲ھ
    - میر قمر الدین خان نظام الملک آصف جاہ اول سنہ ۲۲-۱۱۶۱ھ
      - میر احمد خان ناصر جنگ (سنہ ۶۱-۱۱۶۴ھ)
      - میر محمد خان صلابت جنگ امیر الممالک
      - میر نظام علیخان نظام الملک آصف جاہ ثانی سنہ ۱۱۷۵-۱۲۱۸ھ
        - میر اکبر علیخان سکندر جاہ آصف جاہ ثالث سنہ ۱۲۱۸-۱۲۴۴ھ
          - میر فرخندہ علیخان ناصر الدولہ آصف جاہ رابع سنہ ۴۴-۱۲۷۳ھ
            - میر تہنیت علیخان افضل الدولہ آصف جاہ خامس سنہ ۷۳-۱۲۸۵ھ
              - میر محبوب علیخان آصف جاہ سادس سنہ ۸۵-۱۳۲۹ھ
                - میر عثمان علیخان آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ و ظلہ العالی
                  - میر حمایت علیخان اعظم جاہ ولیعہد بہادر
                    - میر برکت علیخان مکرم جاہ۔ (عثمانی)

دولتِ مغلیہ اہلِ علم و فن کی قدردانی اور حوصلہ افزائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ خواجہ عابد قلیچخان نہایت عزت و احترام کے ساتھ دربارِ شاہی میں لیے گئے۔ اور پانچ ہزار روپیہ اور خلعت عطا ہوا شہنشاہ کے ذاتی اسٹاف میں ان کو ایک معزز عہدہ دیا گیا۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کے علم و فضل، دیانت و امانت وفاداری و اخلاص کا زبردست اثر قلبِ شاہجہانی پر تھا۔

عہدِ عالمگیری میں عروج | حضرت شاہجہاں کی وفات کے بعد ہندوستان کی سلطنت کا تاج و تخت حضرت عالمگیر اورنگ زیب کے سر و قدم پر نثار ہوا۔ اور خواجہ عابد قلیچخان کے کمالات نے اپنی قبولیت اور عروج کی راہ پیدا کرلی۔ عالمگیر اعظم کو بھی خواجہ عابد کے علم و فضل دیانت کیشی اور وفاداری پر اسی طرح اعتماد تھا جس طرح حضرت شاہجہاں کو۔ اس لئے باوجودیکہ انہیں ہندوستان آئے دو ہی سال ہوئے تھے۔ اور یہ دو سال شاہی خاندان میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں اور ابتلا کے تھے۔ مگر ان کی قابلیت نمایاں ہوچکی تھی۔ اس لئے ۱۶۶۰ء میں حضرت عالمگیر اعظم کے وزراء میں لے لئے گئے۔ اور چھ ہی سال کے اندر ۱۶۶۶ء میں وہ اجمیر کے صوبہ دار ہوگئے۔

خواجہ عابد کے کمالات میں یہ بات عجیب نظر آتی ہے کہ وہ صرف عالم و فاضل ہی نہ تھے وہ نہ صرف بہترین سپاہی بلکہ کمانڈر، بہترین جج اور بہترین گورنر اور بہترین مدبر تھے۔ جو خدمت ان کے سپرد ہوتی وہ اسے نہایت عمدگی سے سرانجام دیتے۔ اور یہی وہ چیز تھی جو ان کی ترقیات کا موجب بنی۔ ۱۶۷۵ء میں وہ ملتان کے گورنر بنا دیے گئے۔ ملتان کو ان ایام میں بہت بڑی تاریخی حیثیت حاصل تھی۔ چار سال تک انہوں نے اس علاقہ کا انتظام نہایت عمدگی کے ساتھ کیا۔ اور امن و امان قائم رکھا۔

جذبہ دینداری | خواجہ عابد ان دنیوی مراتب و امتیازات کو حاصل کرکے از خود رفتہ اور مست نہیں ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت چونکہ ایسے حلقہ اور خاندان میں ہوئی تھی جو اپنی دیندارانہ زندگی کے لحاظ سے ممتاز تھا۔ خواجہ صاحب کی مذہبی عملی زندگی میں بھی ان ترقیات کے ساتھ ساتھ ترقی

ہوتی رہی۔ اور ان کے مدِ نظر یہی رہا۔

گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

سولہ ۱۶ سال تک دولت مغلیہ کی شاندار خدمات کے بعد انہوں نے حج بیت اللہ کا عزم کیا۔ اور ۱۶۷۴ء میں مکہ معظمہ چلے گئے۔ اور مکہ معظمہ کا یہ سفر مبارک جیسے انکی روحانی ترقیات کا موجب ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے مناصب و مراتب میں ترقیات کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ چنانچہ جب حج بیت اللہ سے واپس آئے تو عالمگیر اعظم نے آپ کو

قلیچ خان کا خطاب دیا

ترقیات کا نیا دور اور ورود دکن | اس زمانے میں وہ مختلف فوجی و انتظامی خدمات انجام دے رہے تھے۔ لیکن ۱۶۸۱ء میں شہنشاہ ہند عالمگیر اعظم کے وزیر اعظم مقرر ہو گئے اور ۱۶۸۲ء میں شاہزادہ اعظم شاہ کے ساتھ دکن چلے گئے۔ اور یہی دکن ان کا آخری مقام تھا جہاں ان کی ترقیات کا جام لبریز ہو گیا۔ اور ان کے خاندان کی ترقیات کا آغاز ہوا۔ اور ایک علم و فضل میں ممتاز اور عملاً دیندار خاندان مسجد و مدرسہ سے نکل کر۔

سلطنت کی صورت میں نظر آنے لگا

اور دولتِ آصفیہ کی بنیاد رکھی گئی۔

عابد اعظم کے سپوت مجاہد اعظم کے کارنامے | خاندان آصفیہ کی تاریخ کے ابتدائی باب کے ناقص رہ جانے کا احتمال ہے اگر میں عابد اعظم کے سپوت مجاہد اعظم کے کارناموں کا مختصر سا

تذکرہ نہ کروں۔ اس لئے کہ دولتِ آصفیہ کی تعمیر میں باپ اور بیٹے (عابد اور مجاہد) اس طرح مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ جیسے وادی غیر ذی زرع میں بیت اللہ بنانے والا معمار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) باپ تھا۔ اور اسمٰعیل (علیہ السلام) مزدور۔

عابد اعظم جب ہجرت کر کے ہندوستان آیا تو تنہا تھا۔ اہل و عیال سب بخارا میں تھے۔ ۱۶۶۸ء میں جبکہ آپ کامیابی کے منازل جلد جلد طے کر رہے تھے۔ تو خاندان کے لوگوں کو بلا لیا۔ اور اس آنے والے قافلہ میں ممتاز باپ کا جانباز بیٹا جو آخر میں مجاہد اعظم ثابت ہوا۔ اور غازی الدین کے خطاب سے مخاطب ہوا) میر شہاب الدین بھی تھا معتمد علیہ اور ممتاز باپ کا اقتدار بیٹے کی ترقی کے لئے آسان ذریعہ تھا۔ چنانچہ ہندوستان پہنچتے ہی ایک عمدہ عہدہ مل گیا۔ اور وہ آتے ہی اودے پور کے راناکے خلاف ایک مہم لیکر گئے۔ اور کامیاب واپس ہوئے۔ تو انہیں خان کا خطاب دیا گیا۔ اور منصب میں ترقی پاکر

دربارِ شاہی میں جگہ پائی

۱۶۸۰ء میں راجپوتوں نے شاہزادہ محمد اکبر کو ورغلا کر بغاوت کرادی اس بغاوت کو فرد کرنے کے لئے جو فوج روانہ کی گئی اُس میں میر شہاب الدین خان کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی میر شہاب الدین خان کے تدبر اور موقعہ شناسی نے اس مہم کو بھی سر کر لیا شاہزادہ تو ایران بھاگ گیا۔ اور باغی راجپوتوں کو پامال کر دیا گیا۔ اس مہم کے آغاز میں میر شہاب الدین کا چھوٹا بھائی شاہزادہ اکبر کے ساتھ تھا۔ مگر جب میر شہاب الدین خان سرکوبی کے لئے پہنچا۔ تو چھوٹا بھائی بھی بھائی سے آملا۔ اور اس فتنہ کے دبانے میں دونوں کی کوششیں متحد ہو گئیں اور کامیابی پر دونوں کی عزت افزائی ہوئی۔

غازی الدین خان بہادر کا خطاب | دو سال کے بعد ۱۶۸۲ء میں مرہٹوں نے سر اٹھایا۔ اور انکے مقابلہ میں میر شہاب الدین خان کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں بادشاہ نے اُن کو

کھائیں گے۔ یہ کمال محبت و عنایت کا اظہار تھا۔ نواب غازی الدین خان فیروز جنگ اچھے ہو گئے۔ مگر واجب الاحترام باپ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے۔ عالمگیر اعظم نے باپ کے امتیازات و مناصب جلیل القدر بیٹے کو عطا فرمائے۔ اور سلطنت مغلیہ کا سب سے بڑا منصب ہفت ہزاری بھی عطا فرمایا۔

نواب عابد قلیخان کے سیر و اخلاق میں شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ نواب عابد قلیخان بہت بڑے جلیل الشان عالم تھے۔ نرے عالم ہی نہیں باعمل شب زندہ دار اور متقی بزرگ تھے۔ بہروہ ملاّ اور صوفی نہ تھے۔ بہت بڑے سپاہی تھے۔ مہمات ملک داری میں ایک مدبّر اعظم تھے۔ یہی وہ شخص تھا جو ہندوستان میں آیا۔ اور اس نے دکن کی سرزمین میں کارہائے نمایاں کر کے بالآخر

اپنی موت سے خاندان آصفیہ کے عروج کا سنگ بنیاد رکھدیا

میر شہاب الدین فیروز جنگ کی سرگرمیاں میر شہاب الدین فیروز جنگ اپنے بہادر اور جلیل القدر باپ کی وفات کے بعد تمام اعزازات و امتیازات پدری کے وارث ہو کر دکن میں دولت مغلیہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۶۹۵ء ایک شریر مرہٹے سنتا نام کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیجدیا۔ یہ شریر اور ظالم باغی رعایا کے لئے ایک عذاب ہو رہا تھا۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار اس نے گرم کر رکھا تھا۔ بادشاہ فیروز جنگ کے اس کارنامہ سے اس لئے خوش ہوا کہ رعایا کو اس کی جفاکاریوں سے نجات ہوئی۔

ملکی خدمت کا جوش نواب غازی الدین خان آرام طلب اور تعیش پسند انسان نہیں تھا بلکہ جو کچھ اُسے بادشاہ کی طرف سے عنایت ہوتا اسے شاہی اور ملکی خدمت میں صرف کر دیتا۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی فوج ہمیشہ آپ سے خوش رہتی۔ اور اس طرح پر

پروہ اپنے سازوسامان اور عام ضبط کے لحاظ سے بہترین فوج تھی۔ اس کا انتظام اور سازوسامان کی درستی ایسی تھی کہ ۱۷۰۱ء میں جب غازی الدین خان کی افواج عساکر شاہی سے ملیں۔ اور عالمگیر اعظم نے معائنہ کیا تو بہت خوش ہوئے اور شہزادہ بیدار بخت کو لکھا کہ اگرچہ تمہیں فیروز جنگ سے دگنی تنخواہ ملتی ہے مگر فیروز جنگ کی فوج تمہاری فوج سے تعداد میں بھی زیادہ ہے۔ اور سازوسامان میں بھی بہت اعلیٰ ہے۔

عالمگیر اعظم کی وفات شہزادگان کا مقابلہ اور صوبہ داری گجرات غرض نواب غازی الدین خان پوری اخلاص اور جوش کے ساتھ شاہی خدمات سرانجام دیتے رہے ۱۷۰۵ء میں وہ صوبہ دار برار مقرر ہوئے اور نواب صاحب عالمگیر اعظم کے انتقال تک اسی خدمت پر رہے اور ایلچ پور میں مقیم تھے۔ عالمگیر اعظم کی وفات کے بعد شہزادگان میں تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہوا۔ شہزادہ اعظم اور معظم کا مقابلہ سخت تھا۔ غازی الدین خان بہادر اپنے فرزند سمیت برہان پور جا کر اعظم سے مل گئے۔ لیکن آخر کسی بات پر ناراض ہو کر چلے آئے۔ اور اورنگ آباد قیام کیا اور تخت نشینی کی جنگ میں کسی شاہزادے کا ساتھ نہ دیا۔ قدرت نے شہزادہ معظم کے حق میں فیصلہ کیا اور کامیاب ہو کر بہادر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوئے۔ اور انھوں نے ۱۷۰۸ء میں غازی الدین خان بہادر کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ دکن سے گجرات چلے گئے۔ اور آخری وقت تک اسی خدمت پر رہے۔

وفات اور شمائل و اخلاق ۱۷۱۰ء میں آپ احمد آباد میں مقیم تھے کہ پیام اجل آگیا چونکہ آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے دہلی دفن کیا جائے جہاں آپ نے اجمیری دروازہ کے قریب اپنی زندگی میں ایک مقبرہ تیار کرا لیا تھا۔ اس لئے لاش دہلی پہنچائی گئی۔ اور اسی مقبرہ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا نواب صاحب کی شخصیت اپنے کمالات کے لحاظ سے ایک ممتاز ہستی تھی۔ اس کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عالمگیر اعظم جیسا جلیل القدر اور بلند نظر بادشاہ ان سے محبت رکھتا تھا۔ اور ان کی ذات پر انہیں بے حد اعتماد تھا۔ نواب فیروز جنگ کی

بہادری سپاہیانہ جرأت اور دلیری تو ضرب المثل تھی۔ مگر اس ہمت و شجاعت کے ساتھ وہ بڑے منتظم۔ مدبر اور معاملہ فہم بھی تھے۔ وہ کسی مہم پر نہیں گئے جہاں فتح وظفر نے ان کی رکاب نہ چومی ہو۔ بادشاہ کو ان پر اعتماد تھا کہ ہر نازک مہم کو انہی کے سپرد کیا جاتا تھا۔

عالمگیر اعظم کے عہد کا بہت بڑا کٹر مورخ خافی خان لکھتا ہے کہ

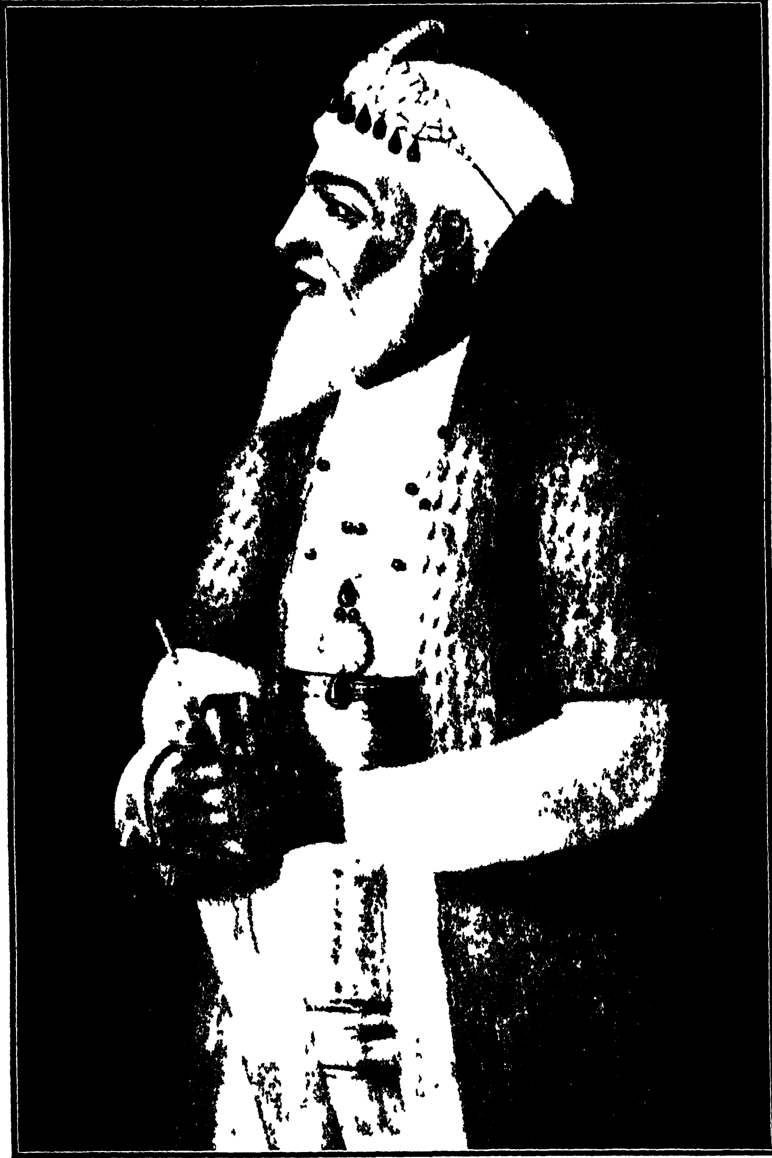
"امارت و مناصب کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچکر بھی نواب فیروز جنگ کی خوش اخلاقی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کوئی شخص بھی ہو جس سے آپ بات کرتے اتنی نرمی اور محبت سے کرتے تھے کہ وہ حیران رہ جاتا تھا۔"

خافی خان جیسے کٹر کی رائے کے بعد ان کے اخلاق و شمائل پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں بہادر اور جانباز باپ کا بہادر اور سرفراز بیٹا احمد آباد میں نوت ہو کر دہلی دفن ہو گیا اپنے پیچھے ایک ایسی یادگار چھوڑ گیا جس نے اس سرزمین میں جہاں باپ دادا کا خون گرا تھا ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھدی۔

نواب قمر الدین خان بہادر آصف جاہ اول | نواب فیروز جنگ بہادر جو ابتداءً صرف میر شہاب الدین تھے۔ ہندوستان آئے اور ان کی قابلیتوں کا ظہور ہونے لگا تو ۱۶۷۱ء کے آغاز میں نواب سعد اللہ خان بہادر مشہور وزیر اعظم شاہ جہاں نے اپنی صاحبزادی سے ان کی شادی کردی نواب سعد اللہ جیسے مدبر اعظم کا انتخاب معمولی چیز نہیں۔ اسی سے میر شہاب الدین کے کمالات کا پتہ چلتا ہے اور سعد اللہ خان[1] جیسے مدبر نے دیکھ لیا تھا کہ یہ غیر معمولی قابلیت کا انسان بہت بڑی عزت و اقبال کا مالک ہوگا۔ آغاز ۱۶۷۱ء میں شادی ہوئی اور خدا تعالے کے فضل و کرم سے اسی سال کے آخر میں نواب سعد اللہ خان کی صاحبزادی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام قمر الدین رکھا گیا یہی وہ قمر الدین تھا جو تاریخ میں آصف جاہ اول کے

---

[1] علامی سعد اللہ خان وزیر اعظم کے علم و فضل اور تدبر کا سکہ اپنے عصر میں چلتا تھا اور آج بھی اس کا



حضرت آصف جاہ اول

"مغفرت مآب"

نام سے مشہور رہوا۔ اور جس نے دولتِ آصفیہ کی بنیاد دکن کی اس سرزمین میں رکھدی جہاں باپ دادا نے جوہر شجاعت دکھائے تھے۔ وہ دولتِ آصفیہ جس کی بنیاد قمرالدین خان نے رکھی تھی آج انہیں بنیادوں پر

میر عثمان علی خان بالقابہ نے ایک عالیشان قصر تعمیر کردیا ہے

اور اسی فرخندہ فال با اقبال سلطان کے سوانح و سیرۃ کا تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ پایہ بہت بلند ہے علامی موصوف نے اپنی بیٹی سعید النساء بیگم صاحبہ کی شادی فیروز جنگ سے کرنے میں اپنا فخر اور سعادت یقین کی تھی۔ اور واقعات نے بتایا کہ اسکی دوربین آنکھ نے دور کی سلطنت کردیکھا تھا۔ اسی سعید النساء بیگم کے بطن سے ۱۴ ربیع الآخر ۱۰۸۲ھ کو وہ نامور بیٹا پیدا ہوا جو بعد میں

نظام الملک آصف جاہ کے نام سے موسوم ہوا۔

لہ۔ خاندان آصفیہ کے سلاطین کے نام کے ساتھ میر کا لفظ جو لگایا گیا ہے اسکی وجہ بعض لوگوں نے تو یہ بیان کی ہے کہ یہ ترکی لفظ ہے اور افسر اور سردار کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے جیسے میر لشکر میر سامان وغیرہ۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ امیر کا مخفف ہے جو عربی کا اسم فاعل اور امارت بمعنی حکومت سے مشتق ہے خواہ اس لفظ کی اصلیت اور حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ حکومت اور سرداری اس خاندان کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔ شروع میں اس خاندان کے بزرگوں کے نام خواجہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اس سے بھی خاندان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ یہ لفظ ترکی زبان میں مالک اور خداوند کے معنوں میں آتا ہے اور علی العموم حکومت باطنی کے مفہوم کو لئے ہوئے ہے چونکہ خاندان میں بزرگان دین ہوتے تھے اسلئے اظہار عقیدت کے لئے خواجہ کا لفظ تعظیماً لگاتے تھے۔ (عرفانی)

دوسرا باب

دولت آصفیہ کی تاسیس و توسیع

سلطنت تیموریہ کا عہد حکومت تاریخ ہند کا ایک پرشوکت و اقبال عہد ہے اس سہ صد سالہ عہد حکومت کی تاریخ میں جن نامور انسانوں کا ذکر آتا ہے ان میں نظام الملک آصف جاہ اوّل کا ذکر گو سلطنت کے عہد آخر میں آتا ہے۔ مگر اپنے کارناموں کے لحاظ سے یہ بطل عظیم اس قابل ہے کہ دولت تیموریہ کے نامور سپہ سالاروں اور مدبّروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر سنہری حروف میں لکھا جائے اسلئے کہ یہی وہ جلیل القدر مدبّر اور سپاہی ہے جس نے

دولتِ مغلیہ کے کھنڈرات پر آصفی کنگڈم کی بنیاد رکھی

اور اس طرح پر اپنی ہمت و تدبّر سے سلطنت مغلیہ کے آثار کی ایک یادگار چھوڑنے کا موجب ہوا۔ دوسرے فوجی سپہ سالار اور ملکی مدبر اور صیغہ معارف کے نامور محقق حکومت مغلیہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئے صرف تاریخ میں ان کا تذکرہ رہ گیا۔ اور لوگ اسے

بیان پُر درد ہے گذری ہوئی اگلی کہانی ہے

کہکر پڑھ جاتے ہیں اور یہ بھی صرف وہ جو تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ورنہ وہ

سب عظیم الشان ہستیاں جس طرح پر زمین کے نیچے دفن ہیں ان کے تذکرے بھی تاریخ و سیر کی کتابوں میں منتشر اور دفن ہیں۔ مگر نظام الملک آصف جاہ اول کی بنا کردہ آصفی کنگڈم نہایت شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے (اللہ تعالیٰ اس کو تا ابد قائم رکھے آمین) اس لئے اس کا نام تاریخوں اور تذکروں میں ہی نہیں بلکہ ہر عہد میں ہر آصف جاہ اس کی زندہ نشانی اور پر شکوہ یادگار رہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دولت مغلیہ کے آخری دور میں آصف جاہِ اوّل اتنا عظیم الشان انسان تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے کارنامے حیرت انگیز ہیں۔ اس آخری دور میں وہ سلطنت مغلیہ کی بقاء و استحکام کے لئے بے حد مصروف نظر آتا ہے۔

اگر اس قابلیت کا انسان دولت تیموریہ کے عہد شباب میں پیدا ہوتا تو معلوم نہیں اسے کہاں سے کہاں تک پھیلا دیتا۔ مگر اسے وہ زمانہ ملا جب کہ دولت تیموریہ کے قصر حکومت میں زلزلہ آچکا تھا۔ اس کے ستون یکے بعد دیگرے گرتے جا رہے تھے۔ یہ ہمت و وفا کا مجسمہ تنہا گورگانی خاندان کے قصر حکومت کی گرتی ہوئی دیواروں کے سنبھالنے میں مصروف تھا تنہا اس لئے کہا گیا کہ اس عہد آخر کی تاریخ کے منتشر اجزاء سے یہ حقیقت نمایاں ہے کہ اس وقت اندرونی سازشوں کا بازار گرم تھا۔ اور نہ صرف عمائد و امرائے دولت جو اس امانت تیموریہ کے محافظ تھے۔ بلکہ خود اس کے وارث اس کی بربادی میں ایک یا دوسرے رنگ میں مصروف تھے۔ ان حالات میں ایک مرد وحید کی کوششیں کیا کر سکتی تھیں۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ میری نصف صدی کی مساعی اس قصر حکومت کو آنے والے طوفان سے محفوظ نہیں رکھ سکتی ہیں اور مشیت ایزدی کچھ اور ہی دکھانا چاہتی ہے تو اس نے اتنا کیا کہ اس حکومت تیموریہ کے آثار کو دولت آصفیہ کی صورت میں قائم رکھنے کا انتظام کیا۔ اس کے خیال میں دولتِ تیموریہ ہی کی بقاء و استحکام تھا۔ وہ آخری وقت تک اس کا وفادار اور اس کی ترقی و بقاء کا خواہشمند تھا۔ مگر مشیت ایزدی گورگانی حکومت کا خاتمہ کر چکی تھی۔ آخر یہ چراغ گل ہو گیا۔

اس دور آخر میں آصف جاہ اوّل نے ہندوستان کے جنوبی گوشہ کی حفاظت کو مقدم سمجھا۔

آصف جاہ اوّل کا تذکرہ | آصف جاہ اول کا تذکرہ بجائے خود ایک مبسوط اور جامع تصنیف کا مقتضی ہے۔ اور مختلف لوگوں نے اس رجل عظیم کے حالات زندگی لکھے ہیں میں یہاں بہت مختصر تذکرہ محض اس لئے کرنا چاہتا ہوں تاکہ دولت آصفیہ عثمانیہ کی تاریخ کا سلسلہ قائم رہے ورنہ اس تالیف کا مقصد آصف جاہ ہفتم خلد اللہ ملکہ کے سوانح حیات اور سیرۃ کا تذکرہ لکھنا ہے۔

آصف جاہِ اوّل کی فطرت اور شان کے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں بہت بڑا عالم اور وسیع النظر فاضل تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک شب زندہ دار اور عبادت گذار زاہد تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں خنجر و تلوار تھی۔ اور وہ ایک جری۔ بہادر سالار سپاہ اور کشور کشا جرنیل تھا۔ ساتھ ہی بہت بڑا مدبر اور سیاست داں طبیعت رسا متانت اور معقولیت سے حصہ وافر رکھتا تھا۔ غرض وہ ایک مجموعۂ کمالات تھا۔

مختصر حالات | میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ آصف جاہِ اوّل جن کا اصل نام میر قمر الدین خان تھا۔ شاہجہان اعظم کے وزیر سعد اللہ خاں کی بیٹی کے بطن سے ۱۶۷۱ء میں پیدا ہوئے ان ایام میں میر قمر الدین خاں کے رفیع الشان باپ اور دادا کا ستارہ اَوج پر تھا۔ شوکت و اقبال ان کے گھر کے غلام تھے۔ یہ خاندان تقویٰ اور طہارت اور علم و فضل میں تو صدیوں سے مشہور اور ممتاز تھا اور حکومت و امارت کے بھی متعدد عہد اس خاندان میں گذرے تھے۔

میر قمر الدین جب پیدا ہوئے تو کچھ شک نہیں کہ چاندی نہیں سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے خاندانی امارت اور زہد و تقویٰ کے ساتھ آپ کے والد محترم نواب فیروز جنگ بہادر نے اپنی جرأت و شجاعت اور فن سپہ گری میں بھی چار چاند لگا دئے تھے۔ ادھر ماں کی طرف سے خاندان کی جو رفعت و شوکت تھی وہ عہد تیموریہ کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ ان حالات میں میر قمر الدین خاں پیدا ہوئے بڑھے اور جوان ہوئے۔

عالمگیر اعظم کی توجہ | عالمگیر اعظم کو میر قمر الدین خان کے رفیع المنزلت باپ اور دادا کے ساتھ بہت محبت و اخلاص تھا۔ وہ ان کی ذات پر ایسا ہی اعتماد رکھتا تھا جیسا خود اپنے نفس پر اور اسی سلسلہ میں میر قمر الدین خان کو بھی بہت پیار کرتا تھا۔ حضرت عالمگیر اعظم کی مومنانہ فراست، اور شاہی فکر میر قمر الدین خاں کے چہرہ پر آثار عظمت کو نمایاں دیکھتا تھا۔

بالائے سرش زہوشمندی   می تافت ستارہ بلندی

وہ فرماتے کہ یہ بچہ کسی روز اپنے زمانہ میں بہت بڑا آدمی ہوگا۔ اور آخر یہی ہوا۔

پہلا خطاب | حضرت عالمگیر اعظم نے اس جوان بخت اور خوش اقبال نوجوان کو ۱۶۹۰ء میں جب کہ اس کی عمر انیس^{۱۹} سال کی تھی چین[۱] قلیچ خان کا جدی خطاب عطا فرمایا۔

ترقیات کا سلسلہ اور خدمات شاہی کا صلہ | چین قلیچ خاں (قمر الدین خاں) اپنی شجاعت و سپہ گری میں تو ممتاز تھے ہی۔ ان کی وفاداری اور اخلاص پر بھی حضرت عالمگیر کو بہت بڑا اعتماد تھا۔ ۱۶۹۷ء میں ناگپور میں باغیوں نے سر اٹھایا اس بغاوت کو فرو کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے چین قلیچ خاں کے نام قرعہ پڑا۔ خان صاحب موصوف نے اس خوبی اور عمدگی سے اس مہم کو سر کیا کہ ان کی شجاعت کے ساتھ ان کے تدبر کا بھی اعتراف کیا گیا۔ اور حضرت عالمگیر اعظم نے بیحد خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۰۱ء میں وہ کرناٹک کے فوجدار مقرر کر دیئے گئے اور ۱۷۰۲ء میں بیجاپور کے علاقہ کی صوبہ داری عطا ہوئی۔

قلعہ بیدر کی تسخیر | ۱۷۰۴ء میں حضرت عالمگیر اعظم نے انہیں قلعہ بیدر کی تسخیر کے لئے مامور فرمایا انہوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے شدید مقابلہ کیا۔ قلعہ کی تسخیر آسان نہ تھی لیکن اس فرزانہ دہر نے ایک ایسی پہاڑی پر قبضہ کر لیا کہ اس کے بعد محصورین کے لئے مدافعت

---

[۱] "چین" ترکی زبان میں چھوٹے کو کہتے ہیں: اور قلیچ کے معنی تلوار کے ہیں عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے دادا کو قلیچ خان (شمشیر خان) کا خطاب دیا تھا اس لئے پوتے کو اس اعزاز کو مدنظر رکھتے ہوئے چین قلیچ خان یعنی چھوٹے شمشیر خان کا خطاب دیا۔ (عزیزانی)

اور مقابلہ آسان نہ تھا۔ چنانچہ قلعہ مسخر ہو گیا۔ مگر اس حملہ میں چین قلیچ خاں (قمر الدین خان) کا محبوب گھوڑا مارا گیا۔ جس پر وہ اس حملہ کے وقت سوار تھے۔ حضرت عالمگیر اعظم نے یہ معلوم کر کے کہ انہیں اس خاص گھوڑے کے مارے جانیکا خیال ہے ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا عنایت کیا جس کی زین جواہرات سے مرصع تھی۔ اور ایک مرصع تلوار بھی عنایت کی۔ اور خان صاحب کو

پنجہزاری منصب عطا فرمایا

خصوصی شاہانہ توجہات | یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کو چین قلیچ خان کی صورت میں ایک ہونے والے بادشاہ کا پیکر نظر آتا تھا وہ ان کے کارناموں سے از بس محظوظ ہوتے تھے اور انکی اعزازی ترقیات سے حضرت کو خوشی ہوتی لیکن جو مخلصانہ تعلق اور محبت حضرت عالمگیر کو چین قلیچ خاں سے تھی اس کا اندازہ ان خطابات اور درجات کی رفعت سے نہیں بلکہ دوسرے حالات سے ہوتا ہے۔ عالمگیر اعظم کی دوربین آنکھ دیکھتی تھی کہ انکی آنکھ بند ہوتے ہی کیا ہونے والا ہے سلطنت کی حفاظت کے لئے اُس نے سوچا کہ اگر چین قلیچ خان سے رشتہ داری کے تعلقات قائم ہو جائیں تو زیادہ مفید اور موثر ہوگا اس مقصد کیلئے انہوں نے شہزادہ کام بخش کی صاحبزادی سے چین قلیچ خاں کو منسوب کرنے کا انتظام کیا اور اپنے ایک نہایت ہی معتمد علیہ خواجہ اختیار خاں کے ذریعہ پیغام بھیجا مگر چین قلیچ خان اپنی دور اندیشی سے کچھ اور رنگ دیکھ رہا تھا اور بقول شخصے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں ۔ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

اسلئے نہایت ادب سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ خیالی نہیں حقیقت کا مظہر ہے۔ اور مورخین نے لکھا ہے اس سے میں جس نتیجہ پر آتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کی نظر میں خاندان آصفی کی وہ عزت اور مقام تھا کہ

مغل اعظم کا خاندان اس کی مصاہرت کو پسند کرتا تھا

نیز حضرت عالمگیر اعظم یہ یقین کرتے تھے کہ چین قلیچ خان کا تدبرا ور بہادری سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل نہونے دیگی اگر یہ رشتہ مصاہرت قائم رہیگا۔ کچھ شک نہیں کہ اس تجویز پر غور کرتے ہوے حضرت عالمگیر اعظم کی سیاست دانی اور دوربینی کی داد بے اختیار دینی پڑتی ہے۔ لیکن چین قلیچ خان کی فراست اس معاملہ میں ان سے بڑھ جاتی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ شہزادہ کام بخش کس عقل و خرد کا انسان ہے وہ دربار کی سازشوں سے بھی غافل نہ تھے اور وہ اس فتنہ کو جو عالمگیر اعظم کے بعد پیدا ہونے والا تھا دیکھ رہے تھے اسلئے انہوں نے ایسے مستحسن پیرایہ سے اپنے آپ کو بچالیا اور سچ تو یہ ہے کہ

یہ قدرت ہی کی ایک کرشمہ سازی تھی

ازل میں دکن کی حکومت کا سربراہ انہیں کو تجویز کر دیا تھا اسلئے وہ کسی ایسے سلک میں منسلک نہ ہوئے جو انہیں کسی اور راستہ پر لے جانے کا محرک ہوگا۔
غرض چین قلیچ خان حضرت عالمگیر اعظم کے عائد خصوصی میں بھی ایک امتیاز اور شرف رکھتے تھے یہ بھی عجیب بات ہے کہ خود عالمگیر اعظم ہی نے آپ کا نام

میر قمر الدین رکھا تھا

اور اس نام میں ایک کمال کے لئے تفاول موجود تھا۔ اس عہد عالمگیری میں یہہ دستور تھا کہ جب امرائے عالمگیری میں سے کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تو وہ نذر پیش کرتا اور بادشاہ لڑکے کا نام تجویز کرتا چنانچہ اسی آئین و دستور کے موافق فیروز جنگ نے جب نذر پیش کی تو حضرت عالمگیر اعظم نے اس مولود مسعود کا نام میر قمر الدین رکھدیا جو آگے چلکر اسم با مسمیٰ ثابت ہوا۔

حضرت عالمگیر اعظم کا انتقال | چین قلیچ خان (قمر الدین خان) پر نئے شہنشاہ کی عنایات

مور د ہو رہے تھے۔ اور ان کی قابلیتوں کے جوہر نمایاں ہو رہے تھے۔ کہ ۱۷۰۷ء میں حضرت عالمگیر اعظم کا احمد نگر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عالمگیر اعظم کی وفات معمولی صدمہ نہ تھی۔ اسلامی ہندوستان کی تاریخ میں یہ دن "موت العالِم" کا دن کہنا چاہئے۔ جنازہ اورنگ آباد لایا گیا۔ اور چین قلیچ خان اپنے محبوب بادشاہ اور قدر دان آقا کی میت کے ساتھ اورنگ آباد آئے۔ اور سلطنت تیموریہ کے اس عظیم الشان اور جلیل القدر سلطان کو خلد آباد کی مٹی میں اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا (نور اللہ مرقدہٗ)۔

فتنہ کا آغاز اور اعظم جاہ کی کامیابی | عالمگیر اعظم کی آنکھ بند ہوتے ہی فتنہ کا دروازہ کھل گیا اور چین قلیچ خاں اور آپ کے والد ماجد فیروز جنگ کی وفاداری اور اخلاص کے امتحان کا نیا مرحلہ پیش آیا۔ عالمگیر اعظم کے دو بیٹوں شہزادہ اعظم جاہ اور معظم جاہ میں تخت نشینی کے لئے جنگ شروع ہو گئی ایسے موقع پر کسی ایک کا ساتھ دینا اور دوسرے کا مقابلہ کرنا بظاہر اپنی جان سے کھیلنا تھا۔ مگر ان مخلص و مدبّر باپ بیٹوں نے اعظم جاہ کی رفاقت کا فیصلہ کر لیا۔ اور اسی کو حق سمجھا اور نہایت وفاداری اور جان نثاری سے ساتھ دیا۔ آخر اعظم جاہ کامیاب ہوئے اعظم جاہ نے چین قلیچ خاں کی خدمات کا اعتراف اس طرح پر کیا کہ ان کا منصب شش ہزاری کر دیا۔ اور خان دوران کا خطاب دے کر برہان پور کی صوبہ داری عطا کی۔

علیحدگی | مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد کسی وجہ سے باپ بیٹا دونوں ناراض ہو گئے۔ اور پھر وہی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ انہوں نے کسی ایک کا بھی ساتھ دینا مناسب نہ سمجھا۔ آگرہ کے قریب دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور تقدیر نے اعظم جاہ کی حکومت کا اس کی موت کے ساتھ خاتمہ کر کے معظم جاہ کو شہنشاہ بنا دیا۔ اور وہ بہادر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

بہادر شاہ کی قدر شناسی | بہادر شاہ چین قلیچ خاں کی وفاداری اس کی شجاعت فرزانگی اور اخلاص کو جانتا تھا۔ باوجودیکہ اوائل جنگ میں انہوں نے اعظم جاہ کا ساتھ

دیا تھا۔ لیکن بہادر شاہ انہیں غدّار نہیں سمجھتا تھا۔ اور یہ یقین کرتا تھا کہ وہ حق کے مُؤیّد ہو کر مخالفت کر رہے ہیں۔ اور بعد کی جنگ میں انکا شریک نہ ہونا بھی اخلاص پر مبنی تھا ورنہ جب اعظم جاہ سے ناراض ہو کر اس سے علیحدہ ہوئے تھے۔ تو جوڑ توڑ کر کے معظم جاہ کے پاس جاتے نہیں وہ علیحدہ رہے۔ اب قدرت نے خود معظم جاہ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ تو معظم جاہ نے بہادر شاہ ہو کر بہادروں کا سا معاملہ چین قلیچ خاں بہادر سے کیا۔ ان کے خطابات کو قائم رکھا۔ اور اودھ کی صوبہ داری اور لکھنؤ کی فوجداری عطا کر دی۔

پھر علیحدگی اور گوشہ نشینی قلیچ خاں نے عالمگیر اعظم کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ ان کی قابلیتوں کا اس سے بڑھ کر کوئی قدر شناس نہ تھا۔ بہادر شاہ کے عہد حکومت میں حکومت کی اس شان میں جو عہد عالمگیر میں تھی فرق آچکا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر قلیچ خاں (خان دوراں قمر الدین) کی طبیعت پر بہت بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے تمام حالات پر تدبر سے نظر کی، اور حالات کی وقتی رو کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ نہ تو مناصب ہی قائم رہ سکتے ہیں، اور نہ اطمینان خاطر اور نہ صحیح طریق پر خدمت ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ امور مملکت میں حصہ لینے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ اس فیصلہ کیساتھ بہ طیب خاطر سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے کہ گویا کبھی کسی قسم کی دلچسپی ہی نہ تھی۔

علماء و فضلاء کی صحبت رہتی۔ علمی مذاکرے ہوتے مطالعہ کتب کی خوشگوار مصروفیت تھی۔ اور یا زندگی کا بیشتر حصہ عبادت و شب بیداری میں گذرتا۔ یہ حالت بہادر شاہ کے بقیہ ایام حکومت تک رہی اسی طرز عمل پر آپ کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ سیاسی جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں رات دن گذر رہے تھے کہ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور پھر تیموری سلطنت میں ایک عہد انقلاب آیا۔ اور

جہاندار شاہ کا عہد حکومت اور اس کی موت جہاندار شاہ تخت نشین ہو گیا۔ چین قلیچ خاں کے لئے اس قسم کے انقلابات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اب امور سلطنت سے الگ ہو کر زاویہ نشین اور بوریہ نشین شب زندہ دار عابد تھے۔ مگر جہاندار شاہ نے انہیں مجبور کیا۔

اور اس کنجِ عافیت سے نکال کر میدانِ سیاست میں لا کھڑا کیا۔ چین قلیچ خاں دوبارہ میدانِ سیاست میں آنے سے خوش نہ تھے۔ مگر "حکم حاکم مرگ مفاجات" سمجھتے ہوئے وہ مجبور تھے اور جہاندار شاہ کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ وہ ادنیٰ درجہ کے بازاری آدمیوں کے اعزاز میں منہمک تھے اور خواص اور ممتاز عہدہ دار اس طریقِ عمل سے بیزار تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ سفلہ نوازی کوئی نہ کوئی رنگ ضرور لائیگی۔ آخر وہی ہوا۔

فرخ سیر نے حملہ کیا اور آگرہ کے میدان میں جہاں اعظم جاہ اور معظم جاہ کے درمیان موت نے معظم جاہ کے سر پر تاج نثار کر دیا تھا جہاندار شاہ میدان میں مارا گیا اور فرخ سیر بادشاہ ہوگیا۔

انقلابی دور اور فرخ سیر کا عہد حقیقت میں خاندانِ تیموریہ کی جلیل الشان حکومت اب دم توڑ رہی تھی۔ انقلاب اب اس قدر جلد جلد ہو رہے تھے کہ کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ شام تک کیا ہو جائیگا۔ اس وقت سید عبداللہ اور سید حسین علیخاں کے پوبارہ تھے یہ بادشاہ گر کہلاتے تھے۔ اور سیاہ و سفید کے مالک تھے فرخ سیر برائے نام بادشاہ تھا۔ اصل حکومت بادشاہ گر بھائیوں کی تھی اور یہ دولت تیموریہ کے آخری ایام تھے۔

آگرہ کی جنگ میں چین قلیچ خاں عساکر شاہی کے میمنہ کے کمانڈر تھے فرخ سیر نے فتح حاصل کرکے بادشاہت کے اعلان کے بعد

نظام الملک کا خطاب اور دکن کی صوبہ داری کا فرمان چین قلیچ خاں کو نظام الملک کا خطاب عطا کیا اور دکن کا صوبہ دار اور کرناٹک کا فوجدار مقرر کرکے دکن بھیجدیا۔ بادشاہ گر بھائیوں نے بھی یہ غنیمت سمجھا وہ جانتے تھے کہ چین قلیچ خاں کی شجاعت و تدبّر ان کی طاقت کو خاک میں ملا دیگا۔ اس لئے اس تجویز کی انہوں نے مخالفت نہیں کی بلکہ خوشی سے تائید کی اور چین قلیچ خاں کا اس طرح نظام الملک کے خطاب سے مخاطب ہو کر دکن آنا

دکن میں سلطنتِ آصفیہ کا پیش خیمہ تھا

پھر مراد آباد کی واپسی | نظام الملک چین قلیچ خاں (میر قمر الدین خاں) جب دکن میں پہنچے تو حالت نہایت زبون اور ابتر تھی۔ مرہٹوں نے اپنی چیرہ دستیوں سے ایک ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ اور ہر مقام پر بدنظمی اور جور و جفا کی حکومت تھی۔ اس قسم کی بدنظمیاں نظام الملک جیسے مدبر اور فرزانہ کے لئے عملی قوتوں کے نشو و نما میں مہمیز کا کام دیتی تھیں انہوں نے اپنی حسن تدبیر سے ایک ہی سال کے اندر انتظامات کو درست کر دیا۔ اور بدنظمی کی جگہ حسن انتظام نے لے لی۔ بادشاہ گر سیّدوں کو یہ کامیابی پسند نہ آئی۔

دراصل دکن تو انہوں نے اس لئے تجویز کیا تھا کہ وہاں کے فتنہ و فساد اور مرہٹوں کی سرگرمیاں انہیں ختم کر دینگی۔ مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نظام الملک آئندہ دولتِ آصفیہ کا بانی ہوگا۔ اس لئے اس کو دکن کے انتظام میں کامیابی ہوئی۔ ابھی انہیں دکن آئے ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا۔ اور فتنہ و فساد سے اس ارض مقدسہ کو پاک کر کے وہ مزید اصطلاحات کی فکر میں تھے کہ شاہی فرمان واپسی کے لئے پہنچا اور دکن کی بجائے مراد آباد کی صوبہ داری آپ کو تفویض ہوئی۔

نظام الملک تو ایک قوت تھا اور خوش نظمی اور کامیابی اس کی رفیق راہ تین چار سال تک وہ برابر مراد آباد میں امن و کامیابی کے ساتھ صوبہ دار رہے اور اب وہ وقت آگیا کہ تخت دہلی کے لئے خطرناک انقلابی دور شروع ہو گیا۔ سادات بارہہ (بادشاہ گر) کا اقتدار ان کی سازشی سرگرمیاں اس حد تک ترقی کر گئی تھیں کہ خود دربار کو ان کے قلع قمع کرنے کا فکر ہوا اس لئے ۱۷۲۱ء میں نظام الملک کو اس فتنہ کو ختم کرنے کیلئے دہلی بلایا گیا۔ تاکہ وہ اپنی قوت و حسن تدبیر سے سید عبد اللہ (جو اس وقت وزیر اعظم تھے) کو معزول کرنے میں مدد دیں۔ لیکن بادشاہ کی بے ہمتی اور بزدلی کی موجودگی میں کیا ہو سکتا تھا۔ یہ تجویز ناکام رہی۔ وزیر اعظم (عبد اللہ بادشاہ گر) نظام الملک پر تو ہاتھ نہ ڈال

سکا۔ مگر بادشاہ کو اولاً اندھا پھر قید کر کے مار ڈالا اور ایک ایسا انقلابی دور شروع ہو گیا کہ جس شاہزادے کو تخت نشین کرنا چاہتے۔ اس کی ماں ہاتھ جوڑ کر کہتی کہ

میرے بچے کا سر سلامت رہنے دو

بہرحال رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات یکے بعد دیگرے بادشاہ بنائے گئے مگر بادشاہ گردوں نے سلطنت مغلیہ کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لئے کھوکھلا کر دیا۔ ان چالاک سازشیوں نے نظام الملک کے لئے اب

پٹنہ کی صوبہ داری تجویز کی

محمد شاہ کا عہد سلطنت | رفیع الدرجات کے انتقال کے بعد سیدوں نے روشن اختر کو بادشاہ بنایا اور محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔

نظام الملک صوبہ دار مالوہ | نظام الملک کے نام مالوہ کی صوبہ داری کا قرعہ پڑا اور وہ صوبہ دار ہو کر مالوہ چلے گئے۔ اس وقت دہلی دربار کی حالت نہایت نازک تھی۔ نظام الملک آنے والے واقعات کو اپنی چشم آخر بیں سے دیکھ رہے تھے۔ سیدوں کا اقتدار بھی آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ اور ان کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ تمام سلطنت میں جس شخص پر اعتماد ہو سکتا تھا وہ

نظام الملک کی ہستی تھی

محمد شاہ کی والدہ سادات کی فتنہ پردازیوں اور انقلابی سرگرمیوں سے خوب واقف تھی۔ اسلئے اس نے نظام الملک کو بہت ہی دردناک خطوط لکھے۔ کہ سید اس کے بیٹے کا خاتمہ کر دینے والے ہیں۔ اس کی جان بچاؤ۔ مگر سادات نے

ایسے حالات پیدا کر دئے تھے کہ نظام الملک کو حالات پر قابو پانے کے لئے بہت محنت اور احتیاط کی ضرورت تھی۔ اور سیدوں نے نظام الملک کو مصروف کر دینے کے منصوبے کر لئے۔

عہد کش مکش | چنانچہ سید حسین نے نظام الملک کے خلاف الزامات کا ایک فرد جرم تجویز کیا۔ لیکن نظام الملک اس قسم کی گیدڑ بھبکیوں میں کب آنے والے تھے۔ انہوں نے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ سید حسین حیران رہ گئے۔ ان ایام میں سید حسین دکن کے صوبہ دار تھے۔ اس لئے انہوں نے بہترین انتظام کا بہانہ کرکے نظام الملک کو اپنی راہ میں روک قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ مالوہ کی صوبہ داری بھی اسے دیدی جائے۔ بغیر اس کے انتظام ٹھیک نہ ہوگا۔ اس کے معاوضہ میں نظام الملک کو ملتان، آگرہ، الہ آباد اور برہان پور کی صوبہ داری پیش کی گئی۔

شاہی مراسلات | یہ بحث کا سلسلہ جاری تھا بادشاہ کی ماں کے خطوط پہلے آچکے تھے۔ بادشاہ نے بھی مکتوبات شاہی کے ذریعہ نظام الملک کو بلایا کہ اب وقت ہے کہ ان سیدوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ نظام الملک ان خطوط سے ازبس متاثر ہوئے۔ اور وہ دولت تیموری کی بقا کیلئے فوج لے کر آگرہ کی طرف بڑھے۔ مگر ابھی تین ہی منزلیں طے کی تھیں کہ حالات تبدیل ہو گئے۔ اور ایسے اسباب پیش آئے کہ نظام الملک اپنی اس فوج کو لے کر برہان پور کی طرف لوٹ پڑے۔

دکن کی لڑائیاں اور فتوحات | اور برہان پور پہنچتے پہنچتے بہت بڑی فوج ان کے ساتھ ہو گئی کچھ شک نہیں کہ اگر نظام الملک واپس نہ ہوتے اور فتنہ ساوات کی سرکوبی کے لئے اپنے سفر کو جاری رکھتے تو نتائج کچھ اور ہوتے مگر مشیت ایزدی نے نظام الملک کے خاندان میں دولت آصفیہ کا قیام مقدر کیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ واپس جا کر پلٹے۔ سیدوں کو جب یہ علم ہوا۔ تو ان کی پریشانی کی حد نہ رہی اس لئے کہ وہ صرف ایک ہی ہستی سے خائف تھے۔

اس لئے انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ نظام الملک کے ساتھ ایک

فیصلہ کن جنگ کریں

ان ایام میں دکن کی صوبہ داری پر نصرف مانہ طور سے سید حسین علیخاں کا برادر زادہ عالم علیخاں مامور تھا۔ سب سے پہلے دلاور علیخاں تیرہ ہزار سپاہ لے کر مقابلہ پر آیا۔ نظام الملک نے برہان پور سے تیس میل کے فاصلہ پر اسے شکست فاش دی اور اسی جنگ میں دلاور علیخاں مارا گیا۔ اس ہلاکت اور شکست نے بتا دیا کہ نظام الملک کا ستارہ اب اوج پر ہے اور شاہ گروں کی حکومت ختم ہو چکی۔

حسین علیخاں نے اپنے برادر زادہ کو جو اس کے نائب کی حیثیت سے صوبہ دار تھا کہلا بھیجا تھا کہ میرے آنے تک جنگ نہ کرو۔ اور اورنگ آباد یا احمد آباد میں میرا انتظار کرو۔ عالم علیخاں کے پاس اس وقت تیس ہزار فوج تھی جب نظام الملک کو ان حالات کا علم ہوا۔ تو وہ یلغار کرتا ہوا چلا آیا۔ اور یکم اگست ۱۷۲۰ء کو عالم علیخاں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اور اس کا نتیجہ بہ صورت یہ ہوا کہ

نظام الملک کو دوسری فتح نصیب ہوئی

بلکہ عالم علیخاں بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ اور اس کی فوج کے تمام بڑے بڑے افسر اور عہدہ دار نظام الملک سے آملے۔ اور انہوں نے اطاعت اختیار کر لی۔ ان اطاعت اختیار کرنے والوں میں مبارز خاں صوبہ دار حیدر آباد بھی تھا یہ گویا دوسرا تفاول تھا کہ

حیدر آباد آئندہ نظام الملک کی نسل کا تخت گاہ ہوگا

حسین علیخاں کی موت بھی اسے لے آئی | دہلی میں جب ان فتوحات کی خبریں پہنچیں تو سید بھائی

گھر میں تو کہرام مچ گیا۔ سید حسین علیخاں بے بس بادشاہ کو لے کر پچاس ہزار فوج کے ساتھ دکن پر حملہ آور ہوا تاکہ نظام الملک کا خاتمہ کر دے۔ وہ عجیب وغریب ارادوں اور منصوبوں کے ساتھ آرہا تھا مگر موت اس کے ساتھ بازی کر رہی تھی۔

نظام الملک کا سلسلہ خبر رسانی بہت مضبوط تھا۔ اسے دم دم کی خبریں ملتی تھیں۔ آخر حسین علیخاں کے فتنہ سے نجات کا ذریعہ اس کی موت ہی ہونے والی تھی۔ حسین علیخاں بڑے جوش اور فخر کے ساتھ آرہا تھا۔ فتح پور سیکری سے پینتیس کوس کے فاصلہ پر توڑہ کی منزل میں قیام تھا۔ حسین علیخاں بادشاہ سے ملاقات کر کے اپنے خیمہ کی طرف آرہا تھا۔ خیمہ سے چوبی احاطہ کے پاس پہنچا۔ تو میر حیدر کاشغری نے ایک درخواست پیش کی وہ اس کے پڑھنے میں مصروف تھا کہ کاشغری نے ایسی سرعت سے تلوار کا وار کیا کہ گویا بجلی کوند گئی اور پہلے ہی وار میں

حسین علی خاں کا خاتمہ ہو گیا

کچھ شک نہیں کاشغری بھی وہیں ختم کر دیا گیا۔ لیکن کاشغری کا یہ فعل ایک قسم کی قربانی تھا جو اس نے دولت تیموریہ کی بقا کے لئے کی۔ میں اس قتل یا اس کی سازش کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا کہونگا کہ یہ ایک خطرناک فتنہ تھا۔ اور

اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

جو حالات اور واقعات میرے سامنے ہیں میں انہیں دیکھتے ہوئے سیاسی دانش کے اس عملی فتویٰ کی صحت کیخلاف دلائل نہیں پاتا بہرحال اس تالیف میں ان جزئیات کی طرف جانا میرا مقصد نہیں۔

سید عبداللہ خاں قطب الملک وزیر اعظم	عبداللہ خاں کی نقل وحرکت اور جنگ، شکست اور موت

اس وقت آگرہ میں تھا۔ اور دہلی کو جارہا تھا۔ راستہ میں اسے بھائی کے اس واقعہ

قتل کی اطلاع ملی دکن کی متواتر شکستوں اور نظام الملک کی کامیابیوں نے اسے پہلے ہی نعل در آتش بنا رکھا تھا۔ فوراً دہلی کے حاکم کو جو اس کا اپنا عزیز تھا ایک مخفی مراسلہ بھیجا کہ دہلی کے کسی شاہزادے کو بادشاہ بنالو چنانچہ سلطان ابراہیم بن رفیع الشان کو بادشاہ بنا لیا گیا۔ اور سید عبداللہ خان بھائی کے انتقام کے لئے شاہی فوج سے مقابلہ کرنے چل پڑا۔ شاہ پور کے قریب شاہی فوج سے مقابلہ ہوا اور

غدّار عبداللہ خان زخمی ہو کر گرفتار ہوا

اور چند ہی روز بعد اس صدمہ سے فوت ہو گیا اور اس طرح بادشاہ گر سیدوں کا اقتدار خاک میں مل گیا۔

نظام الملک کی وزارت سادات کی قسمت کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ غدّاری کی شب تار اب صبح امن سے تبدیل ہونے والی تھی۔ نظام الملک کے اخلاص و وفاداری نے اپنا اجر پایا جنگ شاہ پور کے بعد بادشاہ نے محمد امین خاں کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ بادشاہ نے فراخ دلی سے شرکاءِ جنگ شاہ پور کو انعامات دیئے اور نہایت فراخ دلی سے اپنے ارکانِ دولت کو نوازا۔

حقیقت یہ ہے کہ سادات کی قوت و اقتدار کا خاتمہ نظام الملک ہی کی جوانمردی اور اُنکی صادقانہ ہمدردی اور اخلاص اور صائب تدبیری کا نتیجہ تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس کی قسمت کی قوت ان شاہ گروں کے استیصال کے لئے اپنا کام کر رہی تھی تو بیجا نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ جانتا تھا کہ نظام الملک کس قوت و اقتدار کا مالک ہے۔ اس پر کامل اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ وہی ایک حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد ہے اس لئے محمد شاہ نے انکی صوبہ داری دکن اور مالوہ کو بھی بحال رکھا اور ساتھ ہی وزیر سلطنت بھی بنا دیا۔ نظام الملک کچھ عرصہ تک دہلی میں رہا بالآخر پھر دکن چلا آیا۔ یا یوں کہو کہ کن

کو چلے آنے پر مجبور ہو گیا۔

نظام الملک کی دائمی اصلاحی مساعی

نظام الملک کے ارادے حکومت کے متعلق | نظام الملک کی دائمی یہ خواہش تھی کہ دولتِ تیموریہ میں پھر وہی رونق اور شان پیدا ہو جائے جو عہد عالمگیری میں تھی یہ سلطنت ایک نظام اسلام ہو۔ تقویٰ و طہارت کا رواج ہو۔ لغویات اور منہیاتِ شرعیہ سے کامل احتراز ہو۔ لہو و لعب کی بندش ہو۔ اور حقیقی معنوں میں سلطنت اسلامی ہو۔ مگر حالات میں اِس قدر انقلاب ہو چکا تھا۔ اور شاہی حاشیہ نشینوں اور عمائد کی حالت تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے اس قدر گر چکی تھی کہ نظام الملک جسقدر توجہ کرتے اسی قدر اُنہیں مایوسی ہوتی۔ نظام الملک کے اخلاق و شمائل میں یہ بات گل سر سبد کی طرح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے وہ کسی قوت اور ہستی سے خائف نہ ہوتا تھا۔

ایک مشہور مورخ قاضی خاں لکھتا ہے کہ ایک روز نظام ملک نے بادشاہ سے عرض کیا کہ

(۱) اراضی خالصہ کا موجودہ نظام ملک کے لئے نقصان رساں ہے۔ اس کو موقوف کر دینا چاہیئے۔

(۲) پیش کش کے نام سے جو رشوتیں لی جاتی ہیں وہ بند کر دینی چاہئیں۔ اسلئے کہ بادشاہ کے لئے باعث ننگ ہیں۔

(۳) عہد عالمگیری کی طرح جزیہ لگا دیا جائے۔

(۴) شاہِ ایران نے ہمایوں بادشاہ کی مدد کی تھی۔ اب اگر بادشاہ ہندوستان ایران کو افغانوں کے تسلط سے نجات دلانے میں مدد دے گا تو یہ خدمت خاندانِ تیموریہ کے لئے باعث صد عزت ہوگی (اس زمانہ میں ایران پہ افغانی تسلط ہو رہا تھا)۔

بادشاہ نے آخری مشورہ کے متعلق دریافت کیا کہ کسے اس خدمت پہ مامور کروں؟

نظام الملک نے جواب دیا۔ کہ جسکو آپ اس کا اہل سمجھیں۔ اور اگر میرے نام قرعہ فال پڑے تو میں بدل و جان حاضر ہوں۔ بادشاہ نے دوسرے امراء سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفانہ باتیں کہہ کر بادشاہ کو نظام الملک سے بدظن کر دیا۔

دکن کو روانگی | نظام الملک کے دل کے کسی گوشہ میں یہ خواہش نہ تھی کہ وہ کوئی خاص اقتدار یا سلطنت پیدا کرے۔ بلکہ وہ تو ایک مرتبہ گوشہ گزیں ہو چکے تھے۔ اور امور مملکت اور سلطنت کو اپنے دینی مشاغل پر قربان کر چکے تھے۔ مگر مشیت الٰہی انہیں کسی خاص کام کے لئے تیار کر رہی تھی اور ارادہ ازلی میں نظام الملک دولت آصفیہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مقرر ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ ہرچند اس سے بھاگتے تھے مگر قدرت کشاں کشاں لے آتی تھی نظام الملک کے مشوروں کو باوجود ان کی صداقت کے اعتراف کے عملی پذیرائی نہ ہوئی اور دولتِ تیموریہ کی بنیادوں کو گھن لگ چکا تھا۔ اس لئے باوجود اپنے تجربوں کے بادشاہ ان سے بدظن ہوا۔ اور نظام الملک اصلاحی پروگرام کی کامیابی سے مایوس ہو گئے۔ نظام الملک اگر چاہتے تو اس دور انقلاب میں دولتِ مغلیہ کے ایک خودمختار بادشاہ بن جاتے۔ مگر اِن کی وفاداری اور ارادت نے کبھی اپنے مقام سے متنزل نہ ہونے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام الملک ایک متقی اور دیندار انسان تھا۔ غرض جب حالات نے یہ صورت اختیار کی اور ان کے مشوروں کو دوسرا رنگ دیا گیا۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ ان حالات میں عزت بھی خطرہ میں ہے تو وہ دہلی سے تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر شکار کو چلے گئے۔ اور وہیں ان کو اطلاع ملی کہ

دکن میں مرہٹوں نے سر اٹھایا ہے

اور شورش برپا کر دی ہے۔ اس لئے وہیں سے بادشاہ کو حالات کی اطلاع دے کر دکن کو روانہ ہو گئے۔ نظام الملک سلطنت کا خیر خواہ تھا باوجودیکہ اصلاحی

مشوروں کے برُے نتائج سے وہ مایوس ہوئے مگر تاج تیموری کے احترام کے بقا کے لئے وہ ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

مرہٹوں پر ہیبت طاری ہوگئی | چنانچہ مرہٹوں کو سرکش پاکر جب انہوں نے دکن کی طرف یلغار کی تو ابھی وہ اجین ہی پہنچے تھے کہ مرہٹے ان کی آمد کی خبر پاکر منتشر ہوگئے۔ ان کے قلوب پر ان کی بہادری اور قوت کا ایک خاص رعب تھا۔ وہ بغاوت فرو کرکے دہلی واپس ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ خبر پہنچی کہ مبارز خاں صوبہ دار حیدر آباد باغی ہوگیا ہے۔

حیدر آبادی صوبہ دار کی بغاوت اور اس کا انجام | مبارز خاں پر نظام الملک کے بہت بڑے احسانات تھے۔ اس کا عروج نظام الملک ہی کی مہربانیوں کا نتیجہ تھا۔ مگر اس نے تمام احسانات فراموش کرکے غدّاری کی۔ نظام الملک نے ہر چند کوشش کی کہ جنگ نہ ہو۔ اور مبارز خاں شرافت سے اپنی غلطی کا اعتراف کرے مگر ادھر سے جس قدر کوشش اصلاح کے لئے کی جاتی تھی مبارز خاں اُسی قدر اپنی طاقت کا غلط اندازہ کرکے دلیر ہورہا تھا۔ اور آخر اس کے سوا چارہ نہ رہا۔ ایک فیصلہ کن جنگ ہو چنانچہ ۲۳ محرم کو شکرگڑہ کے قریب جو اورنگ آباد سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے لڑائی ہوئی جس میں مبارز خاں نے نہ صرف خطرناک شکست کھائی بلکہ بری طرح زخمی ہوا۔

نظام الملک ایک مصلح اور شریف بہادر تھا۔ اگرچہ مبارز خاں کو بوجہ اس کی بغاوت کے سخت سے سخت سزا دی جاتی تب بھی جائز اور صحیح تھا۔ لیکن نظام الملک نے اپنی شریفانہ مروّت و اخلاق کا نمونہ دکھایا مبارز خاں کے زخموں کے علاج کے لئے خاص طور پر طبیب اور جرّاح مقرر کئے۔ اور اس کے دونوں بیٹوں کو اپنی نگرانی میں لیا۔ شفا ہوجانے کے بعد بہت سا روپیہ دیا تاکہ وہ کوئی اچھا اور مفید کام کرسکیں۔

ادھر نظام الملک مبارز خاں اور اس کے بیٹوں سے یہ سلوک کر رہے تھے اُدھر مبارز خاں کا بڑا بیٹا احمد خاں گول کنڈہ میں قلعہ نشین ہوگیا۔ اور اس نے گویا

ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا مگر نظام الملک کا تدبر اور حسن تدبیر آڑے آئی۔ اور اس نے احمد خاں کو رام کر لیا۔ اور خون ریزی سے لوگوں کو بچا لیا۔

دربار دہلی کی حالت نظام الملک دکن کے فتنہ کو فرو کرنے میں مصروف تھا اور دربار دہلی کی حالت یوماً فیوماً خراب ہوتی جا رہی تھی۔ نظام الملک آتے وقت اپنے بڑے بیٹے فیروز جنگ ثانی کو اپنی نیابت کے لئے چھوڑ آئے تھے۔ انہوں نے جو خبریں باپ کو روانہ کیں اُن سے دربار دہلی کی ابتر حالت معلوم ہوئی۔ رشوت ستانی اور سازشوں کے بازار گرم ہو گئے ان خبروں نے نظام الملک کی امیدوں کو مایوسی سے بدل دیا۔ اور انہیں تیموری سلطنت کے زوال اور فنا کی تصویر نظر آنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح تیموری قوت رفتہ کو بحال کرے۔ مگر ان حالات میں ان کو خطرناک مشکلات کا سامنا تھا۔

آصف جاہ کا خطاب اس میں کوئی شبہ نہیں اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ آصف جاہ نے دولت تیموریہ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اور اس کی برکت سے مغل حکومت میں ایک نئی شان اور قوت آ رہی تھی۔ بادشاہ خود بھی نظام الملک کی خدمات کا اعتراف کرتے تھے مگر درباری سازشیں اور ریشہ دوانیاں نظام الملک کے ارادوں میں رکاوٹ پیدا کرتی تھیں۔ بادشاہ نے دکن کی ان جدید خدمات کا اعتراف کیا اور نشانِ پسندیدگی کے طور پر ایک ہاتھی بھیجا۔ جواہرات عطا کئے اور آصف جاہ کا خطاب دیا۔ اس حد تک تو بادشاہ کی خوشنودی مزاج کا دخل تھا۔ مگر درباری سازشوں اور حاسدانہ عداوتوں نے یہ بھی کیا کہ مالوہ اور گجرات کے صوبے واپس لے لئے۔

مرہٹوں سے جدال و قتال نظام الملک آصف جاہ کو دکن میں ایک اور معرکہ پیش آیا یہ مرہٹوں کا فتنہ تھا۔ یہ فتنہ دکن سے اٹھا۔ اور دہلی کی طرف بڑھا۔ مرہٹوں کا پروگرام مختصر الفاظ میں ہندوستان سے اسلامی حکومت کا خاتمہ تھا۔

مرہٹوں کے دل پر نظام الملک کی بہادری اس کی اولوالعزمی اور حسن تدبیر کا خاص رعب تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی جولانگاہ اور محاذ کو دکن سے بدل کر شمالی ہندوستان کی طرف کر دیا۔ وہ دہلی دربار کے حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ نظام الملک دربار کی حالت دیکھ کر دل برداشتہ ہیں۔ اور وہاں ایسے لوگوں کا گروہ ہے جو نظام الملک کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں دولت تیموریہ کو بھی خواہ بڑے سے بڑا نقصان پہنچ جائے ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر انہوں نے ہندوستان کا رُخ کیا۔

دہلی کو واپسی اور مرہٹوں سے جنگ | مرہٹوں کے طوفان اور اُن کی جنگوں کی تفصیلی حالات کے لئے یہاں گنجائش نہیں مجھے صرف واقعات کے تسلسل میں اس قدر کہنا پڑتا ہے کہ بادشاہ نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا تو اس نے بجز اس کے چارہ نہ دیکھا کہ

آصف جاہ کو دہلی بلایا جائے

آخر مخلص اور وفادار نظام الملک آصف جاہ شاہی دعوت پر دہلی چلا گیا بادشاہ نے وعدہ کیا کہ مرہٹوں کی مہم کو سر کر لو گے تو مالوہ اور گجرات کی گورنری فیروز جنگ ثانی (آپ کے بڑے بیٹے) کو دیدونگا۔ اگر یہ وعدہ بھی نہ ہوتا تو بھی آصف جاہ کی فطری وفاداری اور اخلاص اس مہم کے سر کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی۔ اور دربار کی اندرونی سازشیں اور شرارتیں حکومت کے لئے مضر نتائج پیدا کر رہی تھیں۔ آصف جاہ اس مقابلہ کے لئے نکلا۔ مگر کامیابی کی بجائے وہ خود مرہٹوں کے حلقہ میں ایسا محصور ہوا کہ اسے مرہٹوں سے اقرار کرنا پڑا کہ مالوہ، اور چنبل نربدا کا درمیانی علاقہ بادشاہ سے ان کو لے دیگا۔ اور پچاس لاکھ تاوان

ادا کریگا۔ یہ ۱۷۳۸ء کا واقعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نظام الملک اس وقت اس تجویز پر عمل نہ کرتے تو تیموری دولت کا اُسی وقت خاتمہ ہوجاتا۔ اور مرہٹوں کو دہلی کا تخت مل جاتا۔ اس لئے نظام الملک نے تمام حالات پر ایک دُوراندیشانہ نظر ڈال کر اس قدر نقصان کو برداشت کرلینا پسند کیا۔

دکن میں مرہٹوں کا خروج | مرہٹوں نے ہندوستان کی طرف جن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے خروج کیا تھا۔ ان میں جب مندرجہ بالا رقیبہ کی وجہ سے تبدیلی ہو گئی۔ اور آصف جاہ دکن سے جا ہی چکے تھے۔ باجی راؤ نے موقعہ پاکر حملہ کر دیا۔ اُس وقت نظام الملک کی نیابت کے فرائض ناصر جنگ ادا کر رہے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ کش مکش جاری رہی۔ لیکن آخر فریقین میں صلح ہوگئی۔

شامتِ اعمالِ ما صورت نادر گرفت | ہندوستان کا قصرِ حکومت متزلزل ہوچکا تھا۔ دربار کی بدعنوانیوں اور اندرونی سازشوں نے ایک طرف ہندوستان میں امن کی فضا کو جنگ سے بدل دیا تھا۔ دوسری طرف نادر شاہ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر ہندوستان پر حملہ کردیا۔ ہرچند آصف جاہ نے حالت پر قابو پانے کی کوشش کی اور دولتِ تیموریہ کی گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالنا چاہا مگر زلزلہ ایسا شدید تھا کہ اگر وہ ایک طرف سنبھالا دیتے تھے تو دوسری طرف سے آفت برپا ہوجاتی۔ مصیبت تو یہ تھی کہ

صرف آصف جاہ بچانا چاہتا تھا

اور ہزاروں دوسرے عملِ تخریب کے عامل تھے۔ آخر نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ نادری حملے کی خبروں کو نری گپ سمجھنے والے تن آسان اور عیاش امیر میدانِ جنگ میں ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور اتنا ہی غنیمت ہوا کہ شکست کو صلح سے تبدیل کرلیا۔ بادشاہ نے صلح کرلی۔ نادر شاہ تاوانِ جنگ لیکر واپس جانے والا تھا کہ

برہان الملک نے اپنی حماقت سے ملک کیساتھ غدّاری کی

اور نادر شاہ کو دہلی جانے کا مشورہ ہی نہیں بلکہ لالچ دلایا مورخین نے اس فتنہ زا تدبیر کو برہان الملک کی عداوت اور حسد کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ میں یہ فیصلہ نہیں کرتا مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تجویز نہایت خطرناک نتائج کا موجب ہوئی۔ اور اگر نادر شاہ دہلی نہ آتا تو دہلی کا مشہور قتل عام نہ ہوتا۔ میں اپنے ذوق اور نقطۂ نگاہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ دہلی دربار نے اپنی شامتِ اعمال سے ایسے حالات پیدا کر دئے تھے کہ قہرِ خداوندی، نادر شاہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور اس نے دہلی کے فاسقوں، فاجروں اور جفاکار غداروں کا قتل عام کے ذریعہ صفایا کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ بہت سے لوگ بے قصور عام رعایا کے افراد بھی ہلاک ہوئے۔ مگر جب عذاب الٰہی آتا ہے تو پھر تخصیص نہیں کی جاتی۔ اس عہد کے لوگوں نے بھی اس کو عذابِ الٰہی سمجھا اور یہ شعر زبان زدِ عوام ہو گیا۔

شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت ‏ ‏ ‏ دیدۂ عبرت کشا و قدرتِ حق را بہ بیں

آصف جاہ فرشتۂ رحمت بنکر آیا | دہلی میں کشت و خون کی ندیاں جاری تھیں۔ اور غضب الٰہی کے فرشتے نادری سپاہیوں کی صورت میں نازل ہو رہے تھے۔ اس وقت کسی شخص میں ہمت اور حوصلہ نہ تھا کہ اس مصیبت کو دور کر سکے۔

تاب مقابلہ تو تھی ہی نہیں یہ جرأت بھی نہ رہی تھی کہ کوئی نادر شاہ کو جا کر اس قتل و غارت سے روکے۔ ایسے وقت میں آصف جاہ کی شکل میں فرشتۂ رحمت متمثل ہوا۔ آصف جاہ کی جرأت اور طریق گفتگو کی ہر مدبّر مورخ کو داد دینی پڑتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دہلی پر آصف جاہ ہی احسان قیامت تک باقی رہیگا اس حالت میں کہ نادر شاہ غضب مجسّم ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ آصف جاہ اپنی زندگی کی قربانی کا یقین کر کے گلے میں تلوار حمائل کئے ہوئے، نادر شاہ کے سامنے گئے اور نہایت جرأت کیساتھ

یہ شعر پڑھا ؎

کسے نماند کہ او را بہ تیغ ناز کشی | مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

تاریخی شہادت ہے کہ نادرشاہ پر آصف جاہی سفارش کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً قتل عام بند کر دیا۔ اور محبّت کے لہجہ میں کہا

بہ ریش سفیدت بخشیدم

آصف جاہ اوّل کا یہ احسان ہندوستان پر عموماً اور دہلی والوں پر خصوصاً اتنا بڑا ہے کہ اس کی شکر گزاری سے کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ مگر محسن کش اور غدّاروں کا بُرا ہو کہ آج ہندوستان اور دہلی کے نجات دہندہ کی اولاد کی ناجائز مخالفت میں افترا کرنے والوں کا ایک مرکز دہلی میں ہے۔

آصف جاہ کی قدر و منزلت نادرشاہ کے دل میں اس قدر تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ دہلی کا بادشاہ ان کو بنا دے۔ مگر آصف جاہ تخت دہلی کا اس قدر مخلص، وفادار تھا کہ وہ اس حالت میں بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ میرے ذوق و معرفت کے نقطۂ خیال سے سلطنت مغلیہ کا اب خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور آصف جاہ کی نسل میں اس قربانی کے بدلہ میں سلطنت رکھی جا چکی تھی اسلئے آصف جاہ نے اس پیش کش کو منظور نہ کیا۔ آصف جاہ کی یہ بہت بڑی قربانی ہے جہاں غدّار برہان الملک نے محض اتنی خودغرضی کے لئے کہ صلح کے معاملہ میں اسکی عزت افزائی نہیں ہوئی۔ اپنے ملک و مالک کو تباہ کرا دیا۔ وہاں آصف جاہ نے نہ صرف اس تباہی سے بچایا بلکہ سلطنت ملنے پر بھی اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت جب نادرشاہ کی آفر کو آصف جاہ شکریہ کے ساتھ واپس کر رہا تھا تقدیر اس پر سلطنت کے پھول برسا رہی تھی اور ہنستی تھی کہ آج تیرے خاندان میں اس قربانی کے صلہ میں حیدرآباد کی حکومت کی

سند لکھدی گئی ہے۔

دکن کی طرف واپسی | نادرشاہ اپنے حملے میں کامیاب ہوکر واپس چلا گیا۔ نظام الملک آصف جاہ بھی دکن کو واپس ہوئے۔ اور آتے ہی مرہٹوں سے جنگ ہوگئی۔ احمد نگر کے قریب آصف جاہ نے انہیں آخری شکست دی اور اس شکست کے بعد ان سے فیاضانہ سلوک کیا۔ اور بہادروں کی طرح صلح کو قبول کرلیا۔ یہ امر اس کی اعلیٰ درجہ کی جنگی قابلیت اور سیاسی تدبر کی دلیل ہے۔

قارئین کرام اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آصف جاہ جب دہلی کی طرف گئے تو اپنے دوسرے بیٹے ناصر جنگ کو نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے۔ بدخواہوں نے بیٹے کو باپ کے خلاف اکسایا۔ اور سعادت مندی کے مقام سے متنزلزل کرنا چاہا۔ مگر مدبر اور آزمودہ کار جرنیل آصف جاہ کے مقابلہ کی کیا توانائی تھی۔ اس نے شکست کھائی اور قندھار و متصل (زاندیڑ) کے قلعہ میں قید کردیا گیا۔

کرناٹک پر آخری فوج کشی | نواب آصف جاہ کی غیر موجودگی کے ایام میں کرناٹک میں بھی فتنہ و فساد برپا تھا۔ ایک قسم کی طوائف الملوکی پھیل رہی تھی۔ اور جابجا لوگ نواب بن بیٹھے تھے۔ ۱۷۴۲ء میں وہاں کا گورنر صفدر علیخاں اپنے ایک نسبتی بھائی مرتضیٰ خاں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اور بدنظمی بڑھ گئی۔ ۱۷۴۳ء میں آصف جاہ نے کرناٹک پر فوج کشی کی اور تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مٹا کر نظام حکومت قائم کیا اور شہامت جنگ کو ناظم اور اپنے نواسے ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ کو گورنر بالاگھاٹ مقرر کرکے واپس آیا اور اندرونی انتظام کے استحکام میں مصروف ہوگیا۔

پیام اجل | پانچ سال تک آصف جاہ ملک کے اندرونی انتظام میں مصروف تھا اور ملک اپنی خوشحالی میں ترقی کررہا تھا کہ ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملے کی خبر پہنچی۔ وقتی حالات اور مصالح کے لحاظ سے بظاہر آصف جاہ نے برہان پور کا عزم کیا

لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ چونکہ آپ کی وفات برہان پور کی سرزمین میں مقدر تھی ان حالات میں آپ ادھر روانہ ہو گئے۔

ابدالی کا حملہ ہوا۔ وزیر سلطنت بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ ابدالی نے آصف جاہ کو منصب وزارت پیش کیا۔ مگر آصف جاہ نے بڑھاپے کی وجہ سے اس خدمت کے قبول کرنے سے عذر کیا اور سچ تو یہ ہے کہ اب آخری وقت آپہنچا تھا۔ بیمار ہوئے اور برہان پور میں ۱۹ر جون ۱۷۴۸ء کو اپنے مالکِ حقیقی کے حضور بلائے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تہتر سال کی تھی اور برہان پور میں سید برہان الدین رح کے روضہ میں آپ دفن ہوئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آصف جاہ کی وفات کے ساتھ دولتِ تیموریہ کا آخری عظیم الشان انسان ختم ہو گیا۔

اولاد آصف جاہ مرحوم کی شادی گلبرگہ شریف کے ایک سید کی صاحبزادی سیدۃ النساء بیگم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اس کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ فیروز جنگ ثانی، ناصر جنگ، غازی الدین خان۔ بادشاہ بیگم۔ اور محسنہ بیگم۔ دوسری شادیوں سے بھی چار بچے ہوئے۔ امیر الممالک صلابت جنگ، نظام علیخاں بہادر اسد جنگ (آصف جاہ ثانی) محمد شریف بسالت جنگ، شجاع الملک مغل علیخاں۔

دولت آصفیہ کا دستور العمل آصف جاہِ اوّل نے اپنی وفات سے چند ساعت پہلے ایک وصیت نامہ لکھا۔ جو نواب ناصر جنگ کے نام تھا۔ اس وصیت نامہ سے آصف جاہ کی سیرۃ و شمائل۔ ان کے تدبر و فراست تمام امور پر ایک روشنی پڑتی ہے۔ اسے میں یہاں اس لئے بھی درج کرنا چاہتا ہوں کہ آصف جاہ ہفتم کے نظام عمل میں اس وصیت نامہ کے اجزائے اعظم نظر آتے ہیں۔ یہ وصیت چونکہ ایسے وقت میں لکھی گئی۔ جبکہ آپ اس دنیا اور اس کی ساری شوکتوں اور عظمتوں کو چھوڑ رہے تھے، اس لئے ہر قسم کے تکلف اور

تصنّع سے پاک ہے۔
میں اس دستور العمل کو تمام وکمال یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ بعض اُمور محض ہنگامی تھے۔ لیکن جو امور بطور ایک دستور العمل دوامی کے ہیں وہ درج کر دینے ضروری ہیں۔

(۱) بنی آدم کے ساتھ نرمی

انسان اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اس لئے اس کی تباہی میں تامّل سے کام لیا جائے۔ کیونکہ وہ گیہوں اور جوار نہیں جنکی ہر سال کاشت کی جاتی ہے، ہاں مجرم کو قاضی کے حوالہ کرے۔ جو اپنے فرائض مہمہ کو عدل کے ساتھ بجالاتا ہو۔ قاضی شرع شریف کے مطابق جو فیصلہ کرے رئیس اسے نافذ کر دے اور اپنی طرف سے کسی کے قتل کا حکم نہ دے۔

(۲) مملکت کا دورہ

آئین مملکت نظم ونسق اور اپنی زندگی کو سفر پر موقوف رکھے۔ اور نئے مقام، نئی آب و ہوا، اور سایہ وچشمہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (اللہ کی زمین میں سیر کرو) اس ارشاد ربّانی میں اشارہ ہے کہ سفر کرو اور امورِ ریاست کی انجام دہی سفر پر موقوف ہے۔ ہاں چھاؤنیوں میں چند دن کی اقامت ضروری ہے، کیونکہ سفر میں تمام جاندار تھک جاتے ہیں۔ سپاہیوں کو ان کے وطن کے قریب متعین کرنا چاہیئے تاکہ دور چلے جانے کے باعث وہ اپنے فرائض زوجیت ادا کرنے سے محروم نہ ہو جائیں، اور اس طرح ان کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔



(۳) خلقِ خدا کی خدمت

مخلوقات کے کاموں کا رئیس کی ذات سے متعلق ہونا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ادائے فرض و واجب کے بعد وہ اپنے گرانمایہ اوقات کو نظمِ امورِ متعلقہ میں تقسیم کر دے۔ وہ کسی وقت بیکار نہ بیٹھے۔ رات دن خلقِ خدا کے دینی و دنیوی امور کی خبر گیری کرتا رہے۔ تاکہ اُس کی عافیت بخیر ہو۔

(۴) بزرگوں کی عزت

جاننا چاہیئے کہ ہماری سلطنت بزرگوں کے انفاسِ پاک کی برکت کا نتیجہ ہے میں نے اس وقت تک کہ وقت رحلت ہے دعا کرنے والوں کی عزت و توقیر کو تمام امورِ سلطنت پر مقدم رکھا ہے۔ ان کے بغیر جنگ اور لشکر بھی کام نہیں دیتے، ہمیشہ غربا و فقرا سے جو رحمتِ خداوندی کا دروازہ ہیں۔ استمداد کرتا رہا ہوں۔ اس کام میں میں نے ہمیشہ سبقت کی ہے۔ اس لئے کہ یہ سنتِ محمدی (صلعم) ہے رئیس کو اسی طریق پر عمل پیرا رہنا چاہیئے۔

(۵) حق تلفی نہ کی جائے

زمین آسمان اور مخلوقات پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے روئے زمین کو صرف اپنا حصہ سمجھ کر کسی کی حق تلفی نہ کی جائے۔ بلکہ ہر شخص کی محبت و مودت کا پاس ملحوظ رکھا جائے۔

(۶) نظم و نسق کے متعلق ہدایات

تاریخ وغیرہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ملک دکن چھ صوبوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر صوبہ میں مستقل اور ذی حشمت بادشاہ تھے، چنانچہ اس ملک میں لاکھوں سپاہی اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضرت خلد مکان (عالمگیر اعظم) کے عہد سے یہ ساری سرزمین ایک شخص سے متعلق ہوگئی۔ رفتہ رفتہ حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے یہ سرزمین مجھ گنہگار کو عطا فرمائی اور مجھے اپنی ساری خلقت پر مقدم بنادیا۔ اس وقت تک مخلوق خدا کی پاسبانی و قدردانی جو مجھ سے بن پڑی کرتا رہا۔ ضروری ہے کہ میرے بعد

ہر خاندان کی خبر گیری کیجائے

ان کے افراد کو باری باری سے کاری کاموں پر مامور کیا جائے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ عہدے دار سال بسال بدلنے چاہئیں۔ بدرجۂ آخر دو سال کے خاتمہ پر اُن کا تغیر و تبدل ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک دائمی تقرر سے دوسرے محروم ہو جائیں اس طریقہ کار کی خود بھی پیروی کرو اور اپنے جانشینوں سے بھی کراؤ۔ میں نے جن لوگوں کو لطف و عنایات سے عمر بھر میں جمع کیا ہے ان میں سے ہر شخص بے بہائی کے اعتبار سے جواہر پارہ ہے، ان کی بھلائی بُرائی کو برداشت کیا جائے۔ اور خدماتِ لائقہ پر مامور رکھا جائے

،، بھائیوں سے حسن سلوک

چھوٹے بھائیوں کو اپنے بیٹے سمجھو، ان کی پرورش و تربیت میں سعی بلیغ سے کام لو۔ ان کے مراتب بڑھانے میں سرگرم رہو۔ ان پر شفقت و لطف مبذول رکھو۔ تاکہ وہ غم خوار بنے رہیں۔ یقین کرلو کہ وہ قوتِ بازو اور تقویتِ ناموس ہیں، جب تک خوشحال رہیں گے۔ تمہارے زوال کے خواہاں نہیں ہوں گے۔ البتہ بھوکے اور مفلس ہو جائیں گے تو سلطنت آصفیہ پر فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیں گے۔ اور اس کی زمین کو ٹکڑے

ٹکڑے کرکے نیچ کھائیں گے۔

(۸) رذیلوں سے بچو

غمازوں کی باتیں نہ سنو۔ رذیلوں اور عامیوں کو اپنی محفل میں جگہ مت دو۔ اس لئے کہ اس وجہ سے سلطنت کے وقار و رعب کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور کمینے لوگ دربار سلطانی میں باریابی کے گھمنڈ کی بنا پر خلقِ خدا کو آزار و ایذا پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

(۹) کمالِ ایثار

ایران کا قہرمان بادشاہ نادر شاہ جب دہلی پہنچا۔ تو ایک روز اُس نے فرط عنایت سے کام لے کر ہندوستان کی حکومت مجھکو دینے کے متعلق ذکر کیا۔ میں نے فی الفور عرض کیا کہ ہم لوگ آبا و اجداد سے بادشاہ کے نوکر چلے آتے ہیں۔ آپ جو تجویز کرتے ہیں اس کی وجہ سے نمک حرام بن جاؤں گا۔ اور حضرت بادشاہ مجھے بدعہد اور قول و قرار کا جھوٹا مشہور کردیں گے۔ چونکہ نادر شاہ سخن سنج اور معنی آفریں طبیعت رکھتا تھا۔ میرے جواب سے بہت خوش ہوئے اور میری تعریف کی۔

(۱۰) صلح کوشی

جنگ میں حتی الامکان اقدام نہ کرو۔ خواہ طرف ثانی کی جمعیت کتنی ہی قلیل اور حقیر کیوں نہ ہو؟ اس معاملہ میں خدا کی ذات اقدام کو پسند نہیں کرتی۔ اور خدا خود فرماتا ہے "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت علیٰ فئۃ کثیرۃ" (کتنی ہی قلیل جمعیتیں کثیر جمعیتوں پر غالب ہوئیں) جس حد تک ممکن ہو لڑائی جھگڑے کو روکنے کی کوشش کرو۔ اگر فریق ثانی پیش قدمی کرتا جائے۔

تو اُس صورت میں حق کو اپنی جانب جان کر ناچار قدم اٹھایا جائے ۔ اور عجز و نیاز سے خدا سے مدد مانگ کر اپنے مقام پر ثابت قدمی اور رسوخ اختیار کیا جائے ۔
جس حد تک ممکن ہو قبلہ رخ ہو کر جنگ کرو ۔ فتح خدا کی قدرت و اختیار میں ہے ۔

(۱۱) مال و اسباب

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو سامان اس وقت مہیّا ہے ۔ اگر اسے احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ خرچ کرو گے تو نسلاً بعد نسل پشتہا پشت تک کفایت کرےگا ۔ ورنہ دو تین سال سے زیادہ مدت تک کام نہ دے سکیگا ۔

(۱۲) سپاہ کی دلجمعی

جو کچھ اس وقت خزانہ میں ہے ۔ وہ سپاہ کی دلجمعی کے لئے ہے ، شاہی خزانہ کی وجہ سے تمام سرکاری کام اچھی طرح سے چلتے ہیں ۔ اور دشمن اور لشکر دشمن خود بخود پریشان ہو جاتا ہے ، خدا کا شکر ہے کہ حکومت کے آغاز سے لیکر اس وقت تک کہ رحلت کا وقت ہے ، سپاہ کی تنخواہ دو تین ماہ سے زیادہ کبھی میرے ذمہ نہیں رہی ۔ سپاہیوں کو اپنی طرف سے بد دل نہ کرو ۔ اس لئے کہ وہ تمام اوقات انتظام سلطنت کے رفیق اور معاون ہیں ۔

(۱۳) دُعائے خیر

اب جاؤ ۔ اپنے کارخانہ کے لوگوں کو کام پر لگاؤ ۔ اب دو تین گھنٹہ سے زیادہ وقتِ حیات باقی نہیں ہے ۔ میں نے تمہیں خدا کے حوالہ کیا ۔ وہ تمہیں ہدایت دے ۔ ہر حال میں تمہارا معین و مددگار ہو ۔ اور اپنی عنایت کا سایہ تمہارے سر پر

ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین!

یہ وہ آخری وصیت یا دستور العمل ہے۔ جو آصف جاہ اول نے اپنے ورثاء کے لئے چھوڑا۔ میں نے بعض دفعات کو چھوڑ دیا۔ جو بعض ایسے امور کے متعلق تھیں جنکا اب کوئی اثر نہیں۔ اس وصیت نامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آصف جاہ اول کو اللہ تعالیٰ پر کس قدر بھروسہ اور توکل تھا۔ خدا پرستی کی ایک زبردست روح آپ میں موجود تھی۔ اور دعاؤں پر انہیں کس قدر اعتماد اور یقین تھا۔ دوسری بات یہ پائی جاتی ہے کہ مخلوق خدا کی بھلائی اور خیر خواہی کا بھی انتہائی جذبہ آپ میں موجود تھا۔ اور آپ نے عدل و انصاف کے مقام کو بہت بلند رکھا تھا۔ بادشاہ کو قتل کے حکم دینے کا کیا مجاز نہ تھا۔ بلکہ یہ کام انصاف کی عدالت کے سپرد تھا۔ بادشاہ اس حکم کو نافذ کر سکتا تھا۔

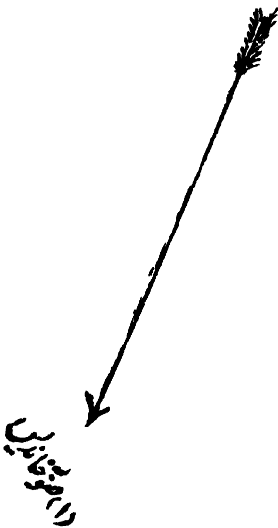
پھر اس وصیت میں بادشاہ کو اپنے عزیز بھائیوں اپنے امرائے ملک کے ساتھ تعلقات محبت و قدردانی کا خاص مشورہ دیا گیا ہے۔ کفایت شعاری اور اپنی سپاہ کی دلجوئی کی صحیح ہدایات ہیں۔ میں اس دستور العمل پر بھی بحث نہیں کرتا صرف اس قدر کہتا ہوں کہ یہ

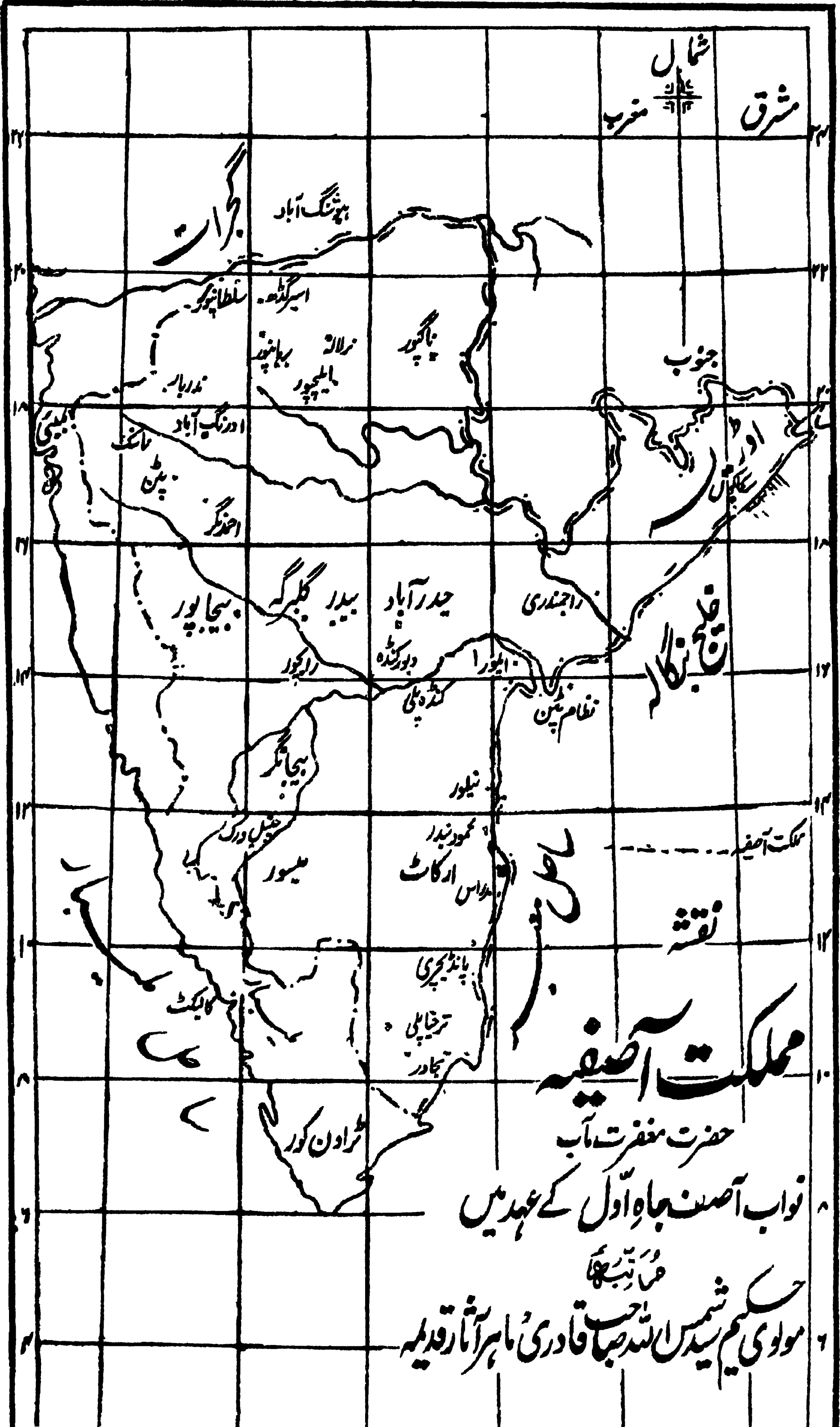
نہایت ہی جامع دستور العمل ہے

اعلیٰ حضرت آصف جاہ ہفتم کی زندگی اس دستور العمل کا ایک عملی نمونہ ہے جیسا کہ ان کے حالات و اخلاق سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو واقعات کی روشنی میں معلوم ہوگا۔

سلسلہ مضمون کے لحاظ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان کر دیا جائے کہ جب آصف جاہ اول نے رحلت فرمائی تو مملکت آصفیہ کی وسعت کہاں تک تھی تا کہ مختلف اوقات میں جو تبدیلیاں اس میں ہوتی رہیں ان کے اسباب و علل پر تاریخ کے طالب علم کو غور کرنے میں آسانی

مگر اس نقشہ کے دینے سے پیشتر میں اس وصیّت کے متعلق کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ اس وصیّت میں مندرجہ پند و نصائح یا ہدایات کے الفاظ کے متعلق بعض تالیفات میں کسی قدر اختلاف ہے لیکن نفس مضمون میں اختلاف نہیں ہے اس ہدایت سے حضرت مغفرت مآب کی سیرۃ پر بہت بڑی روشنی پڑتی ہے اور آپ کا اخلاص نیک دلی ۔ صداقت ۔ مواساۃ و وفاداری کے صفات نمایاں ہیں مرض الموت میں بھی آپ نے اپنے جانشینوں کو وہ ہدایت نامہ دیا جو ہر عہد میں قابل عمل ہے ۔ اس وصیت نامہ کے متعلق لالہ منشارام پیشکار مؤلف رسالہ دربار آصفیہ کا بیان ایک عینی گواہ کا سا ہے اسلئے کہ پیشکار موصوف حضرت مغفرت مآب کی نزع کے وقت موجود تھا اور ان کو سن کر پنسل سے نوٹ کرتا جاتا تھا جسکا انہوں نے اپنی کتاب میں خود ذکر کیا ہے یہ کتاب ۱۱۷۵ھ میں مرتب ہوئی اور اس خصوص میں سب سے قدیم ہے ۔ بہرحال قارئین کرام کو معلوم ہو جائیگا کہ حضرت آصف جاہ سابع کی زندگی میں حضرت مغفرت مآب کی یہ وصیت ایک قابل احترام دستور العمل اور عملی ضابطہ پایا جاتا ہے اور حضرت آصف جاہ ہفتم کی سیرۃ میں نمایاں طور پر اُسے دکھانے کی سعی کرونگا ۔ و باللہ التوفیق ۔ حضرت مغفرت مآب کے عہد میں دولت آصفیہ کی حدود کیا تھیں وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوتی ہیں ۔





شمال
مشرق
مغرب
جنوب
گجرات
ہوشنگ آباد
اسیر گڈھ
سلطانپور
نرنالہ
برہانپور
ناگپور
ایلچپور
ندربار
اورنگ آباد
بمبئی
پٹن
احمد نگر
بیجاپور
گلبرگہ
بیدر
حیدر آباد
راجمندری
اڑیسہ
خلیج بنگالہ
رائچور
دیورکنڈہ
ایلور
کنڈہ پلی
نظام پٹن
بیجانگر
نیلور
محمود بندر
ارکاٹ
میسور
مدراس
پانڈیچری
کالیکٹ
ترچناپلی
تنجاور
ٹراونکور
نقشہ
مملکت آصفیہ
حضرت مغفرت مآب
نواب آصف جاہ اول کے عہد میں
مرتبہ
مولوی حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ماہر آثار قدیمہ

تیسرا باب

حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اوّل کی مملکت

(میں خود اس مضمون پر لکھنے کے بجائے مولانا حکیم سید شمس الدین صاحب قادری ماہر آثارِ قدیمہ) کا ایک مضمون اسی موضوع پر درج کرنا پسند کرتا ہوں۔ مولٰنا موصوف نے جس محنت اور تحقیق کے ساتھ اسے قلمبند فرمایا ہے یہ انہیں کا حصّہ ہے یہ مضمون آپ نے روزنامہ صبح دکن کے سالگرہ نمبر ۱۳۵۱ھ کے لئے لکھا تھا اور اسی سے لیکر میں اسے یہاں شکریہ کے ساتھ درج کرتا ہوں۔ مضمون کے آخر میں اس زمانہ کی دولتِ آصفیہ کا ایک نقشہ بھی دیدیا ہے۔ (عرفانی)

گیارہویں صدی ہجری کے آخر ایام میں دکن کا شمالی حصّہ جس میں صوبہ جات خاندیس و برار اور احمد نگر شامل تھے۔ سلاطین مغلیہ کے تصرف میں تھا۔ اس کے نیچے مشرق میں قطب شاہی اور مغرب میں عادل شاہی خاندان برسرِ حکومت تھے۔ جنوب میں پالیگاروں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں واقع تھیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۰۹۷ھ میں حیدر آباد فتح کیا۔ ان فتوحات کے باعث مزید کوشش کے بغیر جنوب میں میسور تک دکن کے تمام علاقے مغلیہ عملداری میں شامل ہوگئے۔[1]

---

[1] ۱۱۱۲ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے ضیاء الدین چیناپٹن کی خدمت پر مامور تھا، مآثر عالمگیری (صفحہ ۴۰۷)

جلوس کے پینتیسویں سال (۱۱۰۳ھ) بادشاہ نے فساد کرناٹک رفع کرنے کیلئے ایک مہم روانہ کی، پانچ چھ سال کے عرصہ میں جنجی تک تمام ملک مفتوح ہوگیا[1]۔ اس کے جنوب میں پالیگاروں کی حکومت تھی۔ انہوں نے بغیر کسی فتنہ و فساد کے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اور ان فتوحات کی وجہ سے رامیشورم تک تمام ملک بلا وقت و دشواری مغلوں کے قبضہ میں آگیا[2]۔

عالمگیر کے مقبوضات دکن کو مورخین نے دو بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے[3]۔

(۱) وہ ملک جو نربدا اور کرشنا کے مابین ہیں۔ (۲) وہ ملک جو کرشنا کے نیچے واقع ہے۔

پہلا حصہ ذیل کے چھ حصوں میں منقسم تھا۔

(۱) صوبہ خاندیس۔ (۲) صوبہ برار۔ (۳) صوبہ اورنگ آباد۔ (۴) صوبہ بیدر۔ (۵) صوبہ حیدرآباد (۶) صوبہ بیجاپور

دوسرے حصے کو کرناٹک کہا کرتے تھے۔ اس کے مغربی قطعات کرناٹک بیجاپور اور مشرقی قطعات کرناٹک حیدرآباد کے نام سے موسوم تھے۔ اور ان دونوں کو علٰحدہ علٰحدہ طور پر صوبہ جات حیدرآباد و بیجاپور کا ضمیمہ بنادیا گیا تھا۔

حیدرآباد کا کرناٹک دو حصوں میں تھا۔ ایک بالاگھاٹ اس میں گتی، کنجی کوٹہ، سدہوت، کورم کنڈہ شامل تھے۔ دوسرا پایاں گھاٹ، اس کا علاقہ گنٹور سے کولار تک ساحلِ کارومنڈل پر پھیلا ہوا تھا۔ بیجاپور کا کرناٹک اب کرشنا سے میسور کی آخیر سرحد تک وسیع تھا۔ اور اس میں اناگوندی، بیدر نور، چتیل ورک، سرپٹن ہلی، بنگلور، سرا اور میسور کے علاقے شامل تھے۔

---

[1] ۱۱۰۹ھ میں نواب ذوالفقار خاں نے جنجی کو فتح کیا۔ مآثر عالمگیری (صفحہ ۳۹) [2] دکن میں مندرجہ ذیل مقامات پر اورنگزیب عالمگیر کے سکے مضروب ہوئے ہیں۔ اورنگ آباد[1]، عالمگیر پور[2]، قمر نگر کرنول[3]، اعظم نگر بلگاؤں[4]، بنگا پور[5]، بیجاپور[6]، برہان پور[7]، چینا پٹن[8]، ایلچپور[9]، گلبرگہ[10]، گولکنڈہ[11]، گتی[12]، حیدرآباد[13]، امتیاز گڈھ[14]، ادہونی[15]، جنجی، کڑپا[16]، مچھلی پٹن[17]، محمود بندر[18]، سیلاپور[19]، نصرت آباد ساگر[20]، پرینڈہ[21]، ستولاپور[22]، ورنگل[23]، ستارا[24]، تورگل[25]، مظفر آباد[26]۔

[3] اس قسم کی تفصیل کیلئے دیکھئے چتر من کی چہار گلشن، یا ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار کی کتاب "انڈیا آف اورنگزیب" جو ۱۹۰۱ء میں کلکتہ میں چھپی ہے۔

عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے وقت کرناٹک کے ہر دو علاقے صوبہ دار ذوالفقار خان کو تفویض تھے۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد محمد شاہ بادشاہ کی تخت نشینی تک دکن کا تمام ملک مغلیہ مقبوضات میں شمار ہوتا تھا۔ مرہٹوں کی قوت دکن کے شمال اور مغربی علاقوں میں نمودار ہوگئی تھی، لیکن ان کی حیثیت غارت گروں سے زیادہ نہ تھی، اور مغلوں کے حکام و عمال جو دکن کے مختلف علاقوں میں برسرِ حکومت تھے وقتاً فوقتاً ان کی مدافعت کر دیا کرتے تھے۔

سلطنتِ مغلیہ کی طرف سے نواب نظام الملک آصف جاہ جب دکن کے صوبہ دار مقرر ہوئے تو وہ تمام ملک ان کے تصرف میں آیا جو عالمگیر کے عہد سے مغلیہ مقبوضات میں شمار ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں کوکن کا علاقہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں جب کہ امیر الامراء سید حسین علی خان دکن کا صوبہ دار تھا تو اُس نے مرہٹہ سردار ساہوجی سے لوٹ مار اور راہ زنی کے چھوڑ دینے کا اقرار لے کر دکن کے چھ صوبوں کی چوتھ اور سردیسمکھی تسلیم کی، اور اُسے صوبہ دکن کے کارکنوں میں شامل کر کے تنخواہ کے عوض میں کوکن کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا[1]۔ اس بنا پر پونا سے ستارا تک جو ملک واقع ہے وہ مرہٹوں کی ملک قرار پایا۔

نواب آصف جاہ جب صوبہ دار مقرر ہوئے تو اُس وقت دکن میں دو شخص مرہٹوں کی سرداری کے مدعی تھے۔ ساہوجی سنبھاجی۔ پہلا ستارا کا۔ دوسرا کولاپور کا راجہ تھا[2]۔ سنہ ۱۱۳۹ھ میں نواب آصف جاہ نے ساہوجی کو معزول کر کے اس کے عوض سنبھاجی کو مرہٹوں کا سردار قرار دیا اور اسے اپنے دربار میں بلا کر دکن کی چوتھ اور سردیسمکھی عطا کی۔ یہ امر ساہو کے پیشوا باجی راؤ کو ناگوار ہوا۔ اور اس نے سنہ ۱۱۴۰ھ کے موسم برسات میں اورنگ آباد کے اطراف میں غارت گری شروع کر دی۔ نواب آصف جاہ نے جب مدافعت کا انتظام کیا تو باجی راؤ سے مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور وہ برہان پور سے ہوتا ہوا گجرات کی جانب چلا گیا[3]۔

---

[1] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۷۶)، [2] لیتھبرج کا مقدمہ تاریخ ہند (صفحہ ۱۷)، [3] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۳۹)، [4] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۴۰)

اسی اثنا میں ساہو کے ایک سردار نے سنبھاجی کو مجبور کر کے ایک صلحنامہ لکھوا لیا جس کی رو سے ساہو ستارا کا اور سنبھا کولاپور کا راجہ تسلیم کئے گئے۔ لیکن مرہٹوں کی سرداری صرف ساہو کے حق میں مسلّم ہوئی چوتھ اور سردیسمکھی بھی اسی کا حصہ قرار پایا[۱]۔ اس تصفیہ کو نواب آصف جاہ نے بھی ناگزیر قبول کر لیا۔ اور ساہو کو حسب سابق چوتھ اور سردیسمکھی کے اختیارات دیدیئے[۲]۔
۱۱۴۸ھ میں امیر الامرا کی سفارش سے محمد شاہ نے باجے راؤ کو مالوہ کا صوبہ دار بنا دیا[۳]۔ جس کے باعث دکن کے شمال میں مرہٹوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ اور وہ شمال و مغرب دونوں جانب سے جب کبھی موقع ملتا تو نواب آصف جاہ کے حدود میں آکر قتل و غارت کیا کرتے اور جس وقت مدافعت کی جاتی تو واپس چلے جاتے تھے۔ اس لئے نربدا کے نیچے برار و خاندیس میں ان کو کسی قسم کا بھی اقتدار نہیں تھا۔

کرناٹک اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ سے صوبہ جات دکن کا ماتحت علاقہ چلا آتا تھا اور یہاں کے حکام صوبہ داران دکن کے نائب ہوا کرتے تھے[۴]۔ ۱۱۴۵ھ میں کرناٹک کے نواب سعادت اللہ خان کا انتقال ہو گیا تو اس کے قرابت داروں میں کئی سال تک جانشینی کے لئے جھگڑا ہوتا رہا۔ اس فساد کو رفع کرنے کے لئے نواب آصف جاہ نے کرناٹک پر یورش کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ترچناپلی پہنچے۔ معمولی لڑائی کے بعد یہ مقام اور مدورا وغیرہ مفتوح ہو گئے[۵]۔ اس کے بعد ارکاٹ واپس آئے۔ اور ۱۱۵۹ھ میں سراج الدولہ نواب انوار الدین خان کو کرناٹک کی نیابت تفویض کی[۶]۔ اس فتح سے راس کماری تک دکن کا مشرقی علاقہ قلمروئے آصفیہ میں داخل ہو گیا۔

نواب آصف جاہ نے اپنے نواسے نواب مظفر جنگ کو بیجاپور کا صوبہ دار بنایا تھا[۷]۔ رائچور اور دھونی کے علاقے اپنے فرزند نواب صلابت جنگ کو جاگیر میں عطا کئے تھے۔ کرنول

۱؎ الفنسٹن کی تاریخ ہند جلد دوم (صفحہ ۱۱۸۳)، ۲؎ حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۴۰)، ۳؎ خزانۂ عامرہ (صفحہ ۴۳)

۴؎ تاریخ ظفرہ (صفحہ ۱۰۴)، ۵؎ لایل کی مملکت برطانیہ (صفحہ ۱۰۴)، ۶؎ حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۱۷۰)، ۷؎ آکس کرناٹک۔ ۸؎ خزانۂ عامرہ (صفحہ ۵۹)

کڑپہ اور شاہ نور میں افغان سردار برسرِ حکومت تھے۔ مغربی گھاٹ اور ساحل پر بیدنور کے رانا کی حکومت تھی۔ میسور میں کرشنا خاندان کے راجہ حکمرانی کر رہے تھے۔

شاہ نور بیجاپور کے اور کڑپہ کرناٹک کے ماتحت تھا[1] کرنول کے نواب نے تسخیر کرناٹک کے زمانہ میں اطاعت قبول کر لی تھی[2]۔ بیدنور کا رانا عالمگیر کے زمانہ سے صوبہ داران دکن کا مطیع چلا آ رہا تھا[3]۔ میسور کے راجہ خود سر ہو گئے تھے۔ لیکن نواب آصف جاہ نے ان کی تنبیہ کے لئے نواب ناصر جنگ کے زیر کمان ایک مہم دکن کھیڑہ سے روانہ کی ۱۱۵۹ھ میں سرنگا پٹن کا محاصرہ ہوا۔ تو راجہ نے مطیع ہو کر سالانہ خراج ادا کرنیکا اقرار کیا۔

میسور کے نیچے ٹراونکور کے علاقے تھے۔ مغرب میں ساحل سمندر پر ملیبار کا ملک تھا۔ یہ سب آصفیہ عملداری سے خارج اور یہاں کے حکمران خود مختار تھے۔

۱۱۶۱ھ میں جب نواب آصف جاہ کا انتقال ہوا ہے تو اس وقت ان کے مقبوضات کی سرحد شمال میں نربدا سے شروع ہو کر جنوب میں راميشورم پر ختم ہوتی تھی۔ مغرب میں کوکن کا علاقہ ان کی حکومت سے خارج تھا۔ مشرق میں اڑیسہ کے ساحل پر بنگالہ کی سرحد تک ان کی عملداری پھیلی ہوئی تھی۔ موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے ممالک محروسہ سرکار عالی کے علاوہ حسب ذیل ممالک ان کی مملکت میں شامل تھے۔ احاطہ مدراس کا تمام ملک ملیبار اور کوچین ٹراونکور کو چھوڑ کر احاطہ بمبئی کا جنوبی حصہ ممالک متوسط کے قطعات جو نربدا کے نیچے واقع ہیں۔

مغلوں کے عہد حکومت سے یہ ملک چھ صوبوں میں منقسم تھا۔ اور ہر صوبہ کی تقسیم متعدد سرکاروں پر مشتمل تھی۔ ان صوبوں کا ذکر اور سرکاروں کی تفصیل ہندوستان کے ان تمام جغرافیائی تاریخوں میں مذکور ہے۔ جو اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ضبط تحریر میں آئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی کتاب غالباً اخبار التواریخ ہے۔ جس کو رائے چھبیلہ نے نواب غازی الدینخاں بہادر

---

[1] تاریخ دلیر جنگی (صفحہ ۲۷)، [2] حدیقۃ العالم جلد دوم (صفحہ ۴۷)، [3] مآثر عالمگیری (صفحہ ۲۵۴)۔

فرمائش سے ۱۱۷۳ھ میں بہ عہد شاہ عالم بادشاہ ثانی تصنیف کیا ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مسودہ منتشر و پراگندہ تھا۔ منشی چندر بھان نے ۱۲۰۱ھ میں اسے از سر نو مرتب کیا۔ اور چہار گلشن اس کا نام رکھا۔ اس میں چار باب ہیں۔ پہلے باب میں ہندوستان کے پندرہ اور دوسرے باب میں دکن کے چھ صوبوں کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں ہندوستان کے راستوں کی تفصیل ہے۔ چوتھے باب میں مسلمان اور ہندو فقراء کے مختلف فرقوں کا تذکرہ ہے۔

دوسری کتاب لالہ لچھمی نارائن شفیق کی حقیقت ہائے ہندوستان ہے۔ جو ۱۲۰۵ھ میں ولیم پیاٹرک کی فرمائش سے بہ مقام حیدرآباد تصنیف ہوئی ہے۔ یہ بھی چار مقالوں میں منقسم ہے پہلے مقالہ میں ہندوستان کے محاصل و مخارج کا گوشوارہ ہے۔ دوسرے اور تیسرے مقالہ میں ہندوستان کے پندرہ اور دکن کے چھ صوبوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے تیسرا مقالہ سلاطین ہندوستان کے حالات میں ہے۔

تیسری کتاب مورخ قادر خان بیدری کی ہے۔ جو نواب سکندر جاہ آصف جاہ سوم کے عہد میں ۱۲۴۷ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کی پہلی جلد میں جسکا نام سیر الہند ہے۔ ہندوستان خاص کے پندرہ صوبوں کا ذکر ہے۔ دوسری جلد جو گلگشت دکن کے نام سے موسوم ہے دکن کے چھ صوبجات سے تعلق رکھتی ہے۔

اس سلسلہ میں دو کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں صرف صوبہ جات دکن کا تذکرہ ہے ان میں سوانح دکن مقدم ہے۔ اسے منعم خان اورنگ آبادی نے ۱۱۷۳ھ میں بہ مقام اورنگ آباد مرتب کیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے صوبہ جات دکن کے حالات اور ان کے بعد نواب آصف جاہ اور ان کے امرائے دربار کا تذکرہ مرقوم ہے۔

دوسری کتاب گلزار آصفیہ ہے جسے حکیم غلام حسین خان نے ۱۲۶۴ھ میں تصنیف کیا ہے یہ دکن کی عام تاریخ ہے۔ اس میں چار باب ہیں پہلے باب میں سلاطین قطب قطب شاہیہ کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں شاہان آصفیہ کی تاریخ ہے۔ تیسرے باب میں

حیدرآباد کے اعیان و امرا اور دیگر ارباب فضل و کمال کا تذکرہ ہے۔ چوتھے باب میں صوبجات دکن کی تفصیل ہے۔

ان پانچوں کتابوں کو مدنظر رکھ کر ہم نے صوبہ جات دکن اور ان کے جملہ سرکاروں کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ جو ذیل میں درج ہے اس میں سے پرنالہ، واکل، تل کوکن اور جوار کے چار سرکار خارج کر دینا چاہیئے۔ ان کے علاوہ باقی تمام سرکار مملکت آصفیہ میں شامل ہیں۔ صوبہ جات اور سرکاروں کے محل وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے ہم نے ایک نقشہ بھی بنا دیا ہے اس کی ترتیب و تیاری میں امپریل گزٹیر کے علاوہ چند خاص خاص نقشوں سے مدد لی ہے۔ جو اب سے سوا سو سال پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں تیار ہوئے۔ ان میں قابل ذکر اور کارآمد نقشہ جے۔ سی۔ واکر کا ہے۔ اس میں وہ تمام واقعات درج ہیں۔ جن کا ذکر مغلوں کی تاریخ میں آیا ہے۔ اس کے بعد ہسٹری آف مدراس آرمی کے نقشوں سے مدد ملی ہے۔ ان سے جنوب کے بعض مقامات کا پتہ چلا ہے۔ (نقشہ مملکت آصفیہ اور بقیہ مضمون صفحہ ہذا کا ملاحظہ ہو صفحہ ۵۴ و ۵۶ پر)

(۱) صوبہ خاندیس

اس صوبہ میں چھ سرکار تھے۔ برہان پور مستقر حکومت تھا۔

۱:- سرکار اسیر	۳۲ محال	۲:- سرکار لگانہ	۳۰ محال
۳:- سرکار بیجاگڈہ عرف گھرکول	۲۳ محال	۴:- سرکار کالنہ	۷ محال
۵:- سرکار ندبار	۱۶ محال	۶:- سرکار ہانڈیہ	۲۷ محال

(۲) صوبہ برار

یہ صوبہ دو حصوں میں منقسم تھا۔

۱:- بالاگھاٹ اس میں پانچ سرکار تھے۔ ۲:- پایان گھاٹ اس میں سات سرکار تھے۔

بالاگھاٹ

۱:۔ سرکار پاتھری۔ ۱۱ محال — ۲:۔ سرکار باسم۔ ۹ محال

۳:۔ سرکار تبیال باری۔ ۹ محال — ۴:۔ سرکار ماہو۔ ۱۰ محال

۵:۔ سرکار مہکر۔ ۲ محال

پایان گھاٹ

۶:۔ سرکار کاویل۔ ۴۶ محال — ۷:۔ سرکار کلم۔ ۲۴ محال

۸:۔ سرکار کھیرلہ۔ ۲۴ محال — ۹:۔ سرکار نرنالہ۔ ۳۷ محال

۱۰:۔ سرکار پونار۔ ۴ محال — ۱۱:۔ سرکار دیوگڈھ عرف اسلام گڈھ۔ ۴۹ محال

۱۲:۔ سرکار سرپور ۷ محال

(۳) صوبہ اورنگ آباد

اس صوبہ میں بارہ سرکار تھے۔

۱:۔ سرکار دیوگیر عرف دولت آباد۔ ۳۷ محال — ۲:۔ سرکار احمد نگر۔ ۱۰ محال

۳:۔ سرکار پٹن ۳ محال — ۴:۔ سرکار پرینڈہ ۱۹ محال

۵:۔ سرکار بیڑ۔ ۱ محال — ۶:۔ سرکار جالناپور۔ ۱۰ محال

۷:۔ سرکار سنگ منیر ۱۱ محال — ۸:۔ سرکار شولاپور۔ ۲ محال

۹:۔ سرکار دہارور عرف فتح آباد۔ ۱۱ محال — ۱۰:۔ سرکار جونیر۔ ۲۳ محال

۱۱:۔ سرکار تل کوکن۔ ۱۶ محال — ۱۲:۔ سرکار جوار۔ ۳ محال



(۴) صوبہ محمد آباد بیدر

اس صوبہ میں سات سرکار تھے۔

۱:۔ سرکار بیدر عرف ظفر آباد۔ محال　　۲:۔ سرکار انکل کوٹ۔ محال
۳:۔ سرکار کلیان۔ محال　　۴:۔ سرکار آنگیر عرف فیروز گڈھ۔ امحال
۵:۔ سرکار سکیٹر عرف مظفر نگر۔ ۴امحال　　۶:۔ سرکار امر چنپتہ۔ امحال
۷:۔ سرکار ناندیڑ۔ ۴۴محال

(۵) صوبہ بیجاپور

اس میں اٹھارہ سرکار تھے۔

۱:۔ سرکار بیجاپور ۷ہمحال　　۲:۔ سرکار گلبرگہ عرف حسن آباد۔ امحال
۳:۔ سرکار بیگاؤں عرف اعظم نگر۔ ۱۵محال　　۴:۔ سرکار انگلوج عرف سعد نگر۔ ۲محال
۵:۔ سرکار ادونی عرف امتیاز گڑھ۔ محال　　۶:۔ سرکار رائچور عرف فیروز نگر۔ ۹محال
۷:۔ سرکار نیکاپور۔ ۱۶محال　　۸:۔ سرکار نورگل۔ ۱۶محال
۹:۔ سرکار سندیال عرف غازیپور۔ ۲۳محال　　۱۰:۔ سرکار ملدرگ۔ ۸محال
۱۱:۔ سرکار اکیری عرف محمد نگر۔ محال　　۱۲:۔ سرکار مدگل۔ ۱۲محال
۱۳:۔ سرکار وابوہل عرف مصطفی آباد۔ محال　　۱۴:۔ سرکار مرچ عرف مرتضی آباد۔ ۹محال
۱۵:۔ سرکار نپالہ عرف نبی شاہ درگ۔ محال　　۱۶:۔ سرکار ساگر عرف نصرت آباد۔ ۵محال
۱۷:۔ سرکار رائے باغ ۱۲محال　　۱۸:۔ سرکار کرناٹک۔ ۶۵محال

(۶) صوبہ حیدرآباد

اس صوبہ میں دو علاقے تھے۔

۱:۔ تلنگانہ ۔ اس میں بائیس سرکار تھے ۲:۔ کرناٹک ۔ اس میں اکیس سرکار تھے ۔

ملک تلنگانہ

۱:۔ سرکار گول کنڈہ عرف محمد نگر۔	۲ محال	۲:۔ سرکار بھونگیر۔	۱۱ محال
۳:۔ سرکار دیور کنڈہ ۔	۱۲ محال	۴:۔ سرکار میدک ۔	۱۲ محال
۵:۔ سرکار کلاس ۔	۵ محال	۶:۔ سرکار کھم میٹ ۔	۱۱ محال
۷:۔ سرکار نل گنڈہ	۲۱ محال	۸:۔ سرکار کوول کنڈہ ۔	۱۳ محال
۹:۔ سرکار پانگل ۔	۵ محال	۱۰:۔ سرکار کھن پور ۔	۶ محال
۱۱:۔ سرکار ایل گندل ۔	۲۱ محال	۱۲:۔ سرکار آرام گیر ۔	۱ محال
۱۳:۔ سرکار ورنگل ۔	۶ محال	۱۴:۔ سرکار ملنکور ۔	۳ محال
۱۵:۔ سرکار کوندے پلی مصطفیٰ نگر ۲۴ محال		۱۶:۔ سرکار گنٹور عرف مرتضیٰ نگر ۔	۵ محال
۱۷:۔ سرکار ایلور ۔	۲ محال	۱۸:۔ سرکار راج مندری ۔	۲۴ محال
۱۹:۔ سرکار مچھلی پٹن ۔	۸ محال	۲۰:۔ سرکار نظام پٹن ۔	۱ محال
۲۱:۔ سرکار کان الماس	۱ محال	۲۲:۔ سرکار چلکہ پیٹاکول	۱ محال

ملک کرناٹک

علاقہ بالاگھاٹ ۔

۲۳:۔ سرکار ساہوٹ ۔	۸ محال	۲۴:۔ سرکار کنجی کوٹہ ۔	۱۵ محال
۲۵:۔ سرکار گوتی ۔	۱۳ محال	۲۶:۔ سرکار کورم کنڈہ ۔	۲ محال
۲۷:۔ سرکار کھم ۔	۸ محال		

علاقہ پایان گھاٹ

۲۸:۔ سرکار اودگیر ۶ محال
۲۹:۔ سرکار دیلور۔ ۸ محال
۳۰:۔ سرکار پالم کوٹ۔ ۱۳ محال
۳۱:۔ سرکار ترپاتور۔ ۱۰ محال
۳۲:۔ سرکار جگدیو۔ ۱۷ محال
۳۳:۔ سرکار چندراگیری۔ ۱۷ محال
۳۴:۔ سرکار جنگل پیٹ۔ ۳ محال
۳۵:۔ سرکار سردہ پلی۔ ۳ محال
۳۶:۔ سرکار گنجی۔ ۱۵ محال
۳۷:۔ سرکار ترناملی۔ ۱ محال
۳۸:۔ سرکار جنجی عرف نصرت گڑھ۔ ۸ محال
۳۹:۔ سرکار درداور۔ ۹ محال
۴۰:۔ سرکار والکنڈہ۔ ۵ محال
۴۱:۔ سرکار وندیواش۔ ۳ محال
۴۲:۔ سرکار ترچناپلی۔ ۱ محال
۴۳:۔ سرکار تنجاور۔ ۱ محال

مختلف کتابوں میں صوبہ جات دکن کے گوشوارے درج ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب آصف جاہ کے عہد میں ان صوبوں سے کم و بیش اٹھارہ کروڑ چالیس لاکھ تینتالیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔ اس کے علاوہ وہ رقم تھی جو تلنگانہ اور کرناٹک کے راجاؤں اور زمینداروں سے پیش کش میں وصول ہوا کرتی تھی۔

صوبہ خاندیس سے تخمیناً	۵۸۷۸۰۰۰ روپے
صوبہ برار سے تخمیناً	۱۲۷۸۳۰۰۰ روپے
صوبۂ اورنگ آباد سے تخمیناً	۱۲۷۷۷۰۰۰ روپے
صوبۂ بیدر سے تخمیناً	۶۹۴۲۰۰۰ روپے
صوبۂ بیجاپور سے تخمیناً	۷۸۸۱۸۰۰۰ روپے
صوبۂ حیدرآباد سے تخمیناً	۶۶۸۴۵۰۰۰ روپے
میزان	۱۸۴۰۴۳۰۰۰

راجگان وزمینداران کرناٹک کا پیش کش تخمیناً

(۵۲۵۶۱۰۰۰) روپے

راجگان وزمینداران تلنگانہ کا پیش کش تخمیناً

(۶۰۰۰۰۰۰) روپے

میزان	۵۸۵۶۱۰۰۰۰
صدر میزان	۲۴۲۶۰۴۰۰۰

چوتھا باب

سلطنت آصفیہ خانہ جنگی کے ابتلا میں

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت آصف جاہ اوّل مرحوم نے جس عظیم الشان سلطنت (دولتِ تیموریہ) کے بقا کے لئے تمام عمر کوشش کی اور بالآخر اسکی ایک یادگار دکن میں قائم رکھنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں، ابھی اس کی بنیادیں بھی مضبوط نہ ہوئی تھیں کہ خود گھر کے مالکوں نے ہی ان کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

اس خانہ جنگی کی داستان نہایت المناک ہے۔ اور میں اس کی تفاصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ مگر اس قدر کہنے میں مضائقہ نہیں کہ دولت آصفیہ کے آغاز ہی میں اسکی ترقی کی راہ میں جو شخص نہایت خطرناک ثابت ہوا وہ

ہدایت محیّ الدّین خاں مظفر جنگ تھا

یہ حضرت آصف جاہ اوّل مرحوم کے نواسے تھے۔ اور مرحوم نے اپنی زندگی

ہی میں اسے رائچور اور ادہونی کا ناظم مقرر کر دیا تھا۔ نہ صرف اس قدر بلکہ خصوصیت کے ساتھ آپ نے اپنی وصیت[1] میں اِن کے متعلق سفارش کی تھی۔ لیکن یہی شخص سب سے اول

کافرِ نعمت ثابت ہوا

اور اس نے اپنی غیر مآل اندیشی، اور فتنہ انگیزی سے سلطنتِ آصفیہ کو سخت نقصان پہنچایا۔ یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے کہ اگر مظفر جنگ اپنے نانا کی عطا کردہ حکومت پر قانع رہتا۔ اور اسکی حفاظت اور ترقی میں اپنے بزرگ ماموں نواب ناصر جنگ سے اتحاد رکھ کر کوشاں ہوتا تو

آج دولت آصفیہ کی تاریخ کسی اور رنگ میں لکھی گئی ہوتی

نہ صرف یہ بلکہ میں کہتا ہوں ہندوستان ہی کی تاریخ کی دوسری صورت ہوتی۔ مگر اس حریص، ناداں اور ناتجربہ کار نوجوان نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ دولت آصفیہ کے آغاز ہی میں نہ یہ کہ اس کی ترقی کا دائرہ تنگ ہوگیا۔ بلکہ وہ اپنے اصلی حدود میں بھی

حاشیہ[1]۔ وصیت حضرت آصف جاہ اوّل میں نواب محی الدین خان مظفر جنگ کے متعلق حسب ذیل فقرہ ہے۔ ہدایت محی الدین خان کو (نواب مظفر جنگ جو حضرت آصف جاہ اوّل کے نواسے تھے اور رائچور اور ادہونی کی حکومت اُن سے متعلق تھی۔ یہ اپنے ماموں نواب ناصر جنگ شہید کے خلاف فرانسیسیوں سے مل کر جنگ کرتے رہے نواب شہید نے ایک جنگ میں شکست دے کر انہیں زندہ گرفتار کر لیا۔ اور کوئی گزند نہ پہنچایا۔ یہ پھر فرانسیسیوں سے مل گئے۔ نواب ناصر جنگ شہید کر ڈالے گئے۔ نواب مظفر جنگ تخت نشین ہو گئے۔ مگر پٹھانوں نے انہیں بھی شہید کر ڈالا) اپنے بیٹوں کی طرح سمجھو اپنی شفقت و عنایت سے اپنا بناؤ۔ اسے برباد کرنے کی فکر نہ کرو۔ (عرفانی)

اور تنگ ہو گئی۔

مظفر جنگ کی شتاب کاریوں کے عام نتائج

مظفر جنگ۔ کی ان عاجلانہ حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اغیار کا ہاتھ مضبوط ہو گیا۔ اور وہ عناصر جو دولتِ آصفیہ کے اندر آ نہیں سکتے تھے وہ ایک قوت و قدرت کے پیکر ہو کر آ گئے۔

سب سے اوّل یہ موقع فرانسیسیوں کو ملا اور انہوں نے ایک اقتداری حیثیت اختیار کر لی مجھے اس جمال کی کسی قدر تفصیل کرنی چاہیئے۔ تاکہ قارئین کرام اس کو سمجھ سکیں۔

آصف جاہ کی وفات کے بعد | حضرت آصف جاہ اوّل کی وفات کے بعد دولتِ آصفیہ کے تخت پر مرحوم کے دوسرے صاحبزادے نظام الدّولہ نواب ناصر جنگ بہادر متمکن ہوئے۔ اس لئے کہ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے نواب فیروز جنگ ثانی تو دہلی میں مقیم تھے۔ تمام خاندانی خطابات ان کو ہی عطا ہو چکے تھے۔ حضرت آصف جاہ اوّل نے دوراندیشی سے دولتِ آصفیہ کو محفوظ رکھنے کے لئے مظفر جنگ اپنے نواسے کو بالاگھاٹ کا ناظم اور کرناٹک کا ناظم انوار الدّین خان کو قرار دیا تھا۔ لیکن وفات کے بعد حالات میں حرص و لالچ نے ایک خطرناک انقلاب پیدا کر دیا۔ ناصر جنگ تخت نشین ہو چکے تھے۔ اور ابھی تک دہلی دربار سے تعلقات قائم تھے۔ اس وقت تختِ ہندوستان پر احمد شاہ بادشاہ تھا۔ انہوں نے نواب ناصر جنگ کو دہلی طلب کیا۔ تعمیل ارشاد میں نواب ناصر جنگ ایک کثیر لشکر لے کر دہلی کو روانہ ہوئے۔ اور ابھی دریائے نربدا تک نہ پہنچے تھے کہ طلبی کا فرمان منسوخ ہو گیا اور نواب ناصر جنگ واپس ہوئے۔ نواب ناصر جنگ بہادر کا یہ

سفر دہلی ہی فتنہ کا موجب ہوا

ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ (جو نواب ناصر جنگ کے حقیقی بھانجے تھے) نے یہ سمجھ لیا کہ اب میدان خالی ہے اس لئے بہتر ہے کہ دولت آصفیہ کا اورنگ نشین میں ہی ہو جاؤں۔ حضرت آصفجاہ مرحوم نے مظفر جنگ کی عادات اور اس کے حالات اور عزائم مشومہ پر ایک فرسیانہ نظر کر کے اپنی وصیت میں اس کے ساتھ خاص مراعات کا اشارہ کیا تھا۔ اور سعادت مند بیٹے ناصر جنگ نے باپ کی وصیت کا احترام کر کے ہمیشہ اس کی دلداری کو ضروری سمجھا مگر مظفر جنگ اپنے منصوبوں میں مصروف رہا۔ اور اس کے علاوہ مصیبت یہ ہوئی کہ نواب انورالدین خان ناظم۔

مظفر جنگ اور چندا صاحب کا اتحاد | کرناٹک کا داماد حسین دولت خان المعروف چندا صاحب بھی اسی فطرت کا انسان تھا جو مظفر جنگ کو ملی تھی۔

وہ بھی حکومت کے لئے بے حد حریص اور نہایت چالاک و چال باز تھا۔ اس لئے اس مقصد وحید پر مظفر جنگ اور چندا صاحب میں اتحاد غیر طبعی نہ تھا۔ دونوں میں اتحاد ہوا۔ اور اس اتحاد نے سازشوں اور مفسدتوں کی ایک نئی اسکیم شروع کر دی۔ چونکہ وہ اپنی قوت و طاقت سے واقف تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ زیادہ دیر تک اس میدان بغاوت میں کھڑے نہ رہ سکیں گے اس لئے اپنی قوت کے استحکام کے لئے ایک

خارجی اور بیرونی طاقت سے ساز باز کیا

فرانسیسیوں سے ساز باز | یہ فرانسیسیوں کی حکومت تھی۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں یورپ کی بعض قومیں تجارتی اغراض کے لئے آ چکی تھیں۔

اور وہ اپنی حفاظت وغیرہ کے خیال سے کچھ فوجیں بھی رکھتی تھیں۔ تاریخ ہندوستان کا یہ زمانہ نہایت عجیب وغریب ہے۔ ایک طرف وہ دولت اسلامیہ مغلیہ کی بے انتہا رواداری، فیاضی اور وسعت حوصلگی کو ظاہر کرتا ہے دوسری طرف یوروپین قوموں کی سیاست کی بہترین تاریخ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس تاجر قوم (فرانسیسی) نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور دونوں متحد الاغراض باغیوں کی اعانت کے لئے انہوں نے اندرونی معاہدہ کرلیا۔ اور اس طرح پر

دولت مغلیہ اسلامیہ اور دولت آصفیہ کی جڑوں پر کلہاڑا رکھ دیا گیا

اسلامی ہند کی تاریخ میں جن لوگوں کا نام نہایت ذلت کے ساتھ لیا جائیگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اغراض مشومہ کے لئے ملت فروشی کی انہیں یہ دونوں نام کسی سے پیچھے نہیں۔

غرض ان دونوں نے فرانسیسیوں سے مل کر ایک نیا محاذ قائم کرلیا۔ اور فرانسیسیوں نے ایک فوج ان کے حوالہ کردی۔ جس میں چار سو یوروپین اور دو ہزار منظم سپاہی تھے۔

فرانسیسی فوجیں اعلیٰ درجہ کی نبرد آزما اور قواعد جنگ سے پوری ماہر تھیں۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب نے ان بیرونی فوجوں کی قوت کے بل بوتے پر اتراتے ہوئے۔

کرناٹک پر حملہ کردیا تاکہ علم خود مختاری بلند کریں

خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اور چاہتی تھی، انوار الدین خان مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ مگر شکست کھائی اور میدان جنگ میں ہی مارا گیا۔

ناصر جنگ کا حملہ | جب نواب ناصر جنگ کو اس شکست کی خبر پہنچی تو قدرتی طور پر اسے صدمہ ہوا اور خود بہ نفسِ نفیس اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر لیکر نکل پڑا، انگریز فرانسیسیوں کے اقتدار اور اثر کو کب پسند کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے پتنگ کی ڈور بڑھانے کا بہترین موقعہ پایا اور اپنی خدمات نواب ناصر جنگ کے پیش کر دیں۔ اور اس طرح پر ایک انگریزی دستہ بھی امداد و اعانت کے لئے افواج ناصریہ کے ساتھ ہو گیا۔ مقصد جو کچھ تھا وہ ظاہر ہے۔
ایک دردمند مسلمان تاریخ کے جب اس دور سے گذرتا ہے۔ تو اس کی آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ اور وہ نہایت افسوس اور حسرت سے کہتا ہے آہ!

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

نہ یہ بند نہاد پیدا ہوتے۔ اور نہ اس فتنہ کو پیدا ہونے کا موقعہ ملتا۔ القصہ ناصر جنگ اس لشکر کو لیکر آگے بڑھا۔ اگر زمینی طاقت اور اسباب ہی پر بھروسہ ہوتا۔ اور اسی کے ذریعہ فیصلہ ہونے والا ہوتا تو حالات خوشگوار نہ تھے۔ مگر خدائے تعالٰے نے پھر اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دکھایا۔ **اور دشمن کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔**

دشمنوں میں پھوٹ | مظفر جنگ اور چندا صاحب کی متحدہ فوج کا سپہ سالار فرانسیسی جرنیل ڈوپلے تھا۔ ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی تھی کہ فرانسیسی لشکر کے افسروں اور مظفر جنگ اور چندا صاحب سے جھگڑا ہو گیا۔ اور وہ ناراض ہو کر پانڈی چری کو چل دئے چندا صاحب بھی ان کے ساتھ ہی ہوا یہ انہیں خیال تھا کہ ایسا نہیں ہونے دیا جائیگا۔ اور وہ جس طرح چاہیں گے۔ اس پھوٹ نے کام کیا مظفر جنگ اکیلا رہ گیا اور اس کے لئے چارہ نہ تھا

کہ اپنے آپکو واجب الاحترام ماموں کے سپرد کر دے

ناصر جنگ کی فیاضی اور عفو کاری | میر غلام علی آزاد بلگرامی ناصر جنگ کے عمائد خاص میں سے تھے

انہوں نے اپنے آقا کے حالات لکھتے ہوئے تاثر کلام میں لکھا ہے کہ نواب ناصر جنگ نے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کو مدنظر رکھتے ہوئے مظفر جنگ کو معاف کر دیا اور کوئی گزند نہ پہنچایا۔ اس طرح پر انہوں نے واجب الاحترام باپ کی وصیت کا بھی عملی احترام کیا۔ اور اس کے مصاحبوں اور لشکریوں کو بھی امان دیدی اگرچہ نواب ناصر جنگ کے مشیران باتدبیر اس کے مخالف تھے اور بار بار اس امر پر زور دیتے تھے کہ

مظفر جنگ کو زندہ رکھنا فتنہ وفساد کو قائم رکھنا ہے

مگر ناصر جنگ نے جو امان دی تھی اسے واپس نہ لیا۔

فرانسیسی حملہ اور ناصر جنگ کی شہادت فرانسیسیوں نے سیاسی حالت کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اور وہ حکومت آصفی کے اس وقت کے بعض نمک حرام اہلکاروں اور غداروں کی فطرت کا بھی مطالعہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے بھر ڈوپلے کی سرکردگی میں حملہ کر کے جنجی کے قلعہ کو فتح کر کے قبضہ کر لیا۔

واقعات کی عمیق تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ فرانسیسیوں نے یہ حملہ کیا ہی اس وقت تھا جب وہ بعض غداران ملت کو خرید کر مطمئن ہو چکے تھے۔ نواب ناصر جنگ نے فرانسیسی اقتدار کو اس طرح بڑھتے دیکھ کر فوراً تلافی مافات کے لئے جو دلی حملہ کا عزم کر لیا۔ موسم نہایت مخالف تھا۔ اس لئے کہ بارش سخت ہو رہی تھی۔ اور دریاؤں میں اس قدر تلاطم تھا کہ وہ ناقابل عبور تھے۔ مگر بلند ہمت ناصر جنگ نے ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے بھی آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا۔ مگر پھر ایسی مصیبت نے اس پر حملہ کیا کہ

ہمراہی افغانوں نے فرانسیسیوں سے سازباز کر لیا

اور ملت فروشی کا وعدہ کر کے اپنے ضمیر کا خون کیا۔ اور عاقبت کو تباہ وبرباد کر لیا

وہ لالچ کا شکار ہوئے۔ اور آقائے ولی نعمت کے ساتھ نمک حرامی اور غداری کی
اس موقعہ پر مخلصین کی ایک جماعت نے جو معدودے چند آدمیوں پر مشتمل تھی۔
ناصر جنگ کو بروقت آگاہ کیا کہ افغان غداری اور بے وفائی کر رہے ہیں۔
ان پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ لیکن نیکدل ناصر جنگ نے کہا کہ میں نے ان کے ساتھ کوئی
برائی نہیں کی۔ وہ کیوں غداری کریں گے؟ حالانکہ وہ ملت فروش سودا کر چکے تھے۔ اور
متاع ایمان و اخلاص سونے چاندی کے کچھ سکوں پر فرانس کے کافروں کے ہاتھ بیچ
چکے تھے۔ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔

ان غداروں نے فرانسیسیوں کے پاس جاسوس بھیجکر انہیں شب خون پر آمادہ
کر لیا۔ چنانچہ محرم کی ساتویں شب کو فرانسیسی افواج نے شب خون مارا۔ اور ناصر جنگ خود
ہاتھی پر سوار ہو کر افغانوں کی طرف بڑھے۔ ہمت خان نواب کرنول کو دیکھ کر نواب
ناصر جنگ نے تواضع کے طور پر "سلام علیکم" میں اقدام کیا۔ مگر اس خائن و غدار نے جواب نہ
دیا۔ بھولا ناصر جنگ سمجھا کہ اس نے پہچانا نہیں۔ رات کا وقت اور تاریکی ہے۔ اس لئے ہودج
سے کسی قدر بلند ہوئے۔ تاکہ ہمت خان اسے شناخت کر لے۔ مگر اس ضعف ہمت غدار
اور اس کے رفیق کی گولیوں کی بوچھاڑ ناصر جنگ پر پڑی۔ اور وہ اس کے جسم سے
پار گئیں۔

اور فوراً ہی نواب ناصر جنگ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی

افغانوں نے اس واقعہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور شہید نواب کا سر کاٹ
کر نیزے پر بلند کیا۔
ناصر جنگ کی فوج نے جب آقا کے سر کو نیزے پر دیکھا تو اس کا قدرتی اثر
یہ تھا کہ۔

وہ منتشر ہو گئی

یہ ۵ رڈسمبر ۱۷۵۰ء کا واقعہ ہے۔

فرانسیسیوں کی دوسری فسون گری | ناصر جنگ کی شہادت شکست کا اعلان تھی۔ فرانسیسیوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور مظفر جنگ کے فتنہ سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ اس کی امارت کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ ڈوپلے نے فوراً

مظفر جنگ کی امارت کا اعلان کر دیا

جو اس وقت اپنے ماموں کے خیمہ میں موجود تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ناصر جنگ شہید نے بیس لاکھ پونڈ کے قریب نقد اور جواہرات کی شکل میں چھوڑے تھے جو مظفر جنگ کے قبضہ میں آئے۔ اور اس نے اپنے رفیقوں کے طرفداروں کو تقسیم کئے۔ اور ڈوپلے کو ہفت ہزاری منصب عطا کیا۔

مظفر جنگ کا انجام | نواب ناصر جنگ کی شہادت کے بعد امارت کی گدی پر بیٹھے ہوئے ابھی دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ عزیز ذو انتقام خدا کی قہری تجلی نے ایک دوسرا کرشمہ دکھلایا۔

جنوری ۱۷۵۱ء کا واقعہ ہے کہ مظفر جنگ پانڈی چری سے حیدر آباد کی طرف آرہا تھا اور فرانسیسی فوج بھی ساتھ تھی۔ اور وہ انہی حدود میں داخل ہوا جہاں افغانوں نے اپنے آقا مظفر جنگ سے غدر اور اپنی محسن کشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ مظفر جنگ نے اِن افغانوں کو حسب دلخواہ انعام تو دیا نہ تھا۔ اور وہ اندر ہی اندر اس کے شاکی اور مخالف تھے۔ انہیں ذاتی طور پر مظفر جنگ سے کوئی اخلاص اور ہمدردی نہ تھی۔ وہ تو ملت فروش طماع تھے جب اپنی مرادوں میں ناکام رہے تو انہوں نے موقعہ کا

انتظار کیا۔

مظفر جنگ کی فوج کے کچھ سپاہیوں نے ایک موضع کو لوٹ لیا۔ افغان تو موقعہ ہی کے منتظر تھے۔

کڈاپہ کے افغان نواب نے مظفر جنگ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ مظفر جنگ اس وقت کامرانی کے نشہ میں مست و مدہوش تھا۔ اگر وہ عقل و انصاف سے کام لیتا تو اپنے سپاہیوں کو ملزم کرتا۔ مگر اس کا غصہ تیز ہوگیا۔ اور اپنی فوج پر حملہ اس نے اپنی توہین سمجھا۔ اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ افواج کڈاپہ کو فنا کر دو۔ کڈاپہ کی فوج کو شکست ہوگئی۔ لیکن اسی شکست میں

مظفر جنگ کا خاتمہ مخفی تھا

وہ اس فتح کے نشہ میں اور بھی سرشار ہوگیا۔ اور اپنی فوج سے الگ ہو کر ایک قلیل جماعت کے ساتھ جا رہا تھا۔ اور افغانوں کو پتہ چل گیا۔ اور ان کا وار کاری پڑا۔ انھوں نے

مظفر جنگ اور اسکے تمام ساتھیوں کو وہیں قتل کر ڈالا

اس طرح پر ابھی دو ماہ بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ مظفر جنگ ہلاک ہوگیا۔ آہ!

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را   چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

مولانا آزاد بلگرامی نے بھی مظفر جنگ کی موت کو نواب ناصر جنگ کی شہادت کا آسمانی انتقام کہتے ہوئے اوپر کا شعر لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ نواب ناصر جنگ کی شہادت میں حصہ لیا اور ان سے غدر کر کے ملت فروشی کی۔ وہ سب کے سب یکے بعد دیگرے بہت جلد ہلاک ہوگئے۔

ان واقعات اور حالات کو دیدۂ عبرت کھول کر پڑہو۔ کہ کس طرح سلطنتیں اندرونی غداریوں سے تباہ ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو قرآنِ کریم نے اتحادِ ملت کی جو تعلیم دی ہے۔ وہ جب کبھی ان کی نظروں سے عملاً دور ہوئی۔ انہوں نے ٹھوکر کھائی میں پھر دردمندِ دل سے کہتا ہوں کہ اگر یہ اندرونی غداریاں اور ریشہ دوانیاں اور عزیزوں سے ساز شیں نہ ہوتیں تو

دولت آصفیہ اور ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی

فرانسیسی اقتدار بڑھنے لگا مظفر جنگ کی وفات کے بعد پھر سربر آرائے حکومت کی تلاش ہوئی۔ مظفر جنگ کا بچہ تو بہت ہی چھوٹا تھا۔ اس کا انتخاب سخت مضر ہوتا۔ اور فرانسیسی یہ بھی جانتے تھے۔ کہ قدرتی طور پر ناصر جنگ کے بھائی اپنے آبائی تخت کیلئے جدوجہد کریں گے۔ اس لئے انہوں نے فوراً ہی ناصر جنگ شہید کے بھائی صلابت جنگ کی نوابی کا اعلان کر دیا۔ اور ان کی امارت کو تسلیم کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی اقتدار پہلے سے بھی زیادہ ہوگیا۔ اور یوں کہنا چاہیئے کہ دولت آصفیہ کا عزل و نصب گویا فرانسیسی ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اپنی تدبیروں میں شبانہ روز مصروف تھے۔

فیروز جنگ ثانی کی آمد اِسی اثنا میں جب دکن کے حالات کی رپورٹیں دہلی پہنچیں تو آصف جاہ اول کے فرزند اکبر غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ ثانی دکن کی صوبہ داری کا فرمان لے کر دکن کو روانہ ہوئے۔ اِن کی آمد کی خبریں جب مشہور ہوئیں تو صلابت جنگ کو اپنی امارت اور فرانسیسیوں کی سیادت کے جانے کا خطرہ ہوا۔ اور وہ آنے والے واقعات کے انسداد کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔ تجویز یہ کی گئی کہ اورنگ آباد ہی کے مقام پر اُسے رُوکا جائے اور مقابلہ کیا جائے۔

چنانچہ صلابت جنگ فرانسیسی کمانڈر کو ساتھ لیکر اورنگ آباد کی طرف چلدیا۔

اُدھر فیروز جنگ ثانی جانتا تھا کہ اس وقت مرہٹوں سے برسرِ پیکار ہونا ٹھیک نہیں اس لئے پیشوا سے ایک معاہدہ کر لیا۔ اور اس معاہدے کی رُو سے بھی فیروز جنگ ثانی پہنچے بھی نہ تھے۔ بالاجی راؤ نے اورنگ آباد پر چڑھائی کر دی۔ صلابت جنگ اور فرانسیسی کمانڈر نے پیشوا کا مقابلہ کیا۔ اور ۷ جولائی ۱۷۵۲ء سے لیکر آخر دسمبر ۱۷۵۲ء تک طرفین میں جھڑپیں ہوتی رہیں اور آخر صلح ہو گئی۔ اس موقع پر پھر

خانہ جنگی کا ایک اور کرشمہ ظاہر ہوا

نکتہ رس مُدبر جو ملّت کے عروج و اقبال اور اس کے زوال و ہزال کی تاریخ افرادِ ملت کے افعال اور نتائج میں پڑھتے ہیں، اس مصالحت میں غداری کے جراثیم کو دیکھتے ہیں۔

غازی الدین فیروز جنگ ثانی اورنگ آباد پہنچ گیا۔ مگر یہاں پہنچتے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت کی کچھ بھی تعبیر کی جائے۔ اس وقت کے مورخین کو بھی اس موت میں سازش اور زہر خورانی کے کیڑے نظر آتے ہیں۔

یہ سب خانہ جنگی کے تباہ کن نتائج ہیں اور دوسروں کے ہاتھ میں آلہ کار بن کر اپنی جڑوں کو کاٹنا ہے۔

فرانسیسیوں کے اقتدار کے نتائج

فرانسیسیوں کی مخالفت کے رنگ میں نئے فتنہ کا آغاز

کو سب محسوس کرتے تھے۔ مگر اب یہ بس کی بات نہ تھی صلابت جنگ کو اب کسی اندرونی یا بیرونی حملہ کا تو بظاہر خوف نہ تھا۔ مگر اس اقتدار کو بھی روح فرسا پاتا تھا گو زبان سے نہیں کہتا تھا۔ صلابت جنگ کا دیوانِ سلطنت سید لشکر خان تھا اس نے اس مصیبت کا سب سے بڑھکر احساس کیا۔ اور اس نے عزم کر لیا کہ اس بیرونی عنصر کو باہر نکال دے۔ بسی جو فرانسیسی فوج کا کمانڈر تھا۔ وہ بیمار ہو کر مسولی پٹم تبدیل

آب و ہوا سے لئے چلا گیا تھا لشکر خان نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ فرانسیسی افواج کی تنخواہ کا بقایا تھا اس نے یہ تجویز کی کہ فرانسیسی ہی مالیہ وصول کریں۔ اور اس میں سے اپنا حق لیکر بقایا خزانۂ سرکار میں داخل کریں ممکن ہے اس وقت کی سیاست میں یہ بہترین تجویز ہو۔ مگر آج تو اس پر بہت سخت نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ فرانسیسی اس پر راضی ہو گئے۔ اور انہوں نے تحصیل کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد سید لشکر خان نواب صلابت جنگ کو ہمراہ لے کر اورنگ آباد چلے گئے۔ اور تھوڑی سی فوج ساتھ لے گئے۔ باقی فرانسیسی فوج کو تنخواہ نہ دینے کی ہدایات دیدین بسے کو جب اس قسم کی اطلاعات پہنچیں تو باوجود بیمار ہونے کے فوراً حیدرآباد آیا۔ اور فوج لے کر اورنگ آباد پہنچا۔ لشکر خان نے اپنی تجویز کی ناکامی اور کمزوری کو محسوس کرلیا۔ اور اپنے انجام بد سے ڈر کر صلح کرلی اور دوسرے روز لشکر خان اور صلابت جنگ نے اپنے تنخواہ دار فرانسیسی کا استقبال کیا۔ اور اسے نذرانہ دینے کے علاوہ مصطفیٰ نگر، ایلور، راج منڈری اور چکاکولی کے علاقے فرانسیسی فوج کے خرچ کے لئے دیدیئے گئے۔ یہ علاقے شمالی سرکار کہلاتے تھے۔ اور ان کا مالیہ اکتیس لاکھ کے قریب تھا۔

انگریزی اقتدار کا آغاز

انگریز مدبر فرانسیسی قوم کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو مشکوک نظروں سے دیکھتے تھے اور وہ اس فکر میں تھے کہ موقعہ ملے تو ان کے اقتدار کو کم کر کے اپنا اثر پیدا کریں۔ اس وقت ساحل کارومنڈل پر چھ سو میل لمبا علاقہ فرانسیسی قبضہ میں تھا۔ اور دکن میں یہی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی۔

۱۷۵۶ء میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں بھی دونوں قومیں میدان جنگ میں

نکل آئیں۔

انگریزی فوج کے سردار کرنل فورڈ کو موقعہ مل گیا۔ اور اس نے شمالی سرکار پر حملہ کر کے فرانسیسیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ وہی علاقہ تھا جو نواب صلابت جنگ نے فرانسیسیوں کو دیا تھا۔ اب جب کہ یہ علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ نواب صلابت جنگ نے انگریزوں کو مسولی پٹم کی مشہور بندرگاہ اور اردگرد کا علاقہ دیکر شمالی سرکار کو بطاہر بچالیا۔

آج مسولی پٹم کے چلے جانے کا جو صدمہ اور احساس ہے اسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے۔ جو دولت آصفیہ کے ساتھ ارادت اور اخلاص رکھتا ہے۔

بہرحال اسی سلسلہ میں انگریزی اقتدار کا آغاز ہوا۔ اور فرانسیسیوں کو نکالنے کی کوششوں میں ایک نیا رنگ پیدا ہو گیا۔ اس وقت دولت آصفیہ کی وزارت کا قلمدان شاہ نواز خان صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ نواب شاہ نواز خان صاحب اپنے پیشرو وزیر اعظم یا مدارالمہام نواب سید لشکر خان کی طرح اسی پالیسی پر عمل پیرا تھا کہ اغیار کے اثر سے دولت آصفیہ کو پاک کیا جائے۔ یہ ۱۷۵۵ء میں نواب لشکر خان کی معزولی پر مقرر ہوئے۔ اور انہوں نے بھی فرانسیسیوں کے نکالنے کی اسکیم کو زیر نظر رکھا۔

نواب شاہ نواز خان نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک دفعہ جب کہ نواب صلابت جنگ اورنگ آباد میں تھے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ بسے کو فوج سمیت ملازمت سے علیحدہ کردیں۔ مگر وہ آٹھ سو فرنگیوں اور پانچہزار سپاہیوں کی جمعیت لیکر حیدرآباد پر حملہ آور ہو گیا اور ۵ جولائی کو چار مینار پر قبضہ کر کے قلب شہر میں بیٹھ گیا۔ جب پانڈی چری اس کی خبر پہنچی تو وہاں سے اس کی امداد کے لئے فوج بھیجدی گئی۔ اس فوج کے پہنچنے پر وہ

دوبارہ اپنے منصب پر فائز ہوگیا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا۔
کہ نواب شاہ نواز خان جیسے جلیل الشان اور خیر خواہ ملک مدار المہام کو معزول کرکے قید کرادے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ وہ ۱۷۵۵ء میں معزول ہوئے اور قید ہو کر دولت آباد کے قلعہ میں بھیج دیئے گئے۔
نواب صلابت جنگ کے خلاف اورنگ آباد میں ایک سازش کا پتہ نکالا گیا۔ اور اس میں فرانسیسی سپہ سالار کی خدمات کا اعتراف کیا گیا اور اس کا نتیجہ

ایک محسن الملک کی ہلاکت ہوئی

مگر نواب شاہ نواز خان کی معصومیت بھی رنگ لائے بغیر نہ رہی بسیے کو فرانسیسی گورنر جنرل ہند نے واپس بلالیا۔ اور اس کا قائمقام اتنا مدبر اور زمانہ ساز نہ تھا۔ وہ انگریزی فوج کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور آخر شکست کھائی۔ اور انگریزوں کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ ہوگیا جسنے دولت آصفیہ میں فرانسیسی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ اور انگریزی اقتدار کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اس معاہدہ کی بڑی شرط یہ تھی۔

آئندہ کسی فرانسیسی کو سرکار آصفیہ میں ملازمت نہیں دیجائیگی

ایک طرف یہ حالات درپیش تھے دوسری طرف نظام علیخان نے جو نواب صلابت جنگ بہادر کے چھوٹے بھائی تھے اورنگ آباد سے نکلکر حیدر آباد پر حملہ کر دیا۔
نظام علیخان کی یہ نقل و حرکت کسی غدارانہ پالیسی پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ وہ دیکھتا تھا کہ نواب صلابت جنگ نے جو راستہ اختیار کیا ہوا ہے وہ ایک دن دولت آصفیہ کو تباہ کردے گا۔ اس لئے انہوں نے اس کے سوا چارہ کار نہ دیکھا۔ چونکہ جنگ اور وہ بھی خانہ جنگی مقصود نہ تھی۔ اس لئے اس کشمکش کا خاتمہ ہو گیا۔
دولت آصفیہ پر ابتلا کی گھٹائیں | اس قسم کی اندرونی نزاعوں اور خانہ جنگیوں کو دیکھکر

دشمنوں نے بھی خوب موقعہ پایا۔ مرہٹے تو اس وقت کے منتظر ہی تھے۔ احمد نگر کا قلعہ دار پہلے ہی قلعہ ان کے حوالہ کر چکا تھا۔ ادھر یہ حالت تھی کہ صلابت جنگ اور نظام علیخان اس وقت جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ اور وہ یونہی ملک دشمن کے حوالہ بھی نہ کر سکتے تھے اس لئے دونوں بھائی فوج لیکر بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔

پیشوا کو جب ان کی نقل و حرکت کی خبریں معلوم ہوئیں تو وہ ایک کثیر فوج لیکر حملہ آور ہو گیا۔ اس موقعہ پر ابراہیم خان گردی جس نے نرمل میں اعلیٰ درجہ کی بندوقوں اور توپوں کا کارخانہ قائم کیا ہوا تھا! پیشوا سے مل گیا۔ اس موقعہ پر جنگ خطرناک تھی اس لیئے نظام علیخان نے چاہا کہ صلح کے ساتھ اس وقت کو ٹلا دیا جائے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ مجبوراً میدان میں اترے اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قوم فروش اور غدار ابراہیم خان کی فوج پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا کامیابی تو ہوئی مگر ایسی نہ تھی کہ مرہٹوں کے سیلاب کے لئے یہ سدباب ہو سکتی۔

نواب نظام علیخاں کی اصابت رائے اور تدبر نے پھر معاملہ کو صلح کی طرف لانا مناسب سمجھا۔ اور اس میں کامیابی ہو گئی۔ معاہدے کی رو سے دولت آباد اسیر گڈھ اور بیجاپور وغیرہ کے علاقے جن کا مالیہ ۶۲ لاکھ کے قریب تھا۔ مرہٹوں کو دیدئے گئے۔ مگر اس نے تباہ کن جنگ کے اثرات سے دولت آصفیہ کو بچا لیا۔ یہ زمانہ سلطنت آصفیہ کے لئے بہت بڑے ابتلا کا زمانہ تھا۔ اور ہر وقت زندگی اور موت کا سوال در پیش تھا۔ اسی اثنا میں ۱۷۶۱ء میں خدا تعالےٰ نے

ایک رحمت کا فرشتہ نازل کر دیا

یہ احمد شاہ ابدالی تھا جس نے ہندوستان پر حملہ کر کے پانی پت کے میدان پر مرہٹوں کو نہ صرف شکست دی۔

بلکہ ہمیشہ کیلئے اِن کی جنگی طاقت کا خاتمہ کر دیا

نظام علیخاں کی مساعیٔ جمیلہ | اس موقعہ سے فائدہ اٹھاکر نواب نظام علیخاں نے اپنے آبائی سلطنت کے کھوئے ہوئے حصّوں کو واپس لینے کا عزم کرلیا۔ چنانچہ اس نے مرہٹوں کے دارالحکومت پونا پر حملہ کر دیا۔ اور یہ حملہ ایسا خطرناک تھا کہ مرہٹوں کی جنگی قوم نے اپنی بے بسی کو محسوس کرکے صلح کا پیام دیا۔ سیاسی نقطۂ خیال سے نواب نظام علیخاں کی یہ ایک غلطی سمجھی جائے گی کہ اس موقعہ کی نزاکت سے انہوں نے پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ مگر مذہبی نقطۂ خیال سے نواب نظام علیخان نے ایک۔

سچے مسلم کا نمونہ دکھایا

اور الصّلح خیر کے اصل کو مقدم کر لیا۔ مگر شرائط صلح میں انہوں نے اپنے سارے کھوئے ہوئے۔ علاقہ کی واپسی کو پیش کیا لیکن آخر ۲۷ لاکھ کا علاقہ واپس لے کر صلح کرلی۔

نواب نظام علیخان کی کامیابی

اس وقت تک نواب نظام علیخاں دیکھ چکے تھے کہ حکومت کا انتظام صلابت جنگ کی کمزور طبیعت کے بس کا نہیں اور اگر ایک زبردست ہاتھ اس کو نہ سنبھالے گا تو خطرہ ہے کہ مرہٹوں اور بیرونی دشمنوں کی سازشیں دولت آصفیہ کو ختم کردیں۔ اس لیے نواب نظام علیخان نے اپنے آبائی تاج و تخت کی صیانت کے لئے اسی کو حقیقی وفاداری سمجھا کہ عنان حکومت براہ راست

اپنے ہاتھ میں لیں، کیونکہ اس وقت تک وہ آزادی کے ساتھ اندرونی و بیرونی دشمنوں کی تدابیر و مکائد کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ اور نیز دربار کی اندرونی سازشوں پر بھی کوئی موثر قوت نہ ہوگی۔

یہ حالات تھے جنہوں نے انہیں مجبور کردیا کہ وہ اپنے بھائی **نواب صلابت جنگ** کو معزول کردیں۔ اور خود **نظام حکومت** کی رہنمائی کریں، چنانچہ **معاہدہ پونا** کے بعد انہوں نے **صلابت جنگ** کو معزول کردیا۔ اور بیدر کے قلعہ میں بھیجدیا۔ اور آپ سریرآرائے **دولت آصفیہ** ہوئے۔ اور اب تک آپ ہی کی **اولاد آصفی کنگڈم** کی بادشاہ ہے۔

اس طرح پر **حقیقی معنوں میں دولتِ آصفیہ کا بانی**

میر نظام علیخان ہے (رحمتہ اللہ علیہ)

پانچواں باب

سلطنت آصفیہ کی تعمیر کا آغاز

جیسا کہ میں اُوپر لکھ آیا ہوں **دولت آصفیہ** کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اسی نکتہ پر آتا ہے کہ حقیقی معنوں میں **دولت آصفیہ** کی تعمیر کا آغاز **میر نظام علیخاں آصف جاہ ثانی** کے عہد میں ہوا۔

حکومت کی اہلیت اور حکمرانی کا دماغ اور قوت ایک ایسی نعمت ہے جو ہر اُس



نواب میر نظام علیخان بہادر آصف جاہ ثانی

شخص کو ملنا ضروری نہیں جو بادشاہ کے گھر میں پیدا ہو۔ یا بہ حیثیت ولیعہد ہی پیدا ہو۔ بلکہ یہ ایک خداداد نعمت ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے۔

حضرت میر نظام علیخاں صاحب جو آصف جاہ ثانی کے لقب سے ملقب ہوئے اور جنہوں نے دولت آصفیہ کی تعمیر میں حیرت انگیز حصّہ لیا حضرت آصف جاہ اوّل کے چوتھے صاحبزادے تھے جو ۱۷۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ ہجری تاریخوں کے لحاظ سے ان کی پیدائش کا سنہ یکم شوال ۱۱۴۶ھ بتایا جاتا ہے۔

ان کا نام نظام علیخاں رکھا گیا۔ لیکن بعض مورخوں کا خیال ہے کہ ان کا نام حفیظ الدّین خان تھا۔ جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے۔ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا وہ تاریخ میں نظام علیخاں کے نام سے مشہور ہیں۔

وہ فطرتاً بڑے بہادر، اولوالعزم، مدبّر اور دوراندیش تھے۔ اگر آصف جاہ اوّل کی وفات پر سلطنت آصفیہ خانہ جنگی کی مصیبتوں میں مبتلا نہ ہو جاتی اور شروع ہی سے حضرت میر نظام علیخاں اورنگ نشین ہوتے تو ان کی حکمرانی کا زمانہ نہایت شاندار ہوتا۔ اور سلطنت آصفیہ کی تاریخ کی صورت ہی دوسری ہوتی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت خانہ جنگی کا ابتلا آیا اور خطرناک طور پر آیا۔ مگر میر نظام علیخاں کی بہادری، جرأت اور اولوالعزمی نے سلطنت کو جانے سے بچا لیا۔ اندرونی فتنہ پردازی ہی کم نہ تھی۔ کہ بیرونی دشمنوں نے بھی موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھایا۔ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اسے فنا کر دینی چاہتی تھی۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں کی رقابت بھی اس حکومت پر موثر تھی۔ ابتداً فرانسیسیوں نے اپنا رسوخ بڑھایا۔ اور بالآخر انگریز دولت آصفیہ میں دخل پانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور اس طرح پر میر نظام علیخاں کے لئے صرف ہمّت اور جرأت سے ہی کام نہیں بنتا تھا، بلکہ یہاں ایک اولوالعزم دوراندیش مدبّر کی حیثیت سے بھی نمودار ہوتا تھا۔ اور جہاں تک ان کی قابلیت کا سوال ہے وہ اس خصوص میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے

نہ صرف سلطنت آصفیہ کو فنا ہونے سے بچا لیا بلکہ اُس کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس سلوک سے محفوظ رہی۔ جو ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ کے ساتھ ہوا!

میر نظام علیخاں کی مدبرانہ حیثیت | جیسا کہ میں نے شروع میں ہی لکھا ہے میر نظام علیخاں اپنے باپ کے چوتھے بیٹے ہونے کی وجہ سے تخت و تاج کے مالک نہ تھے۔ انہیں حکومت اپنی قابلیت اور لیاقت سے ملی۔ ان کی مدبرانہ شان کا ہر رنگ میں نمایاں مظاہرہ ہوا وہ ایک جری دل اپنے پہلو میں رکھتے تھے اور حقیقی معنوں میں شجاع تھے۔ وہ اسی وقت تخت نشین ہو گئے ہوتے جب انہوں نے نواب مظفر جنگ کے وقت پٹھانوں کے فتنہ کو فرو کیا۔ اور جس میں داد شجاعت دیتے ہوئے وہ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اراکین دربار انہیں اس قابل سمجھتے تھے۔ لیکن نواب شیر جنگ، منیر الملک کے دادا نے اسے مصلحت اور رواج کے خلاف سمجھا۔ اور نواب صلابت جنگ کو مسند نشین کر دیا۔ نواب صلابت جنگ کے عہد کی حالت، اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں کا ذکر میں چوتھے باب میں کر آیا ہوں۔ ایسے نازک ماحول میں میر نظام علیخاں کی فراست اور سیاسی تدبر کی آزمائش ہو رہی تھی اور یہ انکی قابلیت اور معاملہ فہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ

سلطنت آصفیہ کو فنا ہونے سے بچا سکے

مرہٹے اور میر نظام علیخان | میر نظام علیخان نے بیرونی دشمنوں سے مرہٹوں کو دیکھا کہ وہ دولت آصفیہ کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان میں بھی کچھ خانگی نزاعات تھیں۔ مدبر اعظم میر نظام علیخاں نے اِن اندرونی نزاعوں سے فائدہ اٹھایا اور یہ فائدہ ایسے رنگ میں نہیں اٹھانا چاہا جو سیاسی اخلاق سے ہمیشہ درست اور صحیح یقین کیا جاتا۔ مگر ایک مخلص مسلمان کی عام اخلاقی شان سے شاید مناسب نہ ہوتا۔

میر نظام علیخاں نے اس موقعہ کو ایک جنگی جرنیل کی حیثیت سے جارحانہ حملے کے لئے موزوں سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑی فوج لے کر پونا پر حملہ کردیا۔ مرہٹہ فوج رگھوناتھ راؤ ملکرا اور گائیکواڑ کی سرکردگی میں مقابلہ کے لئے آئی۔ مگر ناکام رہی۔

اس موقعہ پر میر نظام علیخاں نے اپنی صائب تدبیری سے کام لیا۔ اور مارنے کی بجائے بھگانے کو غنیمت سمجھا۔ پچاس ہزار کا ملک اور دولت آباد کا قلعہ لے کر اس جنگ کو ختم کردیا۔ مگر اس کے بعد رگھوناتھ راؤ نے موقعہ پاکر پھر جنگ کی ٹھان لی۔ اس وقت بھی یہ اتحاد ثلاثہ آصفی دولت کو مٹانے پر تلا ہوا تھا اس نے بالآخر میر نظام علیخاں کے ایک ملازم بھونسلہ جی کو ۳۲ لاکھ مالیہ کا علاقہ دینے کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملالیا۔ اس موقعہ پر میر نظام علیخاں گوداوری سے گذر رہے تھے۔ وہ خود تو دریا سے پار ہو چکے تھے مگر بقیہ فوج راجہ پرتاب ونت وزیر اعظم کے ساتھ دوسرے کنارے پر تھی۔ بھونسلہ جی غدار نے اس وقت حملہ کردیا اور اس حملہ میں میر نظام علیخاں کا مشہور وزیر اور کمانڈر راجہ پرتاب ونت مارا گیا۔ میر نظام علیخاں نے انتظامی کوششوں میں کمی نہ کی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مواقع نازک ہو رہے ہے تو میر نظام علیخاں نے سمجھا کہ اب تہور اور شجاعت کے بدلہ تدبر اور حکمت کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ خود رگھوناتھ راؤ سے ملے۔ اور صورت حالات کو ایسے موثر اور دل نشین انداز میں پیش کیا کہ مرہٹہ سردار باوجود اپنی کامیابی کے صلح کرلینے ہی میں اپنی اور قومی عافیت کو محسوس کرنے لگا۔ اور وہ بالکل آمادہ ہوگیا کہ بہت بڑا علاقہ نظام علیخاں کے سپرد کردے۔ لیکن اس کے مشیروں نے اسے روکدیا تاہم میر نظام علیخاں کی ملاقات اور واقعات اور حالات کو پیش کرنے کے انداز و اسلوب نے اسے ایسا مجبور کردیا تھا کہ

آخر دس لاکھ کا علاقہ دیکر ۱۷۶۲ء میں اس نے صلح کرلی

یہ تھا میر نظام علیخاں کا تدبر اور معاملہ فہمی۔

شاہان دہلی کی رخنہ اندازیاں شاہان دہلی کی حالت تو دن بدن نازک ہوتی جارہی تھی اور وہ محض شاہان شطرنج تھے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں شاہی اقتدار بلکہ شاہ سازی کی مشین تھی وہ نہایت ناعاقبت اندیش اور شوریدہ سر دولت مغلیہ اسلامیہ کے نادان دوست تھے۔ وہ جو قدم اٹھاتے ایک نئی آفت پیدا کرنے کا محرک ہوتا۔ دکن کا علاقہ اب تک خاندان آصفیہ سے متعلق تھا۔ اور اس خاندان کے جلیل القدر حکمرانوں نے قیمتی قربانیوں سے اسے سنبھالے رکھا تھا۔ اور کبھی اس علاقہ کی حفاظت اور صیانت کے لیئے دہلی سے کسی قسم کی مدد نہ ملی۔ حضرت نظام الملک آصف جاہ اول کی وفاداری اور اخلاص سلطنت کی تاریخ میں لازوال اور عدیم المثال ہے کہ باوجودیکہ اس علاقہ کو خود انہوں نے بچایا تھا۔ اور وہ جب چاہتے اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے بادشاہ بن جاتے مگر نہیں۔ انہوں نے دولت تیموریہ سے اُسے وابستہ رکھنا ضروری سمجھا۔ اور اپنے لئے اسی کو باعث فخر یقین کیا کہ

آپ شاہان دہلی کے وائسرائے ہیں

یہی نہیں نادر شاہ نے آصف جاہ اول کی قابلیت کو دیکھ کر شہنشاہ ہند بنانا چاہا اور دہلی کا تخت و تاج پیش کیا۔ مگر حضرت آصف جاہ کے اخلاص اور وفاداری کو دیکھو کہ وہ اتنی بڑی ترغیب سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور دہلی کے تاجدار ہی کو شہنشاہ ہند بنائے رکھا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ ہمیشہ اپنے عمل سے اس اخلاص کا ثبوت دیا۔ اور مرتے وقت اسی اخلاص پر اس وصیت پر مہر کردی

کہ میرا جانشین

ہر حال میں بادشاہ دہلی کا وفادار رہے

لیکن اب دہلی کے تخت پر شاہجہاں اور عالمگیر نہ تھے تخت و تاج اب ایسے ہاتھوں میں تھا جو اس کی قدر و قیمت نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اس سے کھیلتے اور ہنسی کرتے تھے۔

بہرحال دہلی دربار نے اپنی حماقت اور عاقبت نااندیشی کا اس وقت مظاہرہ کیا جب اس نے ۱۷۶۵ء میں شمالی سرکار کا علاقہ انگریزوں کو دیدیا۔ اور ایک فرمان دیکر انہیں دکن بھیجدیا۔ اور اس طرح پر دکن کا ایک قیمتی حصہ دولت آصفیہ کے قبضہ سے نکل گیا۔ اور انگریزوں کا ہاتھ مضبوط ہو گیا۔

انگریزوں سے مقابلہ میر نظام علیخان کو مرہٹوں کی شورشوں اور ریشہ دوانیوں سے ہی فرصت نہ تھی۔ کہ یہ دوسرا مرحلہ پیش آیا۔ انہوں نے ہرچند کوشش کی کہ اپنی آبائی سلطنت کی اس حصہ کو واپس لیں مگر انگریزی فوج کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی۔ ۱۷۶۶ء میں پھر ایک بڑے پیمانہ پر انہوں نے حملہ کی تیاری شروع کی جسے دیکھ کر انگریز بھی گھبرا گئے۔ اور حکومت مدراس کی طرف سے ایک وفد صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا گیا۔ اور اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲ ر نومبر ۱۷۶۶ء کو حکومت انگریزی (جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے موسوم تھی) اور دولت آصفیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا۔ چونکہ یہ معاہدہ دولت آصفیہ اور سلطنت انگریزی کے تعلقات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اسکی اہم دفعات کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے۔

دولتِ آصفیہ سے انگریزوں کا پہلا معاہدہ

کمپنی اور نظام کا معاہدہ ۱۷۶۶ء

اس عہدنامہ میں یہ شرائط تھیں۔ اور ان کے علاوہ کچھ رقعہ جات ہیں۔ جو اعلیحضرت میر نظام علیخان بہادر اور انگریزی افسروں کے ہیں۔ عہدنامہ کے فریق ثانی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جان کالیسرو صاحب بریگیڈیر جنرل تھے۔ اس عہدنامہ کی اہم دفعات حسب ذیل ہیں۔

دفعہ اوّل:۔ فریقین وعدہ کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی اعانت کریں گے۔ اور ایک فریق کے دوست یا دشمن کو دوسرا اپنا دوست یا دشمن تقیین کریگا۔

دفعہ دوم:۔ اعلیٰحضرت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایلور۔ سکاکول۔ راجہ مندری مصطفیٰ نگر۔ اور مرتضیٰ نگر کے علاقے عطا کر کے جو احسانِ عظیم کیا ہے اس کے معاوضہ میں کمپنی وعدہ کرتی ہے۔ کہ وہ اعلیحضرت کو ہر جائز اور صحیح ضرورت کے وقت امداد دینے کیلئے ایک فوج تیار رکھے گی۔

دفعہ سوم:۔ کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ جب اعلیحضرت کو فوجی امداد کی ضرورت نہ ہوگی تو وہ راجہ مندری۔ ایلور اور مصطفیٰ نگر کے عطیہ کے معاوضہ میں سالانہ پانچ لاکھ کی رقم ادا کرتی رہے گی۔

سکاکول اور مرتضیٰ نگر کے علاقہ جب اس کے قبضہ میں چلے جائیں گے تو ان کے لئے بھی دو لاکھ سالانہ کی رقم ادا کرتی جائیگی۔ (مرتضیٰ نگر کا علاقہ اس وقت بسالت جنگ بہادر کی جاگیر میں تھا)

دفعہ ششم:۔ کمپنی کی موعودہ امدادی فوج کا خرچ اس طرح ادا کیا جائیگا۔ اگر مطلوبہ

فوج کا خرچ پانچ لاکھ سے کم ہوگا تو کمپنی بقیہ رقم اعلیٰحضرت کو ادا کریگی۔ اور اگر خرچ زیادہ ہوگا تو کمپنی نواب صاحب کو حساب سمجھا کر اپنے ذمہ لیگی۔ سکاکول اور مرتضیٰ نگر کے قبضہ میں آجانے کے بعد ان کے متعلق واجب الادا رقموں پر بھی محولہ بالا انتظام حاوی ہوگا۔ نواب صاحب ازراہ عنایت سکاکول اور مرتضیٰ نگر کا بقایا معاف فرماتے ہیں۔

دفعہ یازدہم:۔ ہیرے کی کانیں اور ان کے متعلقہ دیہات اب تک اعلیٰحضرت حضور نظام سے متعلق رہے ہیں۔ کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ وہ اب بھی وہ اعلیٰحضرت ہی سے متعلق رہینگے۔

دفعہ چہاردہم:۔ فریقین شرائط مندرجہ بالا پر قائم رہیں گے۔ مرقومہ ۹ اجمادی الثانی ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۲ر نومبر ۱۷۶۶ء۔ مقام حیدرآباد۔

دولت آصفیہ کی پوزیشن اس معاہدہ کی دفعہ اول کے پڑھنے ہی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ دولت آصفیہ کی پوزیشن برابر کی ہے۔ لارڈ ریڈنگ* اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان (خلد اللہ ملکہٗ) کی چٹھی پر چراغ پا ہوئے تھے۔ حالات کے تبدیل ہوجانے سے الفاظ کے معنی بگاڑ لئے جائیں تو یہ جدا امر ہے لیکن اسی حقیقت کو کوئی صاحب عقل سلیم نظر انداز نہیں کرسکتا کہ معاہدہ اول کے وقت فریقین مساوی حیثیت میں کھڑے تھے۔

عہدنامے توڑنے ہی کے لئے ہوتے ہیں الگزینڈر سیکنڈ امپرر آف رشیا نے کہا تھا کہ عہدنامے توڑنے ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ اور گذشتہ حرب عمومی میں عہدناموں کو پرزۂ کاغذ سے تعبیر کیا گیا۔

شاید یورپ کا فلسفہ اخلاق ہو لیکن اسلام جس فلسفہ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اس میں معاہدات کی رعایت کو بہت بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اور مومن کے لئے معاہدات کی رعایت رکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے کمپنی بہادر نے اس پہلے ہی معاہدے کی کہاں تک رعایت کی یہ

* افسوس اس کتاب کی اشاعت کے وقت لارڈ ریڈنگ فوت ہوگئے (عرفانی)

ایک دردناک کہانی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ معاہدات کی تاریخ ہند میں نہایت قابل افسوس ہے۔

کمپنی نے اس پہلے معاہدہ کی پوری پابندی نہ کی۔ اولاً خراج کی مقررہ رقم کئی سال تک ادا نہ کی۔ اور دوسرے جب ۱۷۶۸ء میں میر نظام علیخاں نے انگریزوں سے معاہدہ کے موافق ٹیپو سلطان کے مقابلہ کے لئے مدد مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا۔

دوسرا معاہدہ اور دوسری بدعہدی ۲۲ فروری ۱۷۶۸ء کو دوسرا معاہدہ ہوا جس کی رو سے کمپنی نے نظام کو سات لاکھ سالانہ کا خراج دینا منظور کیا۔ اور اس کے بدلے میں کمپنی کو بالاگھاٹ کرناٹک کی تسخیر میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ ۱۷۶۵ء سے لیکر چھ سال تک مزید دو لاکھ کی رقم کمپنی نے منظور کی کہ نظام اسے شمالی سرکار کے قبضہ میں مدد دیں۔

مرتضیٰ نگر یا گنٹور کے قبضہ کے بعد کمپنی پر چار لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم واجب الادا قرار دی گئی ساتھ ہی یہ بھی طے پایا تھا کہ اگر چھ سال کی رقومات کے خاتمہ پر کمپنی کے تصرف میں کوئی خلل پیدا نہ کیا گیا۔ تو وہ مزید سات لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم ادا کرتی رہیگی (تاریخ برگس جلد اوّل صفحہ ۱۷)

کمپنی کی دوسری بدعہدی ۱۷۶۸ء سے لیکر ۱۷۷۴ء تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ مرہٹوں کے ساتھ نظام کی ایک مختصر سی جھڑپ ہوئی جس کے بعد بارہ لاکھ کا علاقہ سرکار نظام کو مرہٹوں کے حوالہ کرنا پڑا مگر جب مرہٹہ سردار نے میر نظام علیخان سے ملاقات کی تو یہ علاقہ واپس کر دیا۔

۱۷۷۴ء میں انگریزوں نے شکایت کی کہ بسالت جنگ گنٹور میں فوج جمع کر رہا ہے جب اعلیحضرت میر نظام علیخان آصف جاہ کے پاس شکایت پہنچی تو جواب ملا کہ دولت آصفیہ ۱۷۶۶ء کے عہد نامہ کی پابندی کا عزم کر چکی ہے اور اس سے قطعاً انحراف

نہ کریگی۔ اور اس کے ساتھ ہی بسالت جنگ بہادر کے پاس ایک آدمی بھیجدیا گیا کہ وہ اپنے معاندانہ ارادوں سے باز آئے۔ ۱۷۷۹ء میں نواب حیدر علیخاں والی میسور کی طرف سے انگریزوں کو اضطراب پیدا ہوگیا اور انہوں نے میر نظام علیخاں صاحب سے استصواب کئے بغیر بالا بالا بسالت جنگ بہادر سے ایک عہدنامہ کرلیا جس کی رو سے بسالت جنگ بہادر نے انگریزوں کو گنٹور میں فوج رکھنے کی اجازت دیدی۔ یہ معاہدہ کی ہلکی ہلکی خلاف ورزی تھی۔ جس کو میر نظام علیخاں بہادر کسی حالت میں بھی برداشت نہ کرسکتے تھے۔

واقعات صاف اور ظاہر ہیں۔ اس سے اس پالیسی کا پتہ چلتا ہے جو اندر ہی اندر کام کررہی تھی اور مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ وہ صرف ظاہری حالات پر نظر کرتے اور دور اندیشی سے کام نہ لیتے تھے۔

بسالت جنگ بہادر اگر اس کے عواقب اور نتائج پر نظر کرتے تو وہ میر نظام علیخاں بہادر کی مرضی کے خلاف یا ان کے علم کے بغیر قدم نہ اٹھاتے۔ لیکن ایک جاری شدہ تقدیر کا کون مقابلہ کرسکتا تھا۔

بسالت جنگ سے معاہدہ کرنے کے بعد انگریزوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ طریق عمل درست نہیں اس لئے انہوں نے مدراس سے ہالینڈ کو حیدرآباد بھیجا کہ میر نظام علیخاں صاحب سے بھی اس معاہدے پر دستخط کرائے جائیں۔ میر نظام علیخاں نے نہایت دلیری اور شاہانہ جرأت سے جواب دیا کہ

میرے بھائی کے ساتھ معاہدہ کرنے میں جو میری رعیت ہے انگریزوں نے ۱۷۶۸ء کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور انگریز مذکورہ بالا معاہدے کے پابند رہنا چاہتے ہیں تو انہیں گنٹور سے فوجیں ہٹا لینی چاہئیں اگر اس خواہش کی تکمیل نہ کی گئی

تو میں جبراً انہیں نکال دینے پر مجبور ہونگا۔ (برگس جلد اول صفحہ ۷۲)۔
انگریزوں کی طرف سے صرف یہی نہیں چاہا گیا تھا کہ بسالت جنگ کے معاہدے کی توثیق کرالی جائے۔ بلکہ یہ بھی ریذیڈنٹ کے توسط سے چاہا گیا کہ اعلیحضرت کمپنی کو وہ سالانہ پیشکش معاف کردیں جو شمالی سرکار کے علاقے کے معاوضہ میں واجب الادا ہے۔ میر نظام علیخاں صاحب کو اس درخواست پر بھی غصہ آنا قدرتی امر تھا۔ اس لئے انہوں نے صاف کہدیا کہ

کمپنی شاید معاہدے کی پابندی نہیں کرنا چاہتی
لہٰذا
مجھے جنگ کے لئے تیار ہوجانا چاہیئے

خواہ اسے انگریزی پالیسی کا نتیجہ کہا جائے یا اعلیحضرت میر نظام علیخاں صاحب کی جرأت واستقلال اور رعب وشوکت کہ انگریزی سفیر نے جب واقعات کی رپورٹ اوپر کی تو انگریزی حکومت نے فوراً ایک گذارش اعلیحضرت کی خدمت میں پیش کی اور مدراس گورنمنٹ کی غیر ذمہ دارانہ روش پر اظہار افسوس کیا جس کی وجہ سے کمپنی کے دعاوی خلوص کو اعلیحضرت نظام کی نظروں میں مشتبہ ہونا پڑا۔ اور گنٹور کا ضلع فی الفور دولت آصفیہ کے حوالہ کردیا۔

میر نظام علیخاں کا جلالی اقدام | اعلیحضرت میر نظام علیخاں کے اندر شاہانہ اسپرٹ تھی۔ اور وہ اپنی قوت اور حوصلہ پر نازاں تھے۔ اسی اثنا میں ۱۷۸۲ء میں بسالت جنگ کا انتقال ہوگیا۔ اب ۱۷۶۸ء کے معاہدہ کے موافق انگریزوں نے گنٹور پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر نظام کے

کارندوں نے فی الفور قبضہ کرلیا۔ اور کمپنی کے کارندوں کو روک دیا۔ اس لئے کہ کمپنی کے ساتھ معاہدوں میں جو پیشکش ادا کرنے کا معاہدہ تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ بقایا چلا آتا تھا۔ اور عملاً گویا کمپنی معاہدہ کو توڑ چکی تھی۔

باہمی سمجھوتہ کی صورتیں واقعات صحیح تھے اور کمپنی پر معاہدہ کی عدم پابندی کا اعتراض معقول اور مسٹر جی گرانٹ ناقابل شکست تھا۔ اس لئے اس وقت کے رزیڈنیٹ نے یہ تجویز کی کہ گنٹور پر دولت آصفیہ کا قبضہ رہے۔ اور وہ اپنا قرضہ وصول کرتی رہے۔ جب قرضہ بیباق ہوجائے تو علاقہ کمپنی کو واپس کردیا جائے۔

گورنر مدراس (لارڈ میکانئی) نے ایک مکتوب خاص میں حضور نظام کو یقین دلایا کہ

واجبُ الادا رقم آئندہ باقاعدہ ادا ہوتی رہیگی

مگر یہ باتیں ہی تھیں۔ حکومت ہند مقامی رزیڈنٹ مسٹر گرانٹ کی اس قسم کی تجاویز سے اتفاق نہیں کرتی تھی وہ چاہتی تھی کہ مفت مل جائے۔ چنانچہ وہ زور دے رہی تھی کہ کوئی مؤثر کارروائی کیجائے۔

مگر مقامی رزیڈنٹ مسٹر گرانٹ حالات کو بہتر سمجھتا تھا۔ کاش اس وقت کوئی مؤثر کارروائی ہوجاتی اور دولت آصفیہ ہمیشہ کے لئے ایک بلند مقام پر کھڑی ہوجاتی آخر مسٹر گرانٹ تو اپنے ضمیر کو بچانے کے لئے مستعفی ہوگئے۔ اور مسٹر جانسن مقرر ہوئے۔

اعلیحضرت میر نظام علیخاں اپنی فراست اور دوربینی سے حالات کا مشاہدہ کررہے تھے وہ آج اور کل میں نمایاں فرق دیکھتے تھے اس لئے انہوں نے مسٹر جانسن رزیڈنٹ کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ کمپنی ایک کروڑ نقد دے کر شمالی سرکار اور کرناٹک کے علاقے واپس کردے۔ رزیڈنٹ اس تجویز سے متفق تھا۔ مگر کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے یہ سوال آیا تو انہوں نے رزیڈنٹ کی مخالفت اور مذمت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ اسے ۱۷۸۵ء میں اپنے عہدہ سے علیحدہ ہونا پڑا۔

ان ایام کی خط وکتابت اور تاریخ کو واقعات کی روشنی میں پڑھنے سے اعلیٰحضرت میر نظام علیخاں کے تدبر دوربینی، استقلال، اور قوت وجلال کا پتہ ملتا ہے۔ یہ سلسلہ ۱۷۸۸ء تک چلا گیا۔ اور کاغذی بحث کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ہند تھے۔ انہوں نے کپتانی جان کناڈے کو جنکو دولت آصفیہ نے دلاور جنگ کا خطاب دیا تھا۔ ۱۷۸۸ء میں رزیڈنٹ بنا کر بھیجا۔ اور کہا گیا کہ بقایا کا جلد تصفیہ کر دیا جائے۔ اور گنٹور کا علاقہ لے لیا جائے۔

میر عالم کی سفارت معاملات کی نوعیت چونکہ بگڑ رہی تھی اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ دولت آصفیہ کا سفیر خود کلکتہ جا کر گورنر جنرل سے تصفیہ کرے۔ اس خدمت کے لئے میر ابوالقاسم جو دولت آصفیہ کی تاریخ میں میر عالم کے نام سے مشہور ہیں۔ تجویز ہوئے۔ اور وہ کلکتہ گئے۔ اور حساب فہمی کے بعد یہ فیصلہ کر آئے کہ انگریز نو لاکھ سولہ ہزار چھ سو پینسٹھ روپے حضور نظام کو ادا کر دیں اور گنٹور کا علاقہ واپس دیدیا جائے۔ یہ وہ خدمت تھی جس نے میر عالم کو انگریزوں کی نظروں میں معزز بنایا۔ اور انگریز ہمیشہ میر عالم اور اس کے خاندان کے حامی رہے۔

کاش میر عالم اس سفارت پر نہ گئے ہوتے۔ اور یا وہ اپنے بادشاہ کے حوصلہ اور عزم کے تاثرات سے کام کرتے۔ بہرحال وہ دولت آصفیہ کے سفیر تھے۔ اور تاج آصفی ان کے فیصلہ کا پابند تھا۔ اس لیے یہ فیصلہ تو ہو گیا۔ مگر اس فیصلہ نے

دولت آصفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا

کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی خدمت تھی جو میر عالم نے انگریزوں کی کی۔ اور انگریز میر عالم اور اس کے خاندان کے اسی کے صلہ میں پاسدار رہے۔

یہ موقعہ اس پر تنقید کا نہیں اس کے لئے "سلسلہ وزرائے دولت آصفیہ" میں ایک مخصوص حصہ ہے۔ غرض اس تصفیہ نے انگریزوں کے قدم کو مضبوط کر دیا۔

میر نظام علیخاں کے آخری سالوں کی مصروفیت | اس فیصلہ کے بعد ظاہر ہے انگریزوں کی پوزیشن مضبوط ہو گئی اور اس نے لڑائیوں کے ایک سلسلہ کو جاری کر دیا۔ چنانچہ ۱۷۸۹ء میں ٹیپو سلطان کے ساتھ انگریزوں نے جنگ چھیڑ لی۔ اور اس موقعہ پر دولت آصفیہ سے ایک معاہدہ کر کے اپنی طاقت کو اور بھی محفوظ اور مضبوط کر لیا۔ اگر دولت آصفیہ اس موقعہ پر دولت انگلشیہ کے ساتھ نہ ہوتی تو جنوبی ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ مگر مشیّت ایزدی کچھ اور مقدر کر چکی تھی۔ اعلیحضرت میر نظام علیخاں صاحب کے فرزند رشید ہونے والے آصف جاہ نواب سکندر جاہ دیوان دولت آصفیہ کے ساتھ مل کر اس جنگ میں شریک ہوئے اور انگریزوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں بڑی تقویت پہنچی۔ جنگ ختم ہونے پر ٹیپو سلطان سے جو علاقہ لیا گیا اس میں سے کچھ حصہ دولت آصفیہ کو بھی مل گیا۔ لیکن اب انگریزی حکومت اپنے ہاتھ پاؤں نکالنے لگی۔

کرنول کا علاقہ | کرنول دولت آصفیہ کے ماتحت تھا۔ لیکن حیدر علیخان نے اپنے عہد اقبال و ایام کامرانی میں اس پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ دولت آصفیہ کا باجگذار ہو گیا۔ ۱۷۹۲ء میں انگریزوں نے ٹیپو سلطان سے کرنول کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ اس کی واپسی کا حق اگر تھا تو دولت آصفیہ کو تھا۔

ٹیپو سلطان نے اسلامی غیرت اور حق پسندی سے کام لے کر آخر یہ تسلیم کیا کہ میں کرنول دولت آصفیہ کو واپس کر دیتا ہوں۔ اسی سے یہ لیا ہوا تھا۔ اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ بہرحال اسلامی سلطنت کے قبضہ میں جاوے اور وہ فائدہ اٹھاوے۔

ادھر میر نظام علیخاں کو بھی اپنے آبائی علاقہ کے لینے پر اصرار تھا۔ لیکن لارڈ کارنوالس مخالفت کر رہا تھا۔ مگر اعلیحضرت نظام نے اپنی دانائی سے پہلے رن مست خاں کو نواب بنایا۔ پھر اس کے چھوٹے بھائی کو مسند نشین کر دیا۔ یہ نظام علیخاں بہادر ہوا کا رخ پہچانتے تھے۔ مگر اس قسم کی سیاسی پیچیدگیوں نے مطلع کو جنگ آلودہ کر دیا۔

مرہٹوں سے مقابلہ | اور اسی اثنا میں مرہٹوں سے جنگ چھڑ گئی۔ یہ ۱۷۹۵ء کے واقعات ہیں۔ خدا کی قدرت کہ اسی جنگ میں جو دولت راؤ سندھیا سے ہوئی۔ آصفی فوج کو شکست ہوئی۔ اور میر نظام علیخاں کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ مرہٹوں کے سخت محاصرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی من مانی شرائط پر صلح کرنی پڑی اور دولت آباد کا قلعہ معہ متعلقات ۲۵ لاکھ سالانہ کی آمدنی کا علاقہ دینا پڑا۔ تین کروڑ تاوان جنگ منظور کیا اور ارسطو جاہ وزیر اعظم کو یرغمال میں دیا گیا اور اس طرح پر اس محاصرہ سے نجات پا کر آپ حیدرآباد آئے۔

انگریزی امداد کا انکار | اس جنگ کی روانگی کے وقت میر نظام علیخاں نے برطانوی رزیڈنٹ سے خواہش کی تھی کہ وہ امدادی فوج روانہ کرے۔ مگر رزیڈنٹ نے باوجودیکہ معاہدات کی رُو سے وہ امدادی فوج دینے کا پابند تھا انکار کر دیا۔

میر نظام علیخاں بہادر نے حیدرآباد واپس آکر حکم دیا کہ جب انگریزی فوج موقعہ پر کام نہیں آتی تو اس کے حیدرآباد میں رکھنے کا کیا فائدہ۔ اسے ہٹا لیا جائے۔ چنانچہ

شاہی فرمان کی تعمیل ہوئی

عزم شاہانہ | واقعات کی بے پناہ رو اس زور سے خلاف ہو رہی تھی کہ اگر میر نظام علیخاں کے بجائے کوئی اور شخص ہوتا تو وہ اس مقابلہ میں کھڑا نہ رہ سکتا۔ مگر عزم و استقلال کا یہ پیکر اپنی جگہ سے نہ ہٹا۔ اور اس کو یہ بے حد خیال تھا کہ مرہٹوں سے اس شکست کا انتقام لیا جائے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی دولت کو واپس لیا جائے میر نظام علیخاں بہادر نے

اپنے پروگرام ترتیب افواج کو تبدیل کر لیا۔ اور کوشش کی کہ نئی افواج کو فرانسیسی جرنیلوں کے زیر تربیت تیار کیا جائے چنانچہ موسیو ریماں کی خدمات اس سلسلہ میں نمایاں ہیں۔ گورنر جنرل ہند نے جب حالات کا رُخ بدلتے دیکھا تو دولت آصفیہ پر دباؤ ڈالنا چاہا کہ وہ فرانسیسی افسروں کو علیحدہ کر دے۔

مصیبت تنہا نہیں آتی میر نظام علیخان بہادر کے لئے یہ ایام سخت ابتلا کے تھے ایک طرف مرہٹوں سے شکست کھائی تھی۔ انگریزی امدادی افواج نے مدد سے انکار کیا۔ اور جب جدید فوج کی ترتیب شروع کی تو اس کی مخالفت ہونے لگی۔ یہ مشکلات در پیش تھیں کہ بعض دشمنان ملک و ملت کے منصوبوں نے ایک نئی آفت پیدا کر دی۔ اور وہ گھر کی ہی بغاوت تھی یہ بغاوت خود میر نظام علیخان بہادر کے صاحبزادہ اکبر عالیجاہ نے کی۔ اس بغاوت کے اسباب پر بحث کرنے والوں نے بہت کچھ نکتہ آفرینیاں کی ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خطرناک سازش تھی۔ اس کی تہ میں کوئی بھی ہو وہ

دولت آصفیہ کا خطرناک دشمن تھا

اس موقعہ پر میر نظام علیخان بہادر انگریزی افواج کی امداد کے لئے مجبور ہوئے گو موسیو ریمان نے قبل اس کے کہ انگریزی افواج پہنچیں بغاوت کو فرو کر دیا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگریزی افواج کی واپسی کے لئے عالیجاہ کو آلہ کار بنایا گیا تھا۔ عالیجاہ نے اپنے آپ کو میر عالم کے حوالہ کر دیا۔ اس کی شرافت اور نجابت نے اجازت نہ دی کہ بغاوت کے بعد جلیل القدر باپ کے سامنے ہو اسلئے زہر کھا کر جان دیدی۔

عہد اختلاط کا آغاز ان واقعات کے مقابلہ میں میر نظام علیخاں بہادر کی ہمت و جرأت ہمیشہ تاریخ میں قابل احترام رہیگی۔ اور دولت آصفیہ کے تین نمک خواروں نے

حق نمک کا غیر مناسب استعمال کیا تاریخی مبصر اس پر افسوس کرتے رہیں گے۔

واقعات کی اس رفتار نے انگریزی ہاتھ کو بہت مضبوط کر دیا تھا۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کمپنی نے لارڈ ولزلی جیسے انسان کو ہندوستان کا گورنر بنا کر ۱۷۹۸ء میں بھیجدیا۔ جس کی زندگی کا مقصد انگریزی اقتدار اور تسلط کی وسعت تھی۔ اور اس مقصد کے لئے وہ ہر روک کو دور کرنے کے لئے ہر طریق کو صحیح سمجھتا تھا۔ اس نے ہندوستان کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لئے باقاعدہ امدادی فوجوں کا سلسلہ شروع کیا اور اس کا آغاز حیدرآباد سے ہوا۔ وہ دن دولت آصفیہ کی تاریخ میں ایک منحوس دن سمجھا جائیگا۔ میلکم حیدرآباد میں اسسٹنٹ رزیڈنٹ بن کر پہنچا۔ اور یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو ایک معاہدہ ہوگیا۔ جس کی رو سے امدادی فوج تگنی کر دی گئی اور اس کے خرچ کے سلسلہ میں سرکار آصفیہ پر چوبیس لاکھ سترہ ہزار کا سالانہ بار پڑ گیا۔

فوج میسرم بیگم پیٹھ | موسیو ریمان کا اس معاہدے سے پہلے انتقال ہوگیا تھا اس کی قبر اب تک بیگم پیٹھ میں موجود ہے۔ اور آج بھی اس کی قبر کو دیکھ کر یہ اقرار ہوتا ہے کہ دولت آصفیہ کا ایک وفادار اور بہادر سپاہی تھا اور اس نے حیدرآباد کی ریاست کو عالیجاہ کی بغاوت کے وقت بچا کر دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ حیدرآباد کی بے قاعدہ فوج جو میسرم کے نام سے پکاری جاتی ہے یہ حقیقتہً موسیو ریمان کی ہی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

حیدرآباد کی امدادی افواج کا کام | ۱۷۹۹ء میں حیدرآباد کی اس امدادی فوج سے سلطان میسور کے مقابلہ کا کام لیا گیا۔ اور اسی جنگ میں شیر میسور سلطان ٹیپو شہید ہوگیا اور میسور کی ریاست سابق راجاؤں کے حوالہ کر دی گئی۔ اور باقی علاقہ کو انگریزوں نے نظام کے ساتھ بانٹ لیا۔ یہ تقسیم کیسی ہوئی؟ اس بحث کی ضرورت نہیں۔ اس طرح پر اس امدادی فوج کو ایک اسلامی سلطنت کے برباد کرنے کے

کام میں لایا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میر نظام علیخاں اس وقت مجبور تھے ورنہ وہ ایک اسلامی سلطنت اس طرح پر مٹنے نہ دیتے۔ انگریزوں نے امدادی فوج کی اسکیم کو بہت مفید پایا اس لئے اس جنگ سے فارغ ہوتے ہی ۱۸۰۰ئہ میں ایک اور معاہدہ کرکے دو بٹالین کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ جو علاقہ دولت آصفیہ کو میسور اور سرنگاپٹم کے معاہدات کے بعد ملا تھا وہ اس امدادی فوج کے اخراجات کے لئے انگریزوں ہی کے حوالہ کر دیا گیا اور اسی کو تعلقات کی درستی کے لئے دلیل بنایا گیا۔ اس طرح پر کہ دولت آصفیہ کے ذمہ بقایا نہ رہیگا۔ اور حکومت انگریزی کو مطالبہ نہ کرنا پڑیگا۔ دوستانہ تعلقات اچھے رہیں گے۔

انگریزی سیاست کی اس موقعہ پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اور مسلمان بادشاہ کی مجبوری پر دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔ بے شک اس معاملہ کی یہ بہترین تاویل ہوسکتی ہے۔ لیکن ساری دنیا اندھی نہیں۔ اور ایسے لوگ ہر زمانہ میں موجود ہیں جو واقعات کو دیانت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں بلا خوف تردید یہ کہا جائیگا کہ یہ صرف اس علاقہ کو لینے کے لئے ایک تدبیر اور حیلۂ سیاسی تھا۔

تجارتی معاہدہ اور میر نظام علیخان کی وفات | میر نظام علیخان بہادر ان حالات کو دیکھتے تھے۔ پیرانہ سالی تو ان کی راہ میں روک نہ تھی۔ مگر وہ ملک کی اندرونی حالت پر نظر کرتے تھے اپنے ارباب حل و عقد کے اخلاص و وفاداری کو دور اندیشی سے پرکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ انگریزی اقتدار بڑھ رہا ہے۔ اور انگریزی سیاست نے دولت آصفیہ کے اندر اپنے مخصوص دوست بھی پیدا کر لئے ہیں۔ انگریزوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۰۲ئہ میں ایک تجارتی معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے فریقین کا مال و اسباب تجارت پانچ فیصدی محصول پر ایک دوسرے کے ملک میں آنے جانے لگا۔ اس معاہدہ نے دولت آصفیہ کی

آمدنی پر جو اثر ڈالا ہے وہ ظاہر ہے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ دولت آصفیہ کا یہ جلیل القدر سلطان اور معمار اس دنیا سے رخصت ہو۔ آپ کی وفات ۱۷ ربیع الاول ۱۲۱۸ھ مطابق ۷ اگست ۱۸۰۲ء کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال چھ ماہ اور سترہ یوم کی تھی۔ ۴۵ برس تک حکومت کی۔

عام اخلاق | میر نظام علیخاں ایک بلند ہمت اور شیر دل اور مستقل مزاج سپاہی تھا۔ وہ ایک دوراندیش، معاملہ فہم مدبر تھا۔ نہایت نیک نیت اور دین دار مسلمان تھا۔ اسلامی غیرت اور شجاعت کا ایک پیکر تھا۔

ان کی سترہ اولادیں تھیں جن میں سات صاحبزادے اور دس صاحبزادیاں تھیں۔ نواب اکبر علیخان بہادر دوسرے صاحبزادے سکندر جاہ کے لقب سے آصف جاہ ثالث ہوئے۔ آپ کے عہد میں ہی پہلی مرتبہ خاندان پائیگاہ سے رشتہ مناکحت جاری ہوا۔ چنانچہ آپ کی صاحبزادی بشیر النساء بیگم صاحبہ پہلی شاہزادی تھیں جو خاندانِ پائیگاہ ہی میں بیاہی گئیں۔

نواب میر نظام علیخان صاحب کو عمارتوں کے بنوانے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ ان کے زمانہ میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ پنج محلہ انہوں نے ہی تعمیر کرایا۔ یہ بھی آپ کی خصوصیات میں داخل تھا کہ بعض عمارات جو آپ کے بعض خاص خدام کے زیرِ انتظام تعمیر ہوئیں ان کے نام بھی ان کے نام پر رکھدیئے۔ مثلاً غنی محل آپ کے ایک خانساماں غنی یار خاں کے زیرِ اہتمام تعمیر ہوا تھا۔ اس لئے ان کے نام پر اس کا نام غنی محل رکھدیا گیا۔ ایسا ہی نوازش محل کہ اس کے مہتمم نوازش علیخان تھے۔ آپ کی بیگمات نے بھی بعض عمارتیں تیار کرائیں۔ غرض عمارتوں کا شوق بہت تھا۔

اب ہم عہد آصفیہ کی تاریخ کے اس حصہ میں آرہے ہیں جہاں انگریزی اقتدار

بڑھتا چلا گیا۔ اور وہ حکومت جو ایک حلیف کا مقام رکھتی تھی۔ اور عہد ناموں کی رو سے وہ اب بھی حلیف ہے۔ اور خود اعلیحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ کا خطاب یارِ وفادار اس پر پوری روشنی ڈالتا ہے۔ مگر با این اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار کو بڑھا لیا۔

آصف جاہی صدر المہام | میں آگے چلنے سے پیشتر ایک مختصر سا نوٹ مسئلہ وزارت پر بھی لکھ جانا چاہتا ہوں۔ اگرچہ تفصیلی بحث کے لئے وزرائے آصفیہ میں ایک باب مخصوص ہے۔

حضرت نواب آصف جاہ اول کے عہدِ سلطنت میں کوئی شخص خاص عہدہ مدار المہامی پر فائز نہ تھا بلکہ مختلف مقتدر امرا مختلف خدمات مالی۔ ملکی۔ اور فوجی پر مامور تھے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً کام کی نوعیت اور وقتی ضروریات نے ایک خاص مدار المہام یا دیوان کی ضرورت کو پیدا کر دیا۔ اور حالات وقت کے لحاظ سے مختلف آدمی ان عہدوں پر مامور رہے۔ جو ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ حضرت آصف جاہ ثانی کے عہد میں دراصل راجہ پرتاب ونت عرف دُھل داس دیوان تھے جب وہ ایک جنگ میں مارے گئے تو نواب سید لشکر خان کو مقرر کیا۔ وہ ایک مرتبہ معزول ہو کر دوبارہ دیوان ہوئے۔ اس وقت وہ نواب رکن الدولہ میر موسیٰ خاں کہلائے۔ اور آخر قتل ہو گئے۔ پھر نواب صمصام الملک اور نواب وقار الدولہ تین سال تک دیوان رہے۔ ۵ ہ شعبان المعظم ۱۱۹۲ھ کو نواب اعظم الامرا ارسطو جاہ مشیر الملک کو سرکار آصفیہ سے چتھہ سرفراز ہوا۔ اور یہی چتھہ گویا قلمدانِ وزارت کا پیش خیمہ تھا۔ ۱۲۱۵ھ میں مستقل دیوان ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد دو ماہ کے لئے راجہ رگھوتم راؤ مقرر ہوئے۔ نواب میر عالم جن کی یادگار تالاب میر عالم ہے بہت عرصہ تک مدار المہام رہے ارسطو جاہ جب مرہٹوں کے پاس دو سال تک بطور کفالت رہے۔

اس وقت بھی نواب میر عالم ہی تھے۔ ان کے عہد میں انگریزی سلطنت سے تعلقات اتحاد و دوستی کی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ انگریزی حکومت کے بھی معتمد تھے اور انگریزی حکومت نے ہمیشہ انکے خاندان کی حمایت اور ہمدردی کی ہے۔ یہ مدارالمہام فوت ہوئے تو ان کے بعد ان کے داماد نواب سالار جنگ اعظم کے گرامی قدر والد بزرگوار نواب منیر الملک بہادر مدارالمہام مقرر ہوئے۔ اور راجہ چندو لال صاحب ان کے مددگار تھے اور کل ملکی و مالی کام ان کے ہی مشورے سے طے ہوتے تھے۔ اس لیئے وہ ان کی حیات میں دخیل کار رہتے ان کی وفات پر قدرتاً قلمدان دیوانی راجہ صاحب کے سپرد ہوا اور وہ چوبیس ۲۴ سال تک اس معزز ترین عہدہ پر مامور رہے۔ نہایت ذہین اور فطین امیر تھے انگریزوں کے ساتھ ان کے تعلقات بہت ہی مخلصانہ تھے وفات سے دو سال پہلے مستعفی ہو گئے۔ راجہ رام بخش صاحب کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔ مگر آخر وہ معزول ہو گئے اور نواب سراج الملک بہادر جو نواب سالار جنگ بہادر کے چچا تھے۔ دیوان مقرر ہوئے دو سال کے بعد وہ خود علیحدہ ہو گئے۔ اور یہ قرعہ نواب سیف جنگ محمد امجد علیخان امجد الملک کے نام پڑا۔ مگر یہ ایک ماہ چند یوم سے زیادہ نہ رہے۔

اس طرح پر یہ دیوانی ایک عجیب عہدہ بنا ہوا تھا حقیقت میں مدارالمہام کی شان اور اس کا عہد تعمیر نواب سالار جنگ اعظم کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

یہ مختصر نوٹ میں نے صرف عام معلومات کے لئے لکھدیا ہے۔ اور دانشمند پڑھنے والا اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مفصل بحث میں وزرائے دولت آصفیہ میں انشاءاللہ کرونگا۔ وباللہ التوفیق۔



حضرت آصف جاہ سوم

" مغفرت منزل "



حضرت آصف جاہ سوم
"مغفرت منزل"

چھٹا باب

نواب سکندر جاہ (آصفجاہ سوم) اور نواب ناصر الدولہ (آصفجاہ چہارم)

دولتِ آصفیہ کی تاریخ کے اُس عہد میں اب ہم آرہے ہیں جہاں سے میں اور بھی اختصار کے ساتھ گذرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ اس کتاب کا موضوع صرف اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ کے سوانح حیات اور سیرۃ کا لکھنا ہے۔

نواب سکندر جاہ (آصف جاہ سوم) کا اصلی نام نواب میر اکبر علیخان بہادر تھا یہ یکم رجب المرجب سنہ ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۷۷۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کا عہد سیاسی پیچیدگیوں اور مختلف قسم کے امتحانات کا عہد تھا۔

نواب سکندر جاہ بہادر کی تعلیم و تربیت حضرت آصف جاہ دوم کے زیر سایہ ہوئی اور انہی کی نگرانی میں فنون سپاہ گری میں کمال حاصل کیا۔ اور جب بالغ و کامل ہو گئے تو ہمیشہ جنگوں میں والد بزرگوار کے ساتھ رہے اور مختلف معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ وہ ایک سپاہی اور ایک مدبّر کے اوصاف سے موصوف تھے۔ نہایت تنومند اور بہادر تھے۔ جسم بھی کسرتی اور ورزشی تھا فصاحت اور بلاغت کا بھی خدا تعالیٰ نے شجاعت کے ساتھ بہرہ وافر عطا فرمایا تھا طبیب بھی تھے اور علم طب سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے۔

ان کی شجاعت و دلیری کا سکہ دشمنوں کے دل پر بھی تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد اعیانِ دولت اور ارکانِ سلطنت نے اورنگ آصفی آپ ہی کے پیش کیا اور ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ کو آپ تخت نشین ہوئے۔

وزارت کا تنازعہ

نواب سکندر جاہ کے عہد میں سب سے بڑا تنازعہ وزارت کا پیدا ہوا۔ اعظم الامراء ارسطو جاہ جیسا کہ پچھلے باب میں قارئین پڑھ چکے ہیں بطور یرغمال مرہٹوں کے پاس تھے۔ وہ ۱۷۹۷ء میں وہاں سے واپس آئے اور بدستور وزیر اعظم رہے لیکن وہ آصف جاہ ثانی کی وفات کے دس ماہ بعد فوت ہوگئے۔ اس وقت وزارت کے لئے ایک تنازعہ پیدا ہوگیا۔ اعلیٰحضرت اس وقت مہی پت گورنر برار کو وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے لیکن انگریزی حکومت کا تقاضہ تھا کہ نواب میر عالم ہی کو مدار المہام بنایا جائے۔ اس لئے کہ وہ انگریزی حکومت کے بہت بڑے خیر خواہ تھے۔ اور وہاں سے ان کی خدمات کی قدر دانی بھی ہوتی تھی۔ مہی پت انگریزی اقتدار کا دشمن تھا۔ اس وجہ سے اس کی تائید نہیں ہوسکتی تھی۔ اعلیٰحضرت آصف جاہ ثالث نے ان حالات میں نواب میر عالم ہی کو مدار المہام مقرر کیا۔

ہلکر کی سکیم اور آصفجاہ ثالث کی وفاداری

مہی پت حیدر آباد سے نکل کر ہلکر کے پاس گیا اور ہلکر نے درخواست کی کہ وہ اپنی فوج لیکر حیدر آباد پر حملہ کرکے انگریزوں کو نکال دے گا اور خود دولت آصفیہ سے تعلقات دوستی قائم رکھیگا۔

اعلیٰحضرت آصف جاہ ثالث اس تجویز سے اتفاق نہ کر سکے۔ اور اس کی وجہ ظاہر تھی کہ وہ انگریزوں سے دوستی اور اتحاد کے معاہدات کے پابند تھے اور کسی قربانی پر بھی ان کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری طرف اس کی کیا ضمانت تھی کہ حیدر آباد پر حملہ انگریزوں ہی کے نکالنے کے لئے ہوگا۔ لڑائیوں کا فلسفۂ اخلاق ہمیشہ دوسرا ہوتا ہے۔ فاتح اور مفتوح کے مقامات جب بدل جاتے ہیں تو فاتح اپنی

شرائط پیش کرتا ہے۔ غرض اعلیحضرت نے عاقبت اندیشی اور مومنانہ فراست سے یہی مناسب سمجھا کہ حیدرآباد کے امن کو برباد نہ کیا جائے اور غداری اور بیوفائی کے داغ سے دولت آصفیہ کو بچایا جائے اس لئے ملکہ کی درخواست آپ نے حقارت کے ساتھ رد کردی۔ اور مہی پت کو بھی غدار قرار دیا۔ جس وقت کہ یہ جھگڑا چل رہا تھا۔ نواب میر عالم کو بھی اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ رزیڈنسی میں جا رہے تھے۔ آخر مہی پت کو کسی نے قتل کر دیا۔ اور ۱۸۰۸ء میں نواب میر عالم کا بھی انتقال ہوگیا۔

وزارت کا تنازعہ پھر شروع ہوا | نواب میر عالم کی وفات کے بعد پھر وزارت کا تنازعہ زندہ ہوگیا۔ انگریز اب چاہتے تھے کہ وزارت شمس الامراء کو دی جائے اور راجہ چندو لال بدستور پیشکار رہے نواب سکندر جاہ بہادر، راجہ چندو لال کے متعلق تجویز کے موافق میں تھے۔ مگر وزارت کا شمس الامراء کو دیا جانا انہیں منظور یا پسند نہ تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مدار المہامی کی خدمت نواب منیر الملک بہادر کے سپرد ہو جو میر عالم کا داماد تھا۔

قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ ایک طرف تو انگریزی حکومت نواب میر عالم کی بہت بڑی طرفدار تھی۔ دوسری طرف جب منیر الملک کی مدار المہامی کا سوال آیا تو اس نے اس کی طرفداری نہیں کی۔

چونکہ نواب سکندر جاہ بہادر اس پر مستقل مزاجی سے قائم تھے اس لئے حکومت انگریزی کو بادلِ ناخواستہ نواب منیر الملک بہادر کی مدار المہامی تسلیم کرنی پڑی۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے فیصلہ بھی کرلیا کہ منیر الملک بہادر ایک تحریری اقرار دیں کہ وہ کسی معاملہ میں دخل نہ دے گا۔ اور بست و کشاد کے تمام معاملات راجہ چندو لال سے متعلق رہیں گے۔ (برگس جلد اول صفحہ ۹۳)

راجہ چندو لال | راجہ چندو لال کا ذکر اس زمانہ کی تاریخ میں کثرت سے آتا ہے۔ بلکہ ایک زمانہ میں تو ان کا ایسا اقتدار اور اثر تھا کہ حیدرآباد ہی چندو لال کا حیدرآباد

مشہور تھا۔ مجھے یہاں صرف اس قدر ہی کہنا ہے کہ راجہ چندو لال کے کارنامے دولتِ آصفیہ کی تاریخ میں ایک نمایاں باب رکھتے ہیں راجہ چندو لال نہایت ہوشیار اور مدبر انسان تھا۔ اس کی ترقیات کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی خدمات سے ترقی کرتے گئے۔ اور ۱۸۰۰ء میں نواب میر عالم کے خاص معتمد بن گئے اور ۱۸۰۶ء میں اُسے پیشکار بنا دیا گیا۔ میر عالم ہی کی وجہ سے راجہ چندو لال کے تعلقات انگریزوں سے بڑھے۔ اور بہت بڑھے انگریزوں نے ہمیشہ ایک مخلص اور وفادار دوست کی خیر خواہی اور سرپرستی اپنا فرض سمجھا راجہ چندو لال کی نیت پر حملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں لیکن مورخین عموماً یہ کہتے ہیں کہ اس کا عہد دولت آصفیہ کے لئے برکت اور ترقی کا عہد نہ تھا اور نتائج مایوسی بخش ہیں۔

ان حالات نے دولتِ آصفیہ کی سیاسی حالت پر جو اثر پیدا کیا وہ ظاہر ہے انگریزی اقتدار دن بدن بڑھنے لگا۔

رزیڈنسی سے جھگڑا | نواب سکندر جاہ بہادر کے دو صاحبزادوں شمس الدولہ اور مبارز الدولہ کا ۱۸۱۵ء میں رزیڈنسی سے کچھ جھگڑا ہو گیا جس میں کشت و خون بھی ہوا۔ اس کا نتیجہ انگریزی اقتدار کے بڑھانے کا موجب ہوا۔ وہ نوں شہزادوں کو تو قلعہ گولکنڈہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور دوسرے لوگوں کو (جن پر اس شورش میں حصہ لینے کا الزام ثابت ہو گیا) سزائے موت دی گئی۔

نواب سکندر جاہ کی خانہ نشینی | اس وقت تک نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث بہت بے بس ہو گیا تھا۔ اور راجہ چندو لال کا اقتدار انگریزی حمایت میں اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ ایک موقعہ پر حضرت آصف جاہ ثالث نے راجہ چندو لال سے بعض رقوم کا حساب طلب کیا تو رزیڈنٹ درمیان میں مداخلت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ یہ وزیر اعظم کے معاملات میں بیجا مداخلت ہے۔

اعلیحضرت کے قلب پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ نے محل سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ بعض اوقات چار سال تک باہر نہیں آئے۔ نواب سکندر جاہ بہادر ان حالات کو دیکھتے تھے اور خاموش تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ حیدر آباد کی زمین انسانی خون سے لالہ زار بن جائے۔

حیدر آباد کی مالی تباہی کا آغاز | ایک طرف انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف ریاست کی مالی حالت تباہی کی طرف جا رہی تھی اس کی تمام تر ذمہ داری راجہ چندولال پر آتی ہے ان کا ڈیفنس اس معاملہ میں خواہ کچھ بھی ہو۔ مالی تباہی نے ریاست کی حالت نہایت خطرناک بنادی۔ حیدر آباد میں ایک کمپنی ولیم پامر اینڈ کو کے نام سے قائم ہوئی جو ریاست کو قرض دیتی تھی۔ نومبر ۲۳ ۱۸ء میں چارلس مٹکاف نے جو حیدر آباد کے رزیڈنٹ تھے حساب کرایا تو اس کمپنی کے مطالبات ۰۰، ۰۶، ۷۸ تک پہنچے ہوئے تھے اور بیس لاکھ حکومت انگریزی کا بقایا تھا۔ اس طرح پر ریاست خطرناک قرضہ کے بوجھ میں دبی ہوئی تھی۔ اور اخراجات اندھادھند ہو رہے تھے۔ جن پر کسی قسم کا کنٹرول نہ تھا۔ اور نہ کسی کو خیال آتا تھا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو انجام کیا ہوگا جیسے خیال آسکتا تھا اور آتا تھا۔

وہ شاہ شطرنج تھا

اس مصیبت سے نجات کی ایک تدبیر سوچی گئی جو سیاسی اغراض اور نقطۂ خیال سے ایک خطرناک تدبیر تھی اور وہ یہ کہ دولت آصفیہ سے شمالی سرکار کا مقررہ پیشکش (سات لاکھ سالانہ) ہمیشہ کے لئے معاف کرالیا گیا۔ اور اس کے بدلہ میں ایک مشت ۱۱۱۶۶۶۶۶ کی رقم دیدی گئی۔ اس کے نتائج پر غور کرو کہ اگر آج تک حساب کیا جائے تو تقریباً آٹھ کروڑ کے سرکار انگریزی نے اس رقم کے بدلہ

اب تک لے لیا اور وہ علاقہ بھی آخر ہضم ہو گیا۔

اس مالی تباہی کے اسباب اور علل پر اگر بحث کیجائے تو نہایت ہی دردناک کہانی ہو جاتی ہے۔ ولیم پائر کمپنی کے قرضہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرضہ دراصل حکومت انگریزی سے طلب کیا گیا تھا اور اس کی مقدار ۶۰ لاکھ تھی مگر حکومت نے یہ قرضہ اس ولیم پائر اینڈ کمپنی سے دلایا جس کی شرح سود بھی بہت زیادہ تھی۔ اور اس نے چار سال ہی کے بعد ایک زرِ خطیر کا دعویٰ اصل معہ سود کے کر دیا جس کا وہ تصفیہ ہوا جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ ایک طرف دولت آصفیہ مردِ بیمار کی صورت مالی تباہی کے مرض میں مبتلا تھی۔ دوسری طرف ایسے فسادات کھڑے ہو گئے تھے۔ جنہیں اگر سیاسی عقلمندی سے کام نہ لیا جاتا تو حکومت آصفیہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ نواب صاحب کے زمانہ میں بعض لڑائیاں بھی ہوئیں جن میں انہوں نے سرکار انگریزی کی ہر طرح حمایت کی۔

ان تمام حالات نے نواب سکندر جاہ جیسے عظیم الجثہ مضبوط اور شیر دل انسان کی صحت کو خطرہ میں ڈال دیا اور ۲۱ مئی ۱۸۲۹ء کو صرف اٹھاون سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔

نواب سکندر جاہ کو بھی تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ چو محلہ (حیات محل متعلق حویلی قدیم) اور بہت سی شاہی عمارتیں آپ نے تعمیر کرائیں۔ آپ کے نو صاحبزادے اور آٹھ صاحبزادیاں تھیں۔

صاحبزادوں میں سے نواب میر فرخندہ علیخان بہادر نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع کے نام سے تخت نشین ہوئے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر

نواب ناصر الدولہ بہادر نواب مغفرت منزل کے بڑے صاحبزادے

تھے جو حضرتہ فضیلت النساء بیگم صاحبہ المعروف چاندنی بیگم کے بطن سے ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۲ء کو محمد آباد (بیدر) میں پیدا ہوئے تھے بچپن ہی میں ناصر جنگ ناصر الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ اور ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو اورنگ نشین آصفی ہوئے۔

راجہ چندو لال صاحب نے آپ کی سر برآرائی کی منادی کرائی ارکان دولت اور رزیڈنٹ (مسٹر مارٹن) نے پیش ہو کر نذریں گذرانیں۔

انگریزی اقتدار کا ایک اور قدم بڑھا "مابدولت" اور "نیازمند"

حالات وقت کی جو رفتار تھی وہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ نواب سکندر جاہ کی وفات نے سرکار دولت مدار کو موقعہ دیا۔ اور ارکان دولت آصفی نے اپنی نیک نیتی اور خیر خواہی سرکار دولت مدار کا ثبوت دیا۔ اب تک سرکاری خط و کتابت میں اعلیٰ حضرت کی طرف سے مابدولت اور گورنر جنرل اپنی تحریروں میں نیازمند لکھا کرتے تھے۔ لیکن اس موقعہ تخت نشینی پر فیصلہ ہو گیا کہ آئندہ مابدولت اور نیازمند کی اصطلاحیں ترک کر دی جائیں۔ اور فریقین ایک دوسرے کو مساوی حیثیت سے خطاب کریں۔

نواب منیر الملک اور مہاراجہ چندو لال بدستور اپنے عہدوں پر مامور رہے لیکن درحقیقت سیاہ و سفید کے مالک

راجہ چندو لال ہی تھے

ایک نئے فتنہ کا آغاز

نواب سکندر جاہ کے عہد سلطنت میں بعض انگریز نگران مقرر تھے لیکن نواب ناصر الدولہ بہادر کے آغاز سلطنت کے ساتھ ہی ان کو علیحدہ کر دیا گیا۔ اس وقت تو وہ خاموش رہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے دولت آصفیہ کی اندرونی بدنظمیوں کی شکایت شروع کی یہ ایک پروپیگنڈہ تھا۔ جو دولت آصفیہ

کے خلاف کیا گیا۔ بلکہ دولت آصفیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا پروپیگنڈہ ہے۔ اس پروپیگنڈہ کے لئے انگلستان کو بہترین مقام تجویز کیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ حسب مراد نکلا۔ چنانچہ ۱۰ نومبر ۱۸۳۵ء کو لنڈن سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اعلیٰحضرت نظام کو ایک الٹی میٹم دیا کہ زیادہ دیر تک دولت آصفیہ کی بدنظمیوں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی بدنظمی فی الحقیقت تھی تو اس کی ذمہ داری دولت انگلشیہ اور اسکے مقرر کردہ مدارالمہام پر عائد ہونی چاہیئے۔ جس کو انگریزوں نے گویا ڈکٹیٹر بنا رکھا تھا۔ اور ہر وقت اس کی حمایت کرتے تھے۔ مگر مشکل تو یہ تھی کہ اورنگ نشین دولتِ آصفیہ جانتا تھا کہ مجھے کس حد تک بے بس کر دیا گیا ہے ارکان دولت کی حالت کیا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی گفت وشنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بعض اضلاع میں حکومت انگریزی کی طرف سے خاص امین مقرر کئے جائیں جو تحصیل مالگزاری کے افسروں کی نگرانی کریں۔

برگس لکھتا ہے کہ یہ امین بھی آخر کار وزیر سلطنت اور اس کے کارندوں کے ہاتھ میں آلۂ کار بن گئے اور اصلاح کی یہ سعی بھی خاک میں مل گئی۔ ۱۸۳۰ء میں پھر سلطنت آصفیہ کا معاملہ ڈائرکٹروں کے سامنے پیش ہوا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ارکان دولت کے تغافل اور سہل انگاری نے حالات کو ایسی صورت میں تبدیل کر دیا کہ حکومت انگریزی کا اقتدار روز بروز بڑھتا چلا گیا اور حضرت نظام اگر چاہتے بھی کہ اصلاح کریں تو ان کے لئے اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا۔

ایک عجیب وغریب سازش سلطنت انگریزی کو یہ خیال صحیح یا غیر صحیح طور پر پیدا ہو گیا تھا یا پیدا کر دیا گیا تھا کہ دولت آصفیہ انگریزوں کو نکال دینا چاہتی ہے۔ اگر کوئی صاحب عقل ودانش حالات کی رفتار پر غور کرے تو میں کہونگا کہ خود حکومت انگریزی کا اپنا

طریق عمل ہی اسے دوسروں کی آنکھ سے نظر آتا تھا۔ دولت آصفیہ اگر انگریزوں کو نکالنا چاہتی تو اس کے لئے ابتدائی عہد میں بہترین موقعہ تھے اسکی وفاداری، اخلاص اور عہد ناموں کی پاسداری کا تو یہ حال ہے کہ ہلکر کی درخواست نامنظور کر دی اور شیر میسور کی اعانت سے انکار کر دیا۔ مگر باوجود ان حالات کے اسے ہمیشہ یہ شبہ ہوتا رہا کہ دولتِ آصفیہ ان کے اخراج کے درپے ہے اس لئے دولت آصفیہ کو ہر طرح کمزور کر دینے کے لئے کسی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا۔

اسی سلسلہ میں ۱۸۳۹ء میں ایک فرضی سازش کا انکشاف کیا گیا جس کا سہرا انلوور کے ایک انگریز مجسٹریٹ کے سر پر ہے گو اس سازش کے فرضی وجود کو بعض غداران دولت ہی نے پیدا کیا ہو گا۔

وہ سازش یہ تھی کہ نواب ناصر الدولہ کے بھائی نواب مُبارز الدولہ بہادر انگریزوں کے نکالنے کی سازش کر رہے ہیں۔ میں اپنے نقطۂ خیال سے کہتا ہوں کہ اگر نواب مُبارز الدولہ کو ایسا خیال پیدا بھی ہوا ہو تو کیا وہ اپنے ملک کو غیروں کے اقتدار اور اثر سے بچانے کے فطری جذبات نہ رکھتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بات نہ تھی۔

ان ایام میں حضرت مولانا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کی مذہبی تنظیم اور عملی اصلاح کا کام کرتے تھے آپ کے ایک خلیفہ مولانا ولایت علی مرحوم عظیم آبادی حیدر آباد بھی آئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور اتباع کتاب و سنت کا وعظ کہا تو اب مُبارز الدولہ بہادر بھی ایک دیندار مسلمان کی حیثیت سے مولانا ممدوح سے ملے اور آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اور نواب صاحب اور آپ کے رفقا نے احکام اسلامی کی عملی پابندی کا عہد کر لیا انگریزوں کو اس تحریک میں وہابی تحریک کے جراثیم بغاوت نظر آتے تھے اسلئے

نواب صاحب اور آپ کے رفقاء پر بغاوت کا الزام قائم کر دیا۔ یہ کوئی سازش نہ تھی اور نہ سیاسی تحریک سے اسے کوئی تعلق تھا۔ بہر حال اسے سازش بنا دیا گیا اور نواب مبارز الدولہ اور ان کے دس رفقاء کو اس وقت تک کے لئے قید کر دیا گیا۔ جب تک کہ حکومت کے نزدیک ان کی رہائی مناسب نہ ہو۔ اور آخر موت نے انہیں اس قید سے آزاد کر دیا۔

ایک تباہی خیز مصیبت مہاراجہ چندو لال کی حکومت اور اقتدار کا راز فیاضیوں میں مخفی تھا۔ لیکن یہ سلسلہ کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ آخر ساہوکاروں وغیرہ سے جب روپیہ ملنا بند ہو گیا تو جرمانوں۔ قرقیوں۔ ضبطیوں اور اس قسم کی دوسری تدبیروں سے روپیہ جمع کیا جانے لگا۔ آخر یہ سلسلہ بھی کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ دو سال کا پیشگی مالیہ بھی وصول ہو چکا تھا۔ ساہوکار اب مہاراجہ کے وعدہ پر بھی اعتبار نہ کر سکتے تھے۔ ان حالات میں مہاراجہ چندو لال نے دولت انگلشیہ سے ایک کروڑ روپیہ قرض مانگا اور وعدہ یہ کیا کہ ملک کی مالگزاری میں سے سترہ لاکھ ہر سال ادا کرتا رہونگا۔ لیکن جب یہ کہا گیا کہ اس قرضہ کے لئے سلطنت آصفیہ کی مالی حالت کا پورا نقشہ پیش کرنا پڑیگا۔ تو انہوں نے اس درخواست کو واپس لے لیا۔ آخر جب سب طرف سے مایوسی ہوئی تو نواب ناصر الدولہ سے عرض کیا کہ کچھ روپیہ دیا جائے۔ اسے وہ کہاں سے دیتے آمدنی کے مداخل و مخارج پر تو خود راجہ صاحب کا قبضہ و اقتدار تھا۔ آخر مہاراجہ چندو لال تو استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر کی ہمت اور حوصلہ کی داد دینی چاہیئے کہ مصائب کے اس بلاخیز تلاطم میں انہوں نے مہاراجہ چندو لال کے استعفیٰ کو منظور کرنے میں تامل نہ فرمایا جو ۶ ستمبر ۱۸۴۳ء کو دیا گیا تھا۔ اگر کسی اور سلطنت کا مقابلہ ہوتا تو خدا جانے کیا حشر ہوتا۔ ایک آزاد کمیشن تحقیقات کیا فیصلہ کرتی مگر آصفی خاندان کی موروثی اور

طبعی نرمی اور فراخدلی نے عملی اظہار کیا۔ کہ راجہ چندولال کا استعفیٰ منظور کر کے ایک ہزار ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا اور پیشکاری کی خدمت اس کے بھتیجے۔

راجہ رام کشن کے حوالہ کر دی

سراج الملک کی وزارت چندولال کے استعفیٰ پر آخر سراج الملک وزیر بن گیا جو منیر الملک سابق وزیر کا بیٹا اور میر عالم کا نواسہ تھا۔ نواب منیر الملک بہادر ۲۵ لاکھ کا قرضہ چھوڑ گئے تھے۔ حضرت نواب ناصر الدولہ نے یہ سب قرضہ خود ادا کیا۔ گو ابتداً ساری جائداد مکفول کر لی تھی لیکن ۱۲۶۳ھ میں مکفولہ جائداد ان کے بیٹے سراج الملک کو دیدی۔ سراج الملک کی وزارت کے تھوڑی دیر بعد پھر اس میں تغیّر و تبدل ہوا۔ اور نواب شمس الامراء امیر کبیر امجد الملک اور راجہ رام بخش پیشکار مدار المہامی کے کام انجام دیتے رہے۔ مگر بالآخر ۲۸ شعبان ۱۲۶۷ھ مطابق جون ۱۸۵۱ء کو سراج الملک دوبارہ وزیر ہو گئے۔ اور آخر وقت تک وزیر رہے۔

مالی حالت کی خرابی دولت آصفیہ کی مالی حالت میں ایسی خرابی کے جراثیم پیدا کر دیئے گئے تھے کہ درست ہونے میں نہ آتی تھی۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۰ء تک دولت انگلشیہ کا قرضہ ۷۰ لاکھ تک جا پہنچا تھا۔ اور اس کے علاوہ اور بھی قرضے تھے حکومت نے نواب ناصر الدولہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ انہوں نے پچاس لاکھ فوراً ادا کر دیا۔ لیکن اس کے بعد پھر قرضہ بڑھنے لگا۔ اور فوج کی تنخواہ بقایا رہنے لگی۔ ۱۸۵۲ء کے موسم گرما میں ۶ ماہ کی تنخواہ باقی تھی۔ اور ۲۴ فیصدی سود پر بھی قرضہ ملنا مشکل تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کا زمانہ تھا انہوں نے بے طرح دھمکیاں دینی شروع کیں کہ یا تو روپیہ دو یا اس کے بدلہ میں علاقہ دیدو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو حکومت جس حصہ پر چاہیگی قبضہ کر لیگی۔ میں اس واقعہ کی

تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ نہایت ہی دردناک کہانی ہے۔ اور سوءِ خوارون کی سختیوں کا ایک اچھا مرقع ہے برگس نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں اس خط و کتابت کو درج کر دیا ہے جو اس معاملہ کے متعلق ہے اس کو پڑھ کر سنگدل سے سنگدل انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کس طرح خود اپنی مرضی سے مقرر کرائے ہوئے اہلکاروں کے ہاتھوں کی تباہ کی ہوئی سلطنت کے بے گناہ تاجدار کی بے بسی سے ہر ممکن فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ خط و کتابت کا انداز نہایت تکلیف دہ ہے برگس نے اس ساری خط و کتابت کو شائع کر کے آنے والی نسلوں کو صحیح فیصلہ کا موقع دیدیا ہے۔

آخر اس مصیبت کا برائے نام خاتمہ اس عہدنامہ پر ہوا کہ جو ۱۸۵۳ء کا معاہدہ ہے جسکی روسے برار کا علاقہ امدادی فوج کے خرچ اور قرضہ میں حکومت انگلشیہ کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس وقت حکومت انگلشیہ کی پوزیشن ایک امین کی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ امانت مستقل قبضہ کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ اور اب قریباً ایک صدی گذرنے کے بعد اعلیحضرت میر عثمان علیخان ساعی ہیں کہ

میری دولت مجھکو واپس ملے اور خدا کے فضل سے امید ہے کہ وہ ملجائے گی

۲۷ مئی ۱۸۵۳ء کو سراج الملک کا انتقال ہو گیا اور وزارت کا قلمدان اس عظیم القدر انسان کے ہاتھ میں آیا جو حیدرآباد کی تعمیر کی تاریخ میں غیر فانی شہرت کا مالک ہے اور جو حق رکھتا ہے کہ اسے

سالار جنگ اعظم کہا جائے

نواب سالار جنگ اعظم نے جو اصطلاحات کیں وہ انکی اپنی حیات سالار کی



حضرت آصف جاہ چہارم

"غفران مکاں"

امانت ہیں۔

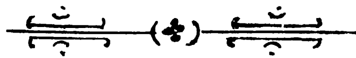
نواب ناصر الدولہ کے اخلاق | **نواب ناصر الدولہ بہادر عمیم الاخلاق** اور **فیاض طبیعت** کے انسان تھے۔ فقرار اور مشائخین سے اُن کو خاص عقیدت تھی اپنے آبا و اجداد کی طرح انہیں بھی عمارتوں کا شوق تھا۔ چنانچہ چادر گھاٹ کا پل اور راحت محل انہیں کی عہد میں تعمیر ہوا۔ اور بھی بعض عمارتیں تیار کرائیں۔ اور بعض کی اصلاح و مرمت کرائی۔

وہ اپنے عہد کے بہادر اور تنومند آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ رعایا کی فلاح و صلاح کا انہیں بے حد خیال تھا۔ شعبان ۱۲۷۳ھ میں بمقام سرور نگر علیل ہوئے۔ اور وہاں سے حیدر آباد تشریف لائے۔ یہاں پہنچکر ۲۲ رمضان ۱۲۷۳ھ کو اسہال کے عارضہ سے ۶۶ سال چند ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا اور مکہ مسجد کے صحن کے شاہی قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ نے ۲۸ سال ۱۰ ماہ ۵ یوم سلطنت کی اور دو صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے جن میں سے۔

نواب میر تہنیت علی خان بہادر افضل الدولہ آصفجاہ خامس ہوئے۔ اور دوسرے صاحبزادے میر جہانگیر علیخاں بہادر روشن الدولہ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ کو فوت ہوگئے۔



ساتواں باب



نواب افضل الدولہ بہادر آصفجاہ پنجم

آپ کا اصلی نام نواب میر تہنیت علیخان بہادر تھا۔ اور آپ نواب ناصر الدولہ بہادر۔ غفران منزل کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو حویلی قدیم میں حضرتہ دلاور النساء بیگم صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ۳۰ سال کی عمر میں ۲۴ رمضان ۱۲۷۳ھ کو سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے۔

عہد حکومت اور عہد ابتلاء | نواب افضل الدولہ بہادر کا عہد حکومت گونا گوں مشکلات اور مختلف قسم کی ابتلاؤں میں ہوا۔ حکومت آصفیہ کی مالی حالت تشویش نا تھی ہی کہ ہندوستان میں غدر کی آگ بھڑک اٹھی اور ایسے وقت میں یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا کہ دولت آصفیہ کا طرز عمل کیا ہو۔

مگر نواب افضل الدولہ بہادر نے اپنے صائب الرائے مشیر اعظم نواب مختار الملک سر سالار جنگ کے مشورہ اور اپنی اولوالعزمی کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یہی امتحان کا وقت ہے اور معاہدات کی رعایت جو ایک مومن کا فرض ہے ایسے ہی وقت

دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے کچھ بھی ہو حکومت انگریزی کی امداد کرنی چاہیئے۔ یہ فیصلہ ایسا نہ تھا کہ مخالفت پیدا نہ کرتا۔ چنانچہ خود بلدہ حیدرآباد میں بھی آتش بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اور بعض مفسدہ پردازوں نے محلات مبارک اور حیدرآباد خاص میں بلوہ کرنا چاہا۔ طرہ باز خاں اور اللہ دین نامی دو مفسدوں نے چار یا پانچ سو آدمی لے کر زیڈنسی پر حملہ کر دیا۔

مگر اعلیحضرت نے نہایت تدبر و دانش سے اس کی روک تھام کی۔ اور جہاں تک مفسدہ پرداز ملے انہیں پکڑ کر حکومت انگریزی کے حوالہ کر دیا۔ طرہ باز خاں بچ کر نکل رہا تھا۔ کہ مارا گیا۔ اور اللہ دین انڈمان بھیجدیا گیا۔

حکومت انگریزی کا اعتراف | یہ زمانہ نہایت نازک تھا۔ اور اگر نظام حکومت انگریزی کی مدد نہ کرتا۔ تو اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ انگریزی حکومت سخت خطرہ میں تھی۔

شریف الطبع اور منصف مزاج یوروپین مصنفوں اور دوسرے انگریزوں نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا کہ دولتِ آصفیہ نے اس زمانہ میں حکومت انگلشیہ کی

ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچالیا

اور بعض انگریزی حکام نے یہاں تک کہا کہ

اگر نظام حیدرآباد ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم نہ رہ سکتی

حقیقت میں دولتِ آصفیہ کی یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ اسے اس وقت

ہندوستان میں اپنی حکومت کے قائم کر لینے کا بہت اچھا موقعہ تھا۔ اور یہ خیالی بات نہیں۔ اگر نظام اس وقت

تختِ ہند کا دعویدار ہو جاتا

توہندوستان اسے تسلیم کرلیتا۔ اور اس کے ساتھ ہوتا۔ مگر نواب افضل الدّولہ بہادر نے ایسے ابتلا کے وقت اپنے تمام سیاسی مقاصد اور مفاد کو قربان کرکے ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے اپنے معاہدات کو قائم رکھا اور۔

تاجِ برطانیہ کی حمایت کی

اور انگریزی سلطنت کو ہندوستان سے صرف نکلنے سے ہی نہیں بچایا۔ بلکہ اس کے ہاتھ اور مضبوط کر دیئے فلسفہ سیاست کے ماہرین اُسے کسی نظر سے دیکھیں اور یقیناً کہیں گے کہ نظام نے بڑی غلطی کی مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ

نواب افضل الدّولہ سلطانِ دکن کی اخلاقی فتح تھی

بغاوت فرو ہو جانے کے بعد گورنر جنرل نے لکھا کہ ایسے نازک وقت میں حق وفاداری اور ثابت قدمی آپ کی طرف سے ادا ہوئی ہے۔ اس پر گورنمنٹ ہند آپ کی نہایت مشکور ہے۔ اور وعدہ کرتی ہے کہ آئندہ اس وفاداری کی نسبت اور طریقہ سے بھی خوشنودی کا اظہار کریگی۔

اور بظاہر اس کا اظہار عملی رنگ میں اس طرح پر ہوا کہ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء میں شورآپور اور رائچور کے علاقے دولت آصفیہ کو واپس دیدیئے۔ اور پچاس لاکھ کا قرضہ بھی معاف ہو گیا۔ دگو اس قرضہ کے وجود کے متعلق ابتک اختلاف چلا آتا ہے)



حضرت آصف جاہ پنجم
" مغفرت مکان "

۱۸۶۱ء میں گورنر جنرل نے دس ہزار پونڈ کے تحائف نواب افضل الدولہ بہادر کے حضور پیش کئے۔ تین تین ہزار پونڈ کے تحائف شمس الامراء بہادر اور سالار جنگ بہادر کو بھی پیش کئے۔ اس موقعہ پر ملکہ وکٹوریہ نے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب بھی اعلیحضرت کو دیا۔

متفرق واقعات | نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد حکومت کا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے اور بعض متفرق معمولی واقعات ہیں جو چنداں قابل لحاظ نہیں۔ بعض انتظامی تبدیلیاں جو حکومت کی مشنیری کو اصلاح کی طرف لے جا رہی تھیں ابھی عمل میں آئیں۔ بعض شوریدہ سر لوگوں نے اعلیحضرت اور نواب مختار الملک سالار جنگ میں کشیدگی پیدا کرانے کی بھی کوشش کی۔ اور ایک حد تک وہ لوگ کامیاب بھی ہو گئے۔ لیکن رزیڈنٹ نے درمیان میں آکر صفائی کرادی۔ اگرچہ پورے طور پر نہ ہوئی تاہم وہ خطرناک پہلو بھی اختیار نہ کر سکی۔ جب

ولیعہد کا تولد اور اصلاحی کام | ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ کو اعلیحضرت میر محبوب علیخان صاحب حضرت واحد النساء بیگم صاحبہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے اور اسی سال دولت آصفیہ کی عملی انتظامی اصلاح کا سلسلہ قائم ہوا یعنی صوبے۔ تعلقے۔ اور اضلاع قائم ہوئے۔ اور ہر تحصیل میں تحصیلدار مقرر ہوئے۔

اکثر تعلقہ جات قرضہ اور فوج کی تنخواہوں میں ساہوکاروں اور جمعداران عرب کے قبضہ میں تھے۔ اعلیحضرت نے ان قرضہ جات کی ادائیگی کا انتظام کر کے انہیں اپنے قبضہ میں لیا۔ اور خزانہ شاہی قائم کر کے ماہ بماہ تنخواہوں کے ادا کرنے کا انتظام فرمایا اس وقت کل پانچ صوبہ سترہ اضلاع علاوہ علاقہ برابر کے قائم ہوئے تھے۔

صیغہ عدالت، صیغہ چوبینہ۔ دار الضرب۔ طبابت۔ محکمہ صفائی محکمہ تعلیمات وغیرہ وغیرہ بھی اسی زمانہ میں قائم ہوئے۔ بلدہ اور اضلاع میں پولیس کا انتظام ہوا۔ فوج جو پہلے بے قاعدہ تھی اُسے باقاعدہ بنایا۔ شراب اور سیندھی جو عام

طور پر فروخت ہوتی تھی اسے قانون کے حدود میں لایا گیا۔

عادات و اخلاق | آپ کو بھی عمارات کا بہت شوق تھا۔ اور متعدد محلات تعمیر کرائے گئے شہر میں متعدد عمارتیں بنیں۔ مکہ مسجد کے صحن میں پتھر کا ممبر بچھایا گیا۔ افضل گنج کا پل معہ دروازہ تعمیر ہوا۔ بازار افضل گنج آباد کیا گیا۔ افضل گنج کی مشہور مسجد افضل المساجد اور شفاخانہ افضل گنج تعمیر ہوئے۔ غرض آپ کو عمارات کا بہت شوق تھا۔

آپ اپنے مخلص اور وفادار کارکنوں کی ہر طرح قدر دانی اور عزت افزائی کرتے تھے۔ سخاوت اور عطا کے لئے آپ کا ہاتھ بہت لمبا تھا۔ دینی کاموں میں اپنے عقیدے کے موافق حصہ لیتے تھے۔ محرم میں تین لاکھ روپیہ خیرات کرتے تھے۔ امراء اور جاگیردار ہی خطابات اور جاگیریں نہیں پاتے تھے بلکہ فقراء اور اہل حاجت بھی محروم نہ رہتے تھے بارہ۱۲ سال ایک ماہ اور بیس روز حکومت کی بیالیس۴۲ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور جمعہ کا دن ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ تھی۔ مکہ مسجد میں آپ دفن ہوئے۔ وفات کے وقت اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کے علاوہ چھ شہزادیاں فرخندہ فال زندہ تھیں اور اس وقت کہ میں یہ تذکرہ لکھ رہا ہوں۔ ان میں سے صرف بادشاہ حضرتہ جہاندار النساء بیگم صاحبہ زندہ ہیں۔

وفات کے وقت اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کی عمر صرف اڑھائی سال کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اعلیحضرت مرحوم جب پیدا ہوئے تو کسی فقیر نے کہدیا تھا کہ وہ اپنے بچے پر نظر نہ ڈالیں اس لئے آپ نے اسکی پوری پابندی کی۔ بہر حال مرنے والے میں بہت بڑی خوبیاں تھیں۔ اور وہ ایک خاص شخصیت کے مالک تھے اس وقت تک دربار کی کیفیت اپنے اندر ایک شاہی شان رکھتی تھی۔ انگریز افسر بھی مقررہ سلام بجالانے کے پابند تھے۔ مگر رفتہ رفتہ تبدیلیاں ہوتی گئیں۔

آٹھواں باب

اعلیحضرت میر محبوب علیخان آصفجاہ ششم

خاندانِ آصفیہ میں اعلیحضرت میر محبوب علیخاں صاحب کو یہ خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے کہ آپ اڑھائی سال کی عمر میں سلطانِ دکن ہوئے آپ کی پیدائش ۵ ربیع الثانی[1] سنہ ۱۲۸۳ھ کو بوقتِ شب ہوئی۔ اور ابھی آپ کی عمر اڑھائی سال ہی کے قریب ہوئی تھی کہ یکایک نواب افضل الدولہ بہادر کا انتقال ہوگیا۔ یہ واقعہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۶ فروری سنہ ۱۸۶۹ء بروز جمعہ ہوا۔

اسی وقت خاندان شاہی کی روایات کے موافق محل سرائے اور بلدہ کے دروازے بند کر دیے گئے۔ جو نواب مختار الملک سالار جنگ بہادر کے حکم سے اس وقت کھولے گئے جبکہ اعلیحضرت میر محبوب علیخان بہادر کے تخت نشین ہونے کی منادی شہر میں کی گئی اور اس طرح پر

"شاہ مُرد و شاہ زندہ باد"

کی مشہور ضرب المثل کو دہرایا گیا۔

حاشیہ[1]: مطابق ۱۷ اگست سنہ ۱۸۶۶ء۔

رسم تعزیت و دربار جلوس | قدرت کا تماشا دیکھئے کہ اڑھائی سال کی عمر کے سلطان کو اپنے بادشاہ باپ کی تعزیت کا پرسا لینے اور اپنی مسند نشینی کے فرائض ادا کرنے پڑے۔

۱۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو حضرت مغفرت مکان (نواب افضل الدولہ بہادر) کی رسم زیارت ادا ہوئی اور اسی روز دوپہر کے وقت منجھلی بیگم صاحبہ کی حویلی میں دربار تعزیت منعقد ہوا۔ خردسال بادشاہ مسند پر رونق افروز تھا۔ اور تمام امرائے دولت اور عہدہ داروں نے بموجودگی مسٹر سانڈرسن رزیڈنٹ ماتم پرسی کی نذریں پیش کیں۔ اور دوسرے روز دوشنبہ تخت نشینی کا دربار منعقد ہوا۔

دربار آصفیہ کی پوری شان نمایاں تھی۔ امرائے دربار آصفیہ و عہدہ داران و ارکانِ دولت اور جلیل القدر انگریز افسر اور سردار موجود تھے اڑھائی برس کا سلطان دکن سفید جامہ اور گرندار دستار شاہی زیب تن کئے ہوئے انا کی گود میں تشریف لائے۔ اور مسند نشین ہوئے۔ آپ کے تشریف فرماتے ہی نذریں پیش ہوئیں۔ اور مبارک باد کے شادیانے بجنے لگے۔

کونسل آف ریجنسی کا قیام | حیدرآباد کا اڑھائی سالہ سلطان جو پورے طور پر کلام کی بھی طاقت نہ رکھتا تھا امور سلطنت کو سرانجام دینے سے فطرتاً قاصر تھا۔ اس لئے مہمات ملک داری کے انصرام کے لئے مختار الملک سر سالار جنگ اعظم (جنہوں نے حیدرآباد کی تاریخ میں شاندار کام کیا ہے) اور نواب عمدۃ الملک امیر کبیر شمس الامراء رفیع الدین خان بہادر عرف منجھلے میاں کی ایک کونسل آف ریجنسی مقرر کر دی گئی۔ اور تمام امور سلطنت ان فطرتاً ہوا خواہان دولت آصفیہ کے ذریعے سرانجام پانے لگے۔ اعلیٰحضرت کی تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری بہت بڑا کام تھا۔ گرانِ دنا کیشان ازلی نے اس فرض کو جس دیانت اور اخلاص کیساتھ ادا کیا اس نے

تاریخ آصفیہ میں انہیں دائمی زندگی بخشی ہے

تسمیہ خوانی* | خورد سال مگر جوان بخت سلطان آن جلد جلد ترقی کرنے لگا۔ ۱۰؍ شعبان ۱۲۸۷ھ کو نہایت شان و شوکت سے آپ کی تقریب بسم اللہ ہوئی۔ اس موقعہ پر روایات دولت آصفیہ کے موافق ہر طبقہ کے لوگوں کو اعلیٰ قدر مراتب انعامات و صدقات تقسیم ہوئے۔ شہر میں چراغان کیا گیا۔ اور رزیڈنٹ صاحب بہادر نے بھی آکر مبارکباد پیش کی۔ اب خورد سال جوان بخت سلطان سمجھنے لگا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑی ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں۔

دوسرے تعلیمی حالات | غرض آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور یہ سلسلہ دینی تعلیم سے شروع ہوا۔ مولوی محمد زمان خاں صاحب شاہجہانپوری نے آپ کو الف۔ ب کی تعلیم شروع کرائی۔ اور انہوں نے سورۃ فاتحہ اور بعض اردو کی کتابیں شروع کرائیں ایک مشہور خطاط مولوی مظفر الدین صاحب خوشخطی سکھانے کے لئے مامور ہوئے۔ جو سہ پہر کو تختی لکھوایا کرتے تھے۔ آپ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تمام شاہانہ تربیت کے لئے ہر قسم کے مناسب اور موزوں انتظامات تھے۔

جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو مختلف انگریزوں کے مشورے سے کپتان جان کلارک کو آپ کی انگریزی تعلیم کے لئے اتالیق مقرر کیا گیا۔ مگر وہ اگلے سال چلے گئے تو انکے بھائی کپتان جان کلاڈ کے سپرد یہ خدمت کی گئی ۱۸۸۱ء تک اس جوان بخت سلطان نے جو اپنے پیارے نام کی طرح سب میں محبوب تھا۔ انگریزی اور فارسی میں اچھی قابلیت پیدا کرلی۔ اور اسی سلسلہ میں سواری نشانہ بازی اور دوسرے کرتب بھی آپ کو بقدر ضرورت سکھائے گئے۔

حاشیہ* ۔ حضور مرحوم کی تعلیم کے متعلق آپ کے استاد نواب سرور الملک مرحوم کا بیان انہیں کے الفاظ میں نہایت دلچسپی سے پڑھا جاویگا۔ جسکو میں انکی تزک "مائی لائف" کے اردو ترجمہ کارنامہ سروری سے دیتا ہوں (صفحہ ۴۳ تا ۴۴)

جہاں بانی کی تعلیم | سر سالار جنگ اعظم نے (جو حقیقی معنوں میں خان بابا کا کام کر رہا تھا) اپنے خورد سال بادشاہ کو امور سلطنت کی تعلیم دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی - اور اس مقصد کے لئے انہوں نے امور سلطنت کے متعلق ایک مجموعہ معلومات سلطنت خود مرتب کیا - اور اس طرح پر دولت آصفیہ کے خورد سال فرمانروا کو اس اہم فرض کے لئے تیار کیا جو عملاً اس کے سامنے آنے والا تھا - سلطنتوں اور حکومتوں کی تاریخ میں ایسے مواقع پر عہدہ دار اور نگران کار حرص و لالچ کی وجہ سے بعض اوقات غدار اور بے وفا ثابت ہوتے ہیں مگر سر سالار جنگ اعظم کی زندگی ایک کوہ وقار وفادار انسان کی زندگی ہے - جس نے خورد سال سلطان کے عہد طفولیت میں تعمیر حیدر آباد کے لئے قابل یادگار ایثار اور محنت سے کام لیا۔

میری پہلی باریابی[1]

دوسرے روز سہ پہر کو حسب الطلب میں بہ ملبوس خاص یعنی جامہ نیمہ و دستار و کمر اول وزارت پناہ کی خدمت میں پہونچا - مجھ کو اس لباس میں دیکھ کر بہت خندہ زن ہوئے مگر جامے کی قطع و بُرید اور اس کے بندوں کو ناپسند فرمایا بعدہٗ وہاں سے سیدھا دولت شاہی پر حاضر ہوا - باہر کے جلوخانہ پر میانہ چھوڑا اور پا پیادہ جامے کو سنبھالے ہوئے کئی جلوخانے طے کر کے خلوت میں پہنچا - وہاں دو ہز صاحب یعنی تہنیت یار الدولہ و مستحکم جنگ میرے منتظر تھے - اوّل ہم سب نے نماز عصر پڑھی - بعدہٗ تہنیت یار الدولہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کا نام روشن بنگلہ تھا وہاں چلے گئے کچھ عرصے کے بعد جب حضور پر نور برآمد ہوئے تو انھوں نے مجھ کو طلب کیا - چھوٹا سا دالان چھوٹی سی انگنائی دالان میں مسند بچھی ہوئی اس پر حضور کلاہ زر نگار برسر، انگرکھا ململی در بر، لمبی لمبی چوٹیاں تا بہ کمر عمر شریف کوئی آٹھ برس کی

---

[1] درحاشیہ - تاریخ باریابی ۲۲ محرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء - اس باریابی کے تین سال بعد سالگرہ مبارک کی تقریب میں میرے بچوں کو سرپیچ مرصّع اور سو روپیہ منصب رکاب سعادت عطا ہوا -

سرسالار جنگ اعظم نے اپنے بیٹے امیر کبیر کے بیٹے اور بعض دوسرے امرا کے بیٹوں کو نظام ششم کا مصاحب اور ہم جماعت بنا دیا۔ تاکہ وہ سوسائٹی کی ذمہ داریوں اور ادب کو مدنظر رکھ سکیں۔ اور وہ فطری جذبات جو بچوں میں اپنے ہمجولیوں سے کھیلنے اور باہم بات چیت میں آزادی اور بے تکلفی کے ہونے میں مرنہ جائیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ سالار جنگ اعظم کا یہ

نظام تربیت کامیاب ثابت ہوا

اور اس خورد سال بچے نے جوان ہوکر جب زمام سلطنت کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لیا تو اسکی عظیم الشان شخصیت نے اپنے طرز عمل اپنی قوت فیصلہ اپنے جودو سخا اور غریبوں سے پوری ہمدردی اپنے اعیان دولت کی وفاداری اور اخلاص کی صحیح قدردانی عام علمدوستی اور نفع رسان فطرت سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸۔ جلوہ افروز تھے۔ دوتین مامائیں سفید ننبل برف ڈوپٹوں میں لپٹی ہوئیں پس پشت استادہ بڑے میاں اور اُن کے بیٹے دست بستہ روبروئے مسند بیٹھے ہوئے، اوّل لفظ جو حضور پرنور نے ارشاد فرمایا یہ تھا کہ " انگریزی بولی کیسی ہوتی ہے سناؤ " میں نے انگریزی میں عرض کیا کہ I pray for your Highness long life and prosperity اس کے بعد فوراً برخاست فرما گئے۔ وہاں سے اول وزارت پناہ کی خدمت میں برائے نذر حاضر ہوا اور وہاں سے حسب الحکم کپتان صاحب کی خدمت میں گیا۔ دوتین روز سے ملاقات کی نوبت نہ آئی تھی بہت تپاک سے ملے اور تمام حالات سن کر وہ اور اُن کی بی بی دونوں ہنستے رہے۔ بالخصوص میرے جامہ و نیمہ پہنے ہوئی شکل پر بہت قہقہے لگائے۔

روز اوّل ودس مبارکؐ ملاقات کپتان صاحب[1] | علی الصباح میں حسب قرار داد در دولت فلک رفعت شاہی پر حاضر ہوا اور بگھی خانہ سے اُتر کر چو محلہ مبارک میں پہونچا۔ آفتاب محل میں تہنیت یافضل الدولہ ہستکم جنگ۔ اکرام جنگ عرض بیگی معزالدین و فصیح الدین صاحب حاضر تھے۔ نیچے کے دالانوں میں حکیم باقر علی خان و مسیح الدوران خاں و

درحاشیہ[1]۔ شاید ۱۵ رمحرم مگر سنہ یاد نہیں ۱۲

ایک محبوب عالم سلطان کا مقام حاصل کرلیا

ایک عجیب روایت اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں کو جیسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ دولت آصفیہ میں آپ سب سے پہلے سلطان ہیں جو اڑھائی برس کی عمر میں بادشاہ ہوئے۔ اسی طرح ایک روایت کی بنا پر آپ آصفی کنگدم میں ایک ہی بادشاہ ہیں جنہوں نے باپ کو اور جس کو باپ نے کبھی نہیں دیکھا۔

میں نے اس روایت کی مورخانہ تحقیقات نہیں کی۔ لیکن ایک طبقہ میں یہ مشہور ہے کہ نواب افضل الدولہ بہادر کو کسی فقیر نے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے بچے پر نظر نہ ڈالیں۔ اور نواب افضل الدولہ بہادر مرحوم نے اس فقیر کی ہدایت کی پوری پابندی کی۔

حاشیہ صفحہ ۱۱۹۔ ڈاکٹر محمد اشرف و غلام دستگیر چار چار بچھائے ہوئے بیٹھے تھے ان سب سے مصافحہ وغیرہ ہوا۔ اتنے میں ایک کم سن گورے چٹے امیر زادے، دوہرا بدن جامہ دنیمہ دربر و دستار طرہ[۱] دار آصف جاہی بر سر چند مصاحبین کے ہمراہ حاضر ہوئے معلوم ہوا کہ یہ ظفر جنگ فرزند خورشید جاہ شریک درس حضور پرنور ہوئے ہیں۔ اُسی وقت ہرکارہ نے خبر دی کہ کپتان صاحب چار مینار تک آپہونچے۔ متکلم جناب استقبال کے واسطے دروازہ پر جا کھڑے ہوئے۔ نہنیت یار الدولہ[۲] نے چوبدار کو حکم دیا کہ محل میں اطلاع کرو جلد حضور پرنور برآمد کئے جائیں۔ اس عرصہ میں کلارک صاحب بھی آگئے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ سب کو یہ خیال تھا کہ حضور پرنور پہلی بار انگریز سے ملتے ہیں مبادا مرعوب ہوجائیں۔ مگر میں نے نواب وزارت پناہ کا اطمینان کر دیا تھا اور اب حضور پرنور بھی سواری

در حاشیہ[۱] مشہور یہ ہے کہ بادشاہ اورنگ زیب حضرت آصفجاہ کو نواب چین قلیچ خاں پکارا کرتے تھے اور کمال مہربانی کے باعث خاص اپنی پگڑی عنایت فرمائی تھی چنانچہ یہ پگڑی اس وقت سے ہر رئیس کے زیب سر مبارک رہی مگر آخر عہد سلطنت میں میر محبوب علیخان جنت آرامگاہ نے یہ پگڑی ترک فرماکر ایک بلند بیٹی پگڑی زیب سر فرمائی شاید یہ پگڑی اقبال الدولہ وقار الامراء نے ایجاد کی تھی جو آپ عام طور پر باندھی جاتی۔ ہے گو قدیم خاندانوں میں اب تک اپنی اپنی خاندانی پگڑیاں باندھی جاتی ہیں ۱۲

[۲] ۔ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ کو انتقال کیا۔



حضرت آصف جاہ ششم

"غفران مکاں"

تعلیم و تربیت کا اجمالی بیان | اعلیحضرت میر محبوب علیخان جو چھٹے آصفجاہ ہو کر اڑھائی سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے تھے۔ شاہانہ انتظام اور مخلصانہ احتیاط و نگرانی میں اپنی عمر کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ نواب مختار الملک سر سالار جنگ اور امیر کبیر شمس الامراء کو قدرتی طور پر اس دن کا بے صبری سے انتظار تھا۔ جب کہ یہ بچہ سلطان جوان ہو کر عنان حکومت ہاتھ میں لے۔ آپ کی ہر تقریب پر بے انتہا خوشی کا اظہار ہوتا تھا ۶ ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ بہ حیثیت بادشاہ آپ کا پہلا دربار سالگرہ ہوا جس میں بہت سے امراء اور عمائدین کو خطابات ملے۔ ایسا ہی ۸ جمادی الثانی ۱۲۹۱ھ کو آپ پہلی مرتبہ پالکی میں سوار ہوئے۔ اور اسی ماہ کی ۹ تاریخ کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰ - ہوا اور رونق افروز ہوئے۔ چند مامائیں پیچھے پیچھے تھیں کپتان صاحب نے استقبال کرنا چاہا۔ میں نے ان کو روک دیا۔ خلاصہ اینکہ دائیں جانب کے درہ میں گول میز اور کرسیاں پہلے سے رکھ دی گئی تھیں میں اور کلارک صاحب ظفر جنگ اور مستحکم جنگ کرسیوں پر بیٹھے باقی کل حاضر باشان و مامائیں وغیرہ طاز مین سامنے سے ہٹ گئے۔ حضور پر نور کے چہرۂ مبارک سے خوف تو ظاہر نہ تھا مگر متحیر تھے کہ میں نے جیبوں میں سے دو تین تصاویر خوش رنگ نکالیں اور وہ سامنے رکھ کر ان کی نسبت باتیں بنانے لگا۔ یہاں تک کہ ظفر جنگ اور حضور پر نور ہنس پڑے۔ اس وقت باجازت کپتان صاحب میں نے کہا کہ اب حضور تشریف لے جائیں۔ کلارک صاحب مجھ سے بہت خوش ہوئے اور مجھ کو ساتھ لیکر چو محلہ کے پس پشت کل پھیروں کے وسیع میدان کو دیکھ کر کہا کہ یہاں لان ٹینس بنوانا چاہیئے۔ کپتان صاحب انگریزی میں کہتے گئے میں اردو میں مستحکم جنگ کو سمجھاتا گیا۔ دوسرے دن میں ایک کتاب نفیس جلد کی جانوروں کی تصویر والی اور ان کی نسبت حکایات والی لے کر گیا۔ جب ہم سب پھر میز پر بیٹھے، میں نے وہ کتاب کھولی۔ شیر کی تصویر نکلی۔ انگریزی پڑھتا گیا اور اپنی زبان میں بیان کرتا گیا کوئی پندرہ منٹ بعد حسب اشارہ کپتان صاحب میں نے کہا تو چھٹی ہے اب تشریف لے جائیے۔ خوش خوش صحبت برخاست ہوئی۔ دوسرے روز میں سلیٹ پنسل وغیرہ بھی لیتا گیا۔ اول حکایات خوانی ہوئی بعد اس کے میں نے سلیٹ سامنے رکھ کر شیر کی تصویر دانستہ خراب کھینچی۔ ظفر جنگ نے اعتراض کیا۔ مستحکم جنگ اور کپتان صاحب ہنسنے لگے۔ حضور پر نور نے میرے ہاتھ سے پنسل چھین لی اور خود اس کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ الغرض تین چار روز میں

جلوس کے ساتھ پہلی مرتبہ زیبا باغ آصف نگر تشریف لیگئے۔ اس موقعہ کے لئے خاص انتظامات کئے گئے تھے۔ اور دو طرفہ فوج کھڑی تھی اور تقریباً سارا شہر اپنے بادشاہ کو دیکھنے کے لئے موجود تھا۔ یہ باتیں بطور کھیل یا تفریح کے نہ تھیں بلکہ حیدرآباد کے مدبر اعظم (جس کو حیدرآباد کا پرنس بسمارک کہا جاتا ہے) نے اسے شاہی تربیت کے لئے ضروری سمجھا تھا۔ حیدرآباد کے بادشاہ کو سکھانا تھا کہ پبلک تقریبون میں کیا ہوتا ہے۔ اس کی سیر و تفریح بھی کچھ ضوابط و قواعد رکھتی ہے۔

اسی طرح آپ ایک مرتبہ اسی مہینے کی ، ار تاریخ کو اپنے حشم و خدم کے ساتھ کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہوکر رزیڈنسی تشریف لے گئے۔ اور وہاں حسب دستور

اعلیٰحضرت کیلئے سلامی ہوئی

یہ سال و ماہ اسی قسم کی مصروفیتوں میں گذرتے گئے۔ ۲۲ محرم ۱۲۹۲ھ بروز دوشنبہ، آغا مرزا جو بعد میں نواب سرور الملک کے خطاب سے ملقب ہوئے۔ آپکے استاد قرار

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱۔ ہم سب ایسے بے تکلف ہو گئے کہ گویا مدت العمر سے ساتھ رہے تھے۔ وزارت پناہ مجھ سے ایسے خوش ہوئے کہ ایک گھڑی مع زنجیر بذریعہ مستحکم جنگ حضور پر نور کے پاس بھیجی کہ مجھ کو عطا فرمائیں اور کپتان کلارک صاحب نے خاص ڈنر کی دعوت کی جس میں نواب وزیر مع چند ملازمین مثل سید حسین صاحب بلگرامی میر ریاست علی اور امراء میں نظام یار جنگ وغیرہ مدعو ہوئے۔ میں نے اس شب کو عمامہ فرخ آبادی سر پر رکھا تھا۔ جس پر سید حسین صاحب نے مجھ کو کاکنی[1] خطاب دیا اور واقعی صحیح خطاب دیا۔ اس واسطے کہ اتنی بڑی کامیابی کے بعد میں اپنی ہنسی بھول گیا تھا اور اترا تا پڑا پھرتا تھا۔ سید صاحب کے اس خطاب نے چونکا دیا۔ اور عمامہ اتار کر پگڑی سر پر رکھ لی۔

خلاصہ این کہ دوسرے روز میں نے حروف انگریزی کا درس شروع کر دیا اور ظفر بیگ کو دھکا دھکا کر کے حضور پر نور کی نظروں میں اپنا وقار بھی قائم کر لیا۔ اب درس کا دستور یہ تھا کہ میں اور کپتان صاحب اور حضور پر نور

در حاشیہ [1] لندن کے نوجوان رنگیلوں کا لقب کاکنی (Cockney) ہے۔

آپ کے سپرد کام ہوا کہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرائیں نواب سرور الملک کے خاندان کو اس خدمت پر ہمیشہ ناز رہیگا۔ اور یہ جائز فخر ہوگا۔ میں اِن تمام تقریبات کا چھوڑتا ہوں جو حضور کی تربیت شاہانہ کے لئے عمل میں آتی تھیں مثلاً بزرگوں کی درگاہوں پر جانا اور اظہار عقیدت اور اخلاص کے لئے نذرانہ چڑھانا یا دادو دہش کے عرفی سبق اِن کو دئے جاتے تھے۔ مختلف قسم کی سواریوں میں سوار ہونے کے عملی آداب سکھائے جاتے تھے۔ مقصد وحید یہی تھا کہ دولت آصفیہ کا سلطان جوان ہو کر تمام امور سلطنت سے واقف اور اپنے عالی مرتبہ مقام کے لحاظ سے عملی زندگی رکھتا ہو۔ میں جب اعلیحضرت کی تربیت کے اِن انتظامات اور واقعات میں سے گذرتا ہوں تو مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور نواب مختار الملک کے اخلاص اور محبت کو دیکھ کر وجد کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲۔ ظفر جنگ ساتھ بیٹھے تھے۔ اور مستحکم جنگ وغیرہ کل حاضر باش نیچے کے بیوتات میں اپنے اپنے چار جامے بچھا کر حاضر رہتے تھے۔ دس بجے سے قبل درس برخاست ہو جاتا تھا۔ اور میں وہاں سے اٹھ کر مدرسہ نظامیہ میں حاضر ہو جاتا تھا۔ بہت دن نہ گزرے تھے کہ نواب وزارت پناہ نے اس عذر سے کہ حاضر باشان در دولت شاہی سے میں خانگی کام نہیں لیتا۔ میری حاضری معاف فرمائی۔ میں نے اپنے برادر عزیز دافر تمیز مرزا رفیع الدین بیگ سلمہ[۱] کو وہاں ملازم رکھا دیا۔ یہ امر ایک شخص اکبر علی نامی کو جو دست گرفتہ سید حسین صاحب تھا اور ابتدائی تعلیم میں چند روز میرا ہم درس بھی کیننگ کالج میں رہا تھا ناگوار گزرا اور اب اس کی بدولت وہ پریشانی دامن گیر ہوئی کہ تادم تحریر ہذا اس میں گرفتار ہوں۔ یعنی اسی مرحوم نے مجھ میں اور سید حسین صاحب میں نااتفاقی کی بنا ڈالی، جو روز بروز بڑھتی گئی۔ کئی بار یہ نوبت پہونچی کہ میں ڈیوڑھی مبارک سے نکالا جاؤں مگر ہر بار پروردگار عالم رحیم و کریم جل جلالہ و عم نوالہ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بلا میری جستجو و کوشش کے بچالیا۔ اور ایک میں ہی استاد حضور پر نور کا ہوں کہ درس کی ابتدا میرے ہاتھ پر ہوئی اور ختم بھی میرے ہاتھ پر ہوا دوسرے استاد بیچ میں شریک ہوئے یا قبل ختم غائب ہوگئے اور ایک میں ہی خوش قسمت ہوں کہ برابر مورد الطاف شاہی ہوا

درحاشیہ ۱۔ مرزا رفیع الدین بیگ یہ وحشی چچا مرزا عاشور بیگ کے سنجھلے بیٹے۔ انتقال بمقام علی گڑھ بماہ رمضان ۱۳۴۹ھ

بال بال بچے | بڑے آدمیوں کی تاریخ حیات کو اگر ہم غور سے پڑھیں تو اس میں حیرت انگیز واقعات ہوتے ہیں کہ وہ کس طرح خطرناک مقامات اور حالات میں سے بال بال بچ جاتے ہیں۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کو ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس میں حضرت محبوب الملک بال بال سلامت رہے آپ جب سیر کو نکلتے تو امرائے عظام میں سے کوئی ایک آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اس روز نواب اقبال الدولہ بہادر کی ڈیوٹی تھی۔ مگر نواب سلطان الملک بہادر کی ناسازی طبیعت کے سبب وہ شریک نہ ہو سکے اور نواب محتشم الدولہ بہادر اور مسٹر کلارک ٹیوٹر آپ کے حضور میں شریک نشست تھے یکایک نواب صمصام الدولہ بہادر کے جلوخانہ کے قریب گھوڑے بدکے اور میر جملہ کے تالاب کی طرف بگ ٹٹ ہو کر بھاگے۔ کوچ مین راستہ میں گر گیا اور گاڑی کا پول بھی ٹوٹ گیا۔ اور خطرۂ عظیم پیدا ہو گیا۔ لیکن آپ بالکل بے خوف وخطر پورے استقلال سے بیٹھے رہے۔ اسی حالت میں ایک حبشی نے جو مقدم جنگ جمعدار عرب کے ملازموں میں سے تھا گھوڑے کے پیر پر تلوار ماری جس کی وجہ سے وہ دائرہ میر کے قریب رُکے اور

حضور صحیح سلامت گاڑی سے اترے

اور نواب محتشم الدولہ بہادر کی گاڑی میں سیر کرتے ہوئے ایوانِ شاہی میں داخل ہوئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳۔ اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے ایک قدیم انگریزی تدبیر میرے ذہن میں آئی۔ جس کو "وہپنگ بوائے" کہتے ہیں۔ یہ تو ناممکن تھا کہ میں ہر وقت ظفر جنگ کو دھمکاتا رہتا اس واسطے کہ بعد ذات بابرکات حضور پرنور جملہ امراء میں ان کا مرتبہ اعلیٰ تھا اور سزا دینی تو دھمکی سے زیادہ ناممکن تھی۔ پس تجویز یہ قرار پائی کہ چند منصب داران رکاب سعادت بچے بھی حاضر رہیں۔ اور ان کو علیحدہ درس دیا جائے گویا ایک مکتب مختصر میری نگرانی میں قائم کیا جائے۔ اور ان کی درس دہی کے واسطے میں نے مرزا رفیع الدین بیگ کو اپنی پیش دستی میں لے لیا۔ اُن میں سے صرف ممتاز علی کا نام یاد رہ گیا جو اب بخطاب ممتاز یار جنگ افسر الملک بہادر کی دامادی سے ممتاز ہیں۔ ان بچوں کو میں روزانہ دھمکاتا اور اکثر دو تین بید بھی لگا دیا کرتا تھا۔ کسی وقت میں یہ عام دستور

اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے اپنے شاہانہ عزم و استقلال کا جو نمونہ دکھایا وہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔

نواب گورنر جنرل سے ملاقات کے لئے سفر اسی سال ۲۰ ذیقعدہ کو آپ معہ حشم و خدم آپ دہلی تشریف لے گئے یہ سفر اس زمانہ کی مراسم مروّجہ کے لحاظ سے کیا گیا۔ امرائے دولت اور حضرت والدہ حدالنسا بیگم صاحبہ بھی ساتھ تھیں۔ عید الضحیٰ دہلی میں ہوئی اور دربار عید وہیں منعقد ہوا اور معمول کے موافق امرائے دولت اور دوسرے اہلکاروں نے جو ساتھ تھے نذریں پیش کیں۔ واپسی پر حیدرآباد میں پورے جلوس کے ساتھ آپ کی سواری ایوانِ شاہی میں داخل ہوئی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴۔ یورپ میں تھا کہ شاہزادوں کی ادب آموزی کے واسطے Whipping boy تجویز کئے جاتے تھے۔ اگرچہ شاہان دہلی میں اس کے خلاف دستور تھا۔ چنانچہ ملا جیون عالمگیر کی خوب گوش مالی کرتے تھے۔ الغرض صبح سے دوپہر تک درس انگریزی اور بعد دوپہر درس مولوی محمد زمان خان صاحب شہید یہ اوقات درس کے مقرر ہو گئے سہ پہر کو منشی مظفر الدین خوشنویس تختی لکھوایا کرتے تھے۔

مولانا محمد زمان خان شہید نہایت احباب پرست آدمی تھے اکثر اہل حاجت اُن کے ذریعہ سے کامیاب ہوتے رہتے تھے۔ ایک روز ایک غریب الوطن امیدوار کو اپنے ساتھ وزیر با تدبیر کے پاس لیگئے اور فرمایا کہ آپ تو مختار الملک لفظاً و معنیً ہیں۔ میں محتاج الملک کو آپ کی ملاقات کے واسطے لایا ہوں۔ نواب صاحب نے فوراً معقول منصب سررشتہ دیوانی سے جاری فرما دیا۔ میں بھی اُن کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ رائے یہ قرار پائی کہ میرے مشورہ سے علاوہ درس قرآن مجید کچھ درس فارسی بھی شروع کر دیا جائے اور وقتاً فوقتاً بقدر فرصت میں بھی اِن کی خدمت میں حاضر ہوتا رہوں ایسے با خدا تھے کہ اُن کا فقیرانہ رعب تمام اہل بلدہ پر حاوی تھا۔ اُن کی شہادت کا بھی عجیب قصہ ہے۔ طلبہ ہر طرف سے اُن کے پاس معقولات و منقولات پڑھنے کو آتے تھے۔ منجملہ ان کے ایک مہدوی پٹھان نوجوان سید نصرت صاحب کا مرید بھی ان کا شاگرد تھا۔ مولوی صاحب نے ایک مجلد کتاب

در حاشیہ ۵ مرزا شاہ علی بنگلہ اندرون بلدہ۔ برادر کلاں مولوی مسیح الزمان خان۔ مولانا محمد زماں خاں بتاریخ ۸ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ شہید ہوئے ۱۲

اسی طرح پر یہ سلسلۂ تربیت جاری رہا اور ۱۶ ؍صفر ۱۳۰۱ھ کو اعلیٰحضرت لارڈ رپن وائسرائے ہند کی ملاقات کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں نواب سر خورشید جاہ بہادر نواب وقارالامراء بہادر، نواب شمس الملک بہادر، راجہ نرندر بہادر پیشکار دمنعم مدارالمہام نواب میر لائق علیخان بہادر عمادالسلطنۃ، نواب میر سعادت علیخان بہادر شجاع الدولہ مہاراجہ راجہ کشن پرشاد بہادر، نواب صمصام الملک بہادر، نواب افسر الملک بہادر، نواب محبوب یار جنگ بہادر وغیرہ وغیرہ امراء وارکان و اعیانِ دولت ہمراہ تھے۔ کلکتہ میں مسلمانوں نے آپ کے ورود پر اظہار مسرت کیا۔ اور انجمن مسلمانان کلکتہ نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵۔ تردید مذہب مہدوی میں تصنیف فرمائی تھی جس سے مہدوی پٹھانوں کو غصہ آیا۔ سید نصرت صاحب بھی مولانا کے شاگرد رشید بہت ذی علم اور مہدوی پٹھانوں کے امام اور پیش نماز تھے۔ انھوں نے اس کتاب کے جواب کے واسطے اپنے مریدین سے چندہ طلب کر کے ایک عربی کتاب کتبخانہ بمبئی اور مصر وغیرہ مقامات سے جمع کیا تھا۔ گر یکایک اس نوجوان مہدوی کو ایسی حمیت مذہبی آئی کہ اپنی جان نثار کرنے کو مستعد ہو گیا۔ اس کی والدہ نے اس دن اس کو نہلایا بالوں میں تیل ڈالا، سرمہ آنکھوں میں لگایا۔ پھول کے ہار گلے میں ڈالے اور ایک چھرا دے کر کہا کہ بیٹا شہید بنو اور ہم کو بخشواؤ، وہ اس وقت پہونچا کہ مولوی صاحب مسجد میں بعد ظہر قرآن پڑھ رہے تھے۔ اس نے اول دو رکعت نماز ادا کی اور پھر آہستہ آکر اس قوت سے چھرا مارا کہ مولوی صاحب کا دل و جگر سب کٹ گیا۔ نواب وزارت پناہ اِن ایّام میں کلکتہ برائے ملاقات صدر صوبہ دار ممالک ہند گئے ہوئے تھے، اور نواب مکرم الدولہ ان کے بھانجے مسند وزارت پر نیابۃً متمکن تھے کہ یکایک بلدہ فرخندہ بنیاد میں ایک شور و غل مچ گیا۔ مگر وہ لڑکا کسی حکمت سے نکلکر چنچل گوڑہ میں سید نصرتِ صاحب کی خدمت میں پہونچ گیا۔ اہل بلدہ اور بالخصوص سندوزئی پٹھانوں اور عربوں نے بدلہ لینے کے واسطے کمریں باندھ لیں۔ بلدہ کے دروازے بند ہو گئے چار مینار پر توپیں پہونچ گئیں۔ مکرّم الدّولہ مرحوم نے کمال استقلال سے اس مرحلہ کو طے کیا اور اہل بلدہ سے وعدہ کر لیا کہ نواب وزارت پناہ کی واپسی پر پورا بدلا لیا جائے گا۔ چنانچہ نواب وزارت پناہ نے آکر کل مہدوی پٹھانوں کو داخل بلدہ ہونے کی ممانعت کر دی اور سید نصرت صاحب کو ان کے مکان میں قید کر دیا۔ مجرم کو سزائے قتل

ایک تہنیت نامہ بھی پیش کیا۔ وائسرائے سے ملاقات کے بعد آپ نے وہاں کی نمائش دیکھی واپسی پر کلکتہ میں محبوب شاہی پل کا سنگ بنیاد رکھا۔ واپسی پر شہر کو دلہن کی طرح آراستہ دیکھا۔ اور بہ نفسِ نفیس منصور نامی ہاتھی پر سوار ہو کر رات کو چراغاں کا معائنہ کیا۔

تختِ نشینی | آخر وہ دن آگیا جس کا انتظار تھا۔ آپ بالغ ہو گئے یہ ۱۸۸۴ء کا واقعہ ہے۔ ۵/ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو اعلیٰحضرت باقاعدہ سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے۔ اور اس موقعہ پر جو شاہانہ رسوم مقرر تھیں آپ نے بہ نفسِ نفیس روایات خاندانِ آصفی کے ماتحت انجام دیں۔ میں تمام اِن امور کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں۔ جو اس موقعہ پر سرانجام پائے۔ وائسرائے نے ایک شاندار تقریر کی جو ایسے موقعہ پر ایک رسمی چیز سمجھی جاتی ہے عملاً گویا آج کے بعد آپ کا

عہدِ حکومت شروع ہوا

عہدِ حکومت | میں آپکے عہدِ حکومت کے تاریخی اور تفصیلی واقعات بیان نہ کرنے کے لئے عذر کرنے پر مجبور ہوں اس لئے کہ یہ کتاب تفصیلات کے لئے صرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶۔ دی گئی وہ ہنستا کھیلتا گورکھا ملی[1] کے نیچے اپنے مذہب پر تصدق ہو گیا۔ نہیں معلوم حوروں کی گود میں گیا یا اژدہائے آتش فشاں کے پیٹ میں گیا۔ بہرحال میرا نقصان کر گیا کہ میرا ایک زبردست قدردان میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اُن کی جگہ ان کے برادر خورد مولوی مسیح الزماں خاں مرحوم جو پہلے آستانۂ وزارت میں میرے خواجہ تاش تھے، یہاں بھی میرے خواجہ تاش بنائے گئے۔ مولوی صاحب نے آتے ہی اپنے بھائی شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض شروع کئے اور بہت جلد مستحکم جنگ کو انتظام ڈیوڑھی مبارک سے معطل کر کے کل کارخانجات کو سوائے اصطبل و بگھی خانہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس قدر اپنا رعب وداب گردو اطراف میں جمایا کہ نواب وزارت پناہ بھی اُن سے کنیانے لگے۔ اور مجھ سے تو اس قدر مخالفت کرتے رہے کہ ڈیوڑھی مبارک میں ابھی دور کی علیک سلیک رہ گئی۔

در حاشیہ [1] یہ مقام موسیٰ ندی کے شمالی کنارے پر پل افضل گنج اور پرانے پل کے درمیان واقع تھا۔ اس مقام پر مجرمین قابل قصاص سے قصاص لیا جاتا تھا۔

حضرت میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ

کے سوانح حیات کی امین ہے مجھے اگر یہ سعادت اور عزت نصیب ہوئی کہ حیات محبوب لکھوں تو اس میں تمام تفاصیل کو جمع کردونگا۔ سردست میں اہم واقعات کا مجملاً ذکر کرونگا۔

وزراء | آپ کا عہد حکومت بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں عہد حیات ہندوستان کے مدبر اعظم سر سالار جنگ اوّل کے عہد میں شروع ہوا۔ انہوں نے اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر کے ایام صغر سنی میں جس اخلاص اور وفاداری کے ساتھ کام کیا۔ اور آپ کی تربیت میں جو دلچسپی لی وہ بے نظیر ہے۔ سر سالار جنگ کا ارادہ تھا کہ اپریل ۱۸۸۲ء میں اعلیحضرت کو سیاحت یورپ کے لئے لے جائیں لیکن مشیت ایزدی کچھ اور چاہتی تھی۔ ۸ر فروری ۱۸۸۲ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور صرف ایک رات بیمار رہے۔ کہا جاتا ہے کہ رات کو دو بجے آپ کو ہیضہ ہوگیا۔ آپ کے بعد قدرتی طور پر سالار جنگ ثانی وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ مگر افسوس آپ کی عمر نے وفا نہ کی ۷ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو آپ وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ ۱۲ر رجب ۱۳۰۴ھ کو آپ نے استعفیٰ دیدیا اور ۷ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔

سالار جنگ اوّل کی وفات کے بعد عہدۂ وزارت ایک عجیب مشکلات کا موضوع رہا اور اس میں بہت بڑی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اعلیحضرت میر محبوب علیخاں مرحوم نے سالار جنگ ثانی کے استعفیٰ کے بعد مسند وزارت پر نواب سر آسمان جاہ بہادر کو ۱۰ر ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ منصرم مدار المہام مقرر فرمایا۔ اور ۱۴ر شوال ۱۳۰۵ھ کو انہیں مستقل کردیا۔ مگر بعد میں کچھ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ نواب سر آسمانجاہ بہادر نے ۹ر جمادی الاوّل ۱۳۱۱ھ کو استعفیٰ داخل کردیا۔ اور ان کی جگہہ قدرتی طور پر نواب سر وقار الامراء اقبال الدولہ بہادر وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ وہ اس سے پیشتر بھی منصرمانہ مدار المہام کی خدمات سر انجام دیتے رہے تھے۔ ۹ر ربیع الاول ۱۳۱۲ھ مدار المہام ہوئے۔ لیکن ۱۰ ر جمادی الاول کو وہ بھی مستعفی

ہو گئے ۔

اس کے بعد اسی تاریخ کو مہاراجہ سرکشن پرشاد مستقر م مدارالمہام مقرر ہوے ۔ اور ۲۶ ر شعبان ۱۳۲۰ھ کو مستقل ہو گئے ۔ اور آخر تک آپ ہی مدارالمہام رہے۔

اس سلسلہ میں یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ جب نواب مختار الملک میر لایق علیخان بہادر نے استعفیٰ دیا تو بندگان عالی نے بہ نفس نفیس وزارت کے امور کو بھی سرانجام دیکر ثابت کردیا کہ

دکن کا فرمانروا بغیر وزیر اعظم کے بھی کام کرنیکی قابلیت رکھتا ہے

ان ایام میں سر آسمان جاہ لندن میں دربار جوبلی کی شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے حضور نے بذریعہ تار نواب سر آسمان جاہ کو لندن میں ہی وزارت عظمیٰ کے تقرر کا حکم ارسال فرمایا ۔

اصلاحی کارنامے دولتِ آصفیہ کی تاریخ میں اصلاحی تاریخ کا دور بھی حقیقت میں دورِ محبوبی ہی میں شروع ہوا ۔ مختلف محکموں کی اصلاح اور ان کی ترقیات کی اسکیم آپکے عہد کا جلیل الشان کارنامہ ہے اس کی تفصیلات اسی حیات محبوبی کے مقتضی ہیں جس کی طرف میں اوپر اشارہ کر آیا ہوں ۔ دولتِ آصفیہ کی ترقیات کے لئے آپ نے ایک ایسی شاہراہ تیار کر دی تھی جس پر چل کر آپ کے پیچھے آنے والے سلاطین بہت بڑا انقلاب حیدر آباد کی اصلاحی اسکیم میں کر سکتے تھے ۔ چنانچہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائیگا کہ

حیدر آباد جدید کے معمار سلطان العلوم نے جو معجزہ دکھایا وہ اسی بنیاد کا نتیجہ ہے

برار کا پٹہ آپ کے عہد کی تاریخ دولت آصفیہ کی تاریخ میں بعض حیرت انگیز واقعات کو لئے

ہوئے ہے انہیں میں سے ایک واقعہ برار کا دوامی پٹہ ہے۔ جس کے متعلق واقعات اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اعلیٰحضرت کی مرضی کے خلاف دباؤ سے لارڈ کرزن نے حاصل کیا۔ یہ ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے چونکہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم کے عہد عثمانی میں مسئلہ برار کا عمل حل ہونے والا ہے اور حیاتِ عثمانی میں شاید میں اسے تفصیل سے لکھ سکوں اس لئے یہاں اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ

لارڈ کرزن کی زندگی کا یہ واقعہ عبرتناک ہے

ہیرے کے مقدمہ میں شہادت | اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں مرحوم کی زندگی کا یہ واقعہ بھی ایک غیر فانی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ ہیرے کے مقدمہ میں آپ نے بنفسِ نفیس شہادت دینے سے مضائقہ نہیں کیا آپ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر شہادت سے بچ سکتے تھے۔ اور آپ کو اس کے لئے قانوناً مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آپ نے

اغراضِ انصاف اور مذہب کو مقدّم کیا

قرآن کریم کے رُو سے ہر مسلمان کا بلکہ ہر انسان کا شہادت حقہ کو ادا کرنا ضروری ہے اور جو شخص شہادت حقہ کا کتمان کرتا ہے وہ گنہگار ہے۔ اس لئے اعلیٰحضرت نے اس موقعہ پر اغراض انصاف کو مقدم کیا اور اپنے مذہبی فریضہ کا احترام ۔ اس مقصد کے لئے جو جریدہ آپ نے شائع کیا ہے وہ

ایک غیر فانی دستاویز آپ کی صداقت پسندی کی ہے

مختلف واقعات | حکومت انگلشیہ کے ساتھ آپ نے دوستانہ تعلقات کو پوری قربانی کرکے قائم رکھا اور ان تعلقات کو مضبوط رکھنے میں آپ نے معاہدات کا احترام اپنا نصب العین

بنایا جو ہر مسلمان کے لئے ایک خاص نشان ہے۔ ہر موقعہ پر دولت آصفیہ کے خاندان کی روایات کے موافق حکومت انگریزی کو پوری مدد دی۔ سرحد پر جنگ چھڑی تو اپنی خدمات پیش کیں۔ مصر میں انگریزی حکومت کو نازک حالات سے گذرنا پڑا۔ اس وقت بھی آصفجاہ ششم نے نہ صرف فوج پیش کی بلکہ بشرط ضرورت بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ برما کی مہم میں بھی مدد دی اور سرحدی جنگ میں ۲۰ لاکھ نقد بھی دیا۔

موسی ندی کی طغیانی آپ کے عہد کا سب سے زیادہ درد انگیز واقعہ موسی ندی کی طغیانی ہے۔ حیدرآباد کی تاریخ میں موسی ندی کی طغیانی یوں تو کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ رود موسی کی طغیانیوں کی تاریخ ۱۰۸۱ھ ہجری تک جاتی ہے جبکہ عبداللہ قطب شاہی سلطان حکمران تھے۔ دولت آصفیہ میں سب سے پہلی طغیانی ۲ ربیع الثانی ۱۱۵۰ھ کو ہوئی۔ دوسری ۱۱۸۰ھ کو تیسری ۲ ربیع الثانی ۱۱۸۵ھ کو، پھر ۱۲۲۴ھ بعہد نواب سکندر جاہ بہادر۔ دوبارہ پھر ۱۲۳۷ھ کو ہوئی۔ نواب ناصرالدولہ غفران منزل کے عہد سلطنت میں بھی ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ کو طغیانی آئی۔ پھر آپ کے عہد میں ۲۰ ذیقعدہ ۱۲۶۵ھ کو طوفان ہوا۔ ۲۲ رمضان ۱۲۶۷ھ کو بھی اس معیبت سے شہر دوچار ہوا۔ حضرت نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد میں ۲۹ محرم ۱۲۷۵ھ کو طغیانی ہوئی۔ اس طرح پر اس ندی میں طغیانی کا سلسلہ گویا تین سو برس سے جاری تھا۔ لیکن اس مصیبت سے نجات اور آئندہ کے انتظام کا کوئی خیال نہیں ہوا۔ وقتی انتظام ہوتے رہے۔

یہ سعادت چونکہ اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر آصفجاہ ہفتم کے حصہ میں آنے والی تھی اس لئے وقتی ضرورت کا انسداد ہوتا رہا۔

اعلیحضرت میر محبوب علیخان مرحوم کے عہد میں ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ رات کے دو بجے کثرت بارش کے سبب طغیانی ہوئی۔ یہ مصیبت نہایت دلگداز تھی۔ مگر یہ زیادہ دیر تک نہ رہی جو مکانات غرباء وغیرہ کے منہدم ہو گئے تھے ان کی تعمیر وغیرہ کے لئے سرکار نے ۱۳۲۱ف کو

دو لاکھ روپے امداد میں دیدیئے۔ لیکن اس واقعہ سے بھی مستقل انسداد کی طرف توجہ نہیں ہوئی آخر ۲ رمضان ۱۳۲۶ھ کو جو طغیانی آئی وہ

قیامت کا نمونہ تھی

اس مصیبت سے خلقِ خدا پر جن تکالیف کا نزول ہوا قلم اس کے بیان سے قاصر ہے۔ اعلیحضرت اس مصیبت سے بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نہ صرف ہر لحظہ حالات معلوم کرتے تھے بلکہ متعدد مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر مصیبت زدہ رقبہ میں جاتے اور لوگوں کو بہ نفس نفیس تسلی دیتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ عرصہ تک سجدہ میں گرے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس عذاب کے دور ہونے کے لئے دعا کرتے رہے۔ آپ کو اپنی رعایا کی تباہی کا بے حد صدمہ تھا۔

مصیبت زدگان کے لئے آپ نے شاہی محلات کو کھول دیا۔ اور بغیر کسی امتیاز کے ہر ایک کو آکر پناہ لینے کی اجازت دیدی۔ کھانے اور کپڑے کے لئے لنگر خانے جاری کر دیئے ملازمین کو ایک ماہ کی پیشگی دیدی۔ دفاتر میں دس یوم کی تعطیل دیدی آپ نے جبر نقصانات کے لئے علاوہ ان انتظامات کے ایک لاکھ روپیہ نقد اور خزانہ ریاست سے پانچ لاکھ روپیہ دیا تاکہ تباہ شدہ لوگوں کو اصلاح حالات کا موقعہ ملے۔

اعلیحضرت کو ملکِ معظم پرنس آف ویلز اور دوسرے بہت سے ممتاز لوگوں کے پیغامات ہمدردی موصول ہوئے۔ اس موقعہ پر جو انتظام حضور نے فرمایا اس کی اہمیت کا پتہ تفصیلات سے مل سکتا ہے جو حیات محبوب میں ملیں گی۔ غرض آپ نے اپنی غریب اور مصیبت زدہ رعایا کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ

یہ ہمدردی ہی تھی جس نے رعایا کو اس صدمہ میں زندہ رکھا

ورنہ بہت سی اموات خود کشیوں کی ہو جاتیں۔ طغیانی کی وجہ سے قریباً بائیس[۲۲] لاکھ روپیہ صرف کیا گیا۔ جس میں سے نو لاکھ سے زائد عام چندہ کا تھا۔ باقی اعلیحضرت کی جیب اور خزانہ سرکار عالی سے۔

غرض اس موقعہ پر حضور نے جس شفقت اور ہمدردی کا عملی ثبوت دیا اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔

وفات اور عام اخلاق اعلیحضرت اپنے اخلاق اور جود و کرم کی وجہ سے بے حد ہر دلعزیز تھے۔ وہ اپنی ہی مملکت میں نہیں۔ بلکہ باہر بھی محبوب تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اپنی رعایا کا بے حد خیال رہتا تھا اس کی راحت و آسایش کو وہ مقدم سمجھتے تھے۔ جو حاجت مند آپ کے پاس پہنچ جاتا وہ کبھی نامراد اور خالی ہاتھ واپس نہیں آیا۔ بلکہ جو مانگا سو پایا۔ مار گزیدہ کے متعلق آپ کے عمل کا خاص چرچا تھا۔ آپ نے اس مقصد کے لئے ایک خاص محکمہ کھول دیا تھا۔ عام حکم تھا کہ مار گزیدہ کوئی بھی ہو کسی وقت بھی آئے تو آپ کو فی الفور اطلاع کیجائے اور اگر سوتے بھی ہوں تو جگا دیا جائے۔ اس سے مخلوق کی نفع رسانی کی اسپرٹ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی سپاہیانہ فنون میں آپ ماہر تھے۔ اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز اور شہسوار تھے۔ نہایت رحم دل۔ خوش مذاق۔ علم و فضل کے سرپرست اور ارباب علم کے مربی تھے۔ اور وہ تمام خصائل اپنے اندر رکھتے تھے جو ایک بلند پایہ انسان میں ہونے چاہئیں۔ کہا جاتا ہے کہ عمر بھر میں آپ نے ۵۶ کروڑ روپیہ خیرات کیا۔ سانپ کا عمل کہتے ہیں آپ نے ایک قیدی سے سیکھا تھا۔ اور شدید سردی کے زمانہ میں موسیٰ ندی میں کھڑے ہو کر وہ عمل کیا اور یہ حالت پیدا کر لی کہ جہاں کسی کو سانپ ڈستا اور وہ میر محبوب علی کا نام لے لیتا تو فوراً زہر اتر جاتا۔

آپ کی وفات کا واقعہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ آپ فلک نما پر مقیم تھے کہ ۲ رمضان ۱۳۲۹ھ بروز یکشنبہ دن کے تین بجے دفعتاً آپ پر غشی طاری ہوئی تھوڑی دیر تک یہی حالت رہی

اور اسی روز مغرب کے بعد دو چار اسہال ہوئے جو غیر معمولی تھے۔ اور ان کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر اجابت پر حالت خراب ہوتی چلی گئی ڈیڑھ بجے شب کو حضرت والدہ صاحبہ کو ڈیوڑھی سے بلوایا۔

مہاراجہ صاحب بہادر مدار المہام رزیڈنٹ صاحب بہادر حکماء و ڈاکٹر اور دوسرے اعیان دولت موجود تھے۔ برابر رات کے تین چار بجے تک یہی حالت رہی حکیم نابینا صاحب کا علاج ہو رہا تھا۔ آخر ۱۷ رمضان ۱۳۲۹ھ بروز دوشنبہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے دولت آصفیہ کا محبوب بادشاہ بادشاہوں کے بادشاہ حضرت رب العالمین کے حضور میں بلایا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ خبر شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور دولت آصفیہ کا دار الخلافہ آن واحد میں ماتم کدہ بن گیا۔ دن کے ڈیڑھ بجے آپ کا جسد مبارک موٹر میں رکھ کر ڈیوڑھی خلوت میں لایا گیا۔ اور رات کے ساڑھے گیارہ بجے مخصوص دروازہ سے جنازہ مکہ مسجد میں لایا گیا۔ اور جنازہ کی نماز کے بعد حضرت مغفرت مکان کے پہلو میں حیدرآباد کا محبوب بادشاہ سپرد خاک ہو گیا۔ اور اس نظارے نے بتایا۔

چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

اس خبر نے تمام ہندوستان میں ایک ماتمی لہر پیدا کر دی۔ مختلف شہروں میں ہڑتال ہوگئی۔ اور مختلف ادارے سوگ میں بند ہوئے۔ خود وائسرائے بہادر نے وائسریگل راج کا جلسہ بال ملتوی کر دیا اور سرکاری دفاتر میں تعطیل غم ہوئی۔ ہندوستان کے پریس نے اس وفات پر ماتم کیا۔ انگلستان کے اخبارات نے بھی اظہار افسوس ہوا۔ حیدرآباد ریاست کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں متعدد تعزیتی پیغامات ہر حصہ ملک سے آئے۔

مرنے والا بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ اور اپنے نام کی طرح محبوب تھا۔ آپ کی وفات کے بعد دولت آصفیہ کے تخت پر وہ عظیم الشان انسان جلوہ افروز ہوا جس کے عہد سعادت کی تاریخ ہونے کا اس کتاب کو شرف ہے۔ یعنی قبل اسکے کہ میں حیدر آباد جدید کے عظیم الشان بانی کا تذکرہ حیات لکھوں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اجمالی طور پر ان حالات کا ذکر کردوں جو اعلیحضرت مرحوم کے عہد حکومت میں مختلف قسم کی الجھنوں کا موجب ہورہے تھے انکے بیان کرنے سے میری غرض صرف یہ ہے کہ تا آصف جاہ ہفتم کی صائب تدبیری اور روشن خیالی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

اعلیحضرت مرحوم کے عہد میں دربار کی حالت عجیب تھی شروع سے لیکر آخر تک، مختلف قسم کی سازشیں امرا و عمائد میں جاری رہیں اور ان کے باہمی اختلاف اور رقابت نے دفاتر کی حالت پر بھی اثر ڈالا اور ڈیرہ بندیاں قائم ہو کر ایک دوسرے کو شکست دینے کی ذہنیت کارفرما تھی۔ اسی وقت سے گویا یہ بات زبان زد ہو گئی کہ حیدر آباد میں دو سین اور دو شین کام کرتے ہیں۔ آپس کے اختلافات اور ذاتی نزاعوں نے مختلف اوقات میں مختلف قسم کے فتنے پیدا کر دئیے۔ جو بعض تو بالواسطہ ہو نہ ہو سکتے تھے اور بعض بلا واسطہ مثلاً ہیرے کا مقدمہ تھا۔ جس میں اعلیحضرت مرحوم کو بھی شہادت دینی پڑی اعلیحضرت مرحوم نے اسی موقعہ پر جو جریدہ شائع فرمایا وہ

عہد محبوبی کی شاندار دستاویز ہے

اگر میرے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ میں حیات محبوب لکھ سکا تو میں نہایت تفصیل سے ان فتنوں کا ذکر کرونگا۔ اعلیحضرت مرحوم کے عزم و استقلال کا بھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے متعدد اور مختلف فتنوں میں آپ

طوفان میں چٹان

کی طرح کوہ وقار ثابت ہوئے انہیں فتنوں میں مسٹر مترا کے پمفلٹ سے پیدا شدہ فتنہ بھی تھا جس نے دربار کے اعلیٰ اراکین مین پارٹی فیلنگ اور باہم جدال کی سیرت پیدا کردی تھی۔ سیزدہ سالہ رپورٹ بھی جلتی آگ پر تیل ڈالنے کا موجب ہوئی تھی اور اس نے بھی ایک طوفان بے تمیزی پیدا کردیا۔

سردار ولیر الملک اور معدنیات کا مقدمہ بھی ایک تاریخی باب عہد محبوبی کا ہے جس سے اہلکاروں کی بلند پروازیوں اور کارسازیوں کا صحیح نقشہ سمجھ میں آتا ہے وقار حیات اور کارنامہ سروری کا مطالعہ اس عہد کی سیاسی بساط پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے۔

حضرت آصف جاہ سابع نے حضرت مرحوم کے عہد میں امراء اور عمائد کی حالتوں پر ایک مبصرانہ نظر کی تھی اور جیسے آپ نے اسی زمانہ میں انگریزی حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات پر ایک دور رس اور نتیجہ خیز نظر کرکے ایک فیصلہ کرلیا تھا۔ امرائے دولت اور وزرائے حکومت کے متعلق بھی ایک انقطاعی فیصلہ کرلیا تھا کہ حکومت میں کس حدتک ان کے دخل اور اثر کو رہنے دینا چاہیئے۔

جو شخص عہد عثمانی کی تاریخ کو اس نقطہ خیال اور ان حالات کی روشنی میں پڑھیگا جو اسوقت پیدا ہوچکے تھے وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ

آصف جاہ سابع نے تجدید حکومت کی ہے

گو کچھ شک نہیں کہ آپ نے اس شاہراہ اور اصول کو مکمل کیا جسکی داغ بیل حضرت مرحوم نے رکھی تھی مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ یہ کام نہایت مشکل اور خطرناک تھا۔ قدرت نے بھی اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے راستہ کو صاف کرنے میں بڑی مدد کی۔ امرائے پائیگاہ میں جو باہم نزاعیں تھیں انکا خاتمہ ان کے ساتھ ہوگیا۔

وزارت کے سوال پر جو جھگڑے ہوتے تھے وہ بھی نواب سر وقار الامراء بہادر کی وفات کیساتھ ختم ہوگئے۔ اوران باہمی جھگڑوں نے آئندہ وزارت کے قلمدان کو امرائے پائیگاہ کے ہاتھ سے اور مدبر اعظم سر سالار جنگ کے خاندان سے بھی الگ کر دیا۔ اہلکاروں کی ریشہ دوانیوں کا بھی انسداد ہوگیا وہ لوگ جو پارٹی سازیوں کا مرکز سمجھے جارہے تھے۔ یکے بعد دیگرے رخصت ہوگئے۔ اورحالات میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگئی۔ جوان بخت اور جوان سال آصف جاہ ہفتم نے جب عنان حکومت ہاتھ میں لی تو مطلع صاف ہونے لگ گیا یہانتک کہ ہر قسم کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب عثمانی پوری شوکت اور جلال کے ساتھ ضیا بخش دولت آصفیہ ہوگیا۔

یہ مختصر سا تذکرہ مجھے محض اس لئے کرنا پڑا تا کہ عہد عثمانی کی شان پورے طور پر سمجھ میں آسکے۔

اعلیحضرت مرحوم اپنے وفا کیش خدام کے پورے قدر داں تھے اور ان کے لئے ہر قسم کی فیاضی کرتے تھے۔ خطا پوشی اور عفو تقصیر میں بھی کمال تھا۔ موسیٰ ندی کی طغیانی نے جب حیدرآباد کے بعض حصوں کو تباہ کر دیا اسوقت اعلیحضرت مرحوم کی شفقت اور اپنی رعایا کیلئے دلسوزی بیحد موثر تھی۔ آپ کئی دنوں تک سخت بیقرار رہے اور بارگاہ ایزدی میں بھی دعائیں کرتے تھے رعایا کے آسایش و آرام کے لئے اپنے خزانے کھولدئے اور شاہی عمارتیں پناہ گزینوں کے لئے کھولدی گئیں۔ غرض وہ نظارہ ایک درد انگیز اور رقت بخش نظارہ تھا۔ متعدد مرتبہ آپ رقبہ متاثرہ میں جاتے اور اپنی زبان فیض ترجمان سے اپنی محبوب رعایا کو تسلّی دیتے۔ اور ان حالات کو دیکھکر اشکبار ہوجاتے تھے۔ اس موقع پر کیا انتظامات کئے گئے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر مجھے یہ بتانا ہے کہ حضرت آصفجاہ سابع نے اس مصیبت عظمیٰ کو دیکھا اور اپنی بے بس رعایا کو آئندہ کے لئے اس قسم کے حملوں سے بچانے کا پروگرام بھی عہد ولیعہدی ہی میں تجویز کرلیا جو آج ہم حمایت ساگر اور عثمان ساگر کی شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ اور

حیدرآباد جدید کے دیکھنے والے سیاح کو کبھی سمجھ بھی نہیں آسکتی کہ موسیٰ ندی کی طغیانی نے کیا قیامت خیز اثر پیدا کیا تھا۔ اس خرابی میں تعمیر جدید کا ایک راز پوشیدہ تھا جو میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ کے ہاتھوں کھلنے والا تھا۔

جہاں بعض ارضی و سماوی آفات نے حیدرآباد پر حملہ کیا اور جہاں دولت آصفیہ کی سیاسی بساط پر امرار و ارکان دولت کے مہرے اپنی چالوں کا ایک خاص نقشہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں

حیدرآباد کے مستقبل پر تقدیر ہنستی تھی

اور یہ سب کچھ ہونے والے سلطان کے لئے ایک درس عبرت تھا۔

حضرت محبوب دکن کے عہد سلطنت کا ایک شاندار واقعہ آپ کا جشن چہل سالہ سالگرہ مبارک بھی ایک خاص تقریب تھی۔ جو ۸ ارشوال ۱۳۲۳ھ سے لیکر ۲۲ شوال تک رہا۔ اس جشن کی دھوم دھام نے ایک مسرت کی عام لہر پیدا کر دی تھی۔ اس جشن کا آغاز

جمعہ کی نماز سے ہوا تھا

حضرت مرحوم کے عہد میں بہت سی شاہی اور پبلک عمارات تعمیر ہوئیں اور بعض خریدی گئیں پہلی شاہی عمارتوں میں بعض اہم اضافے ہوئے۔

اعلیحضرت مرحوم خود ذی علم اور علم دوست تھے علمی قدردانی آپ کی ذات پر ناز کرتی تھی۔ شاعرانہ فطرت لیکر آئے تھے اور آصف تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے کلام پر تبصرہ میرے مقصد اور امکان میں نہیں اور نہ اس تالیف کا یہ موضوع ہے۔ البتہ آپ کے کلام سے آپ کی سیرۃ اور حسن کردار کا پتہ چلتا ہے مثلاً ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور کریں
مرد جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیتے ہیں

اس شعر میں آپ کی قوت عمل کا ایک مظاہرہ ہے ایک دوسرے شعر میں فرماتے ہیں سہ

جو کامیاب نہو کوئی یہ نصیب اسکا ۔۔۔ نہیں قبول کی آصف نے التجا کسکی

یہ شعر وسعت حوصلہ فیاضی فراخ دلی کی شان کا مظہر ہے۔ غرض حضرت محبوب مرحوم اپنی رعایا کے اور رعایا ان کی محبوب تھی۔ میں صرف ایک اور واقعہ کا ذکر کرکے اسکو ختم کردیتا ہوں اور یہ ایک

تاریخی سپاسنامہ ہے[1]

جو اعلیٰحضرت مرحوم کو علیگڑھ کالج کے ٹرسٹیوں کی طرف سے دس سال کی عمر میں پیش کیا گیا جبکہ اعلیٰحضرت مرحوم دربار قیصری میں شرکت کے لئے تشریف لیگئے تھے۔

یہ سپاسنامہ اور اس کا جواب ایک نادر تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت غفران مکان اپنی رعایا میں کسی قسم کی تفریق و امتیاز پسند نہ فرماتے تھے اور ہندو مسلم

حاشیہ[1]۔ اس سپاسنامہ کے متعلق یہ اقتباس دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔ سپاسنامہ کا جواب اخوت اسلامی اور اخوت انسانی کے جن اعلیٰ جذبات کا امین ہے۔ مجھے اس پر کچھ بھی اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی مثال ہو کہ کسی قوم کے بڑے بڑے عمر رسیدہ اکابر و اشراف نے اپنی قوم کی طرف سے کسی ایسی شخصیت کے حضور میں جس نے ابھی اس دنیا میں عمر کی صرف دس بہاریں دیکھی ہوں۔ کوئی سپاسنامہ پیش کیا ہو۔ لیکن یہ نادر و قابل احترام مثال اس دارالعلوم کی تاریخ میں ہی پائی جاتی ہے۔ دولت آصفیہ نے اس دارالعلوم کی ابتدائی بنیاد و قیام سے ہی جو مرحمت خسروانہ فرمائی۔ اور جو گرانقدر امداد عطا کی (جس کا سلسلہ بیش از بیش ابھی تک قائم اور جاری ہے) اس کے لحاظ سے مجلس خزینۃ البضاعۃ نے یہ طے کیا کہ مجلس کے چند منتخب ممبر بہ مقام دہلی جبکہ اعلیٰحضرت نظام الملک آصف جاہ سادس میر محبوب علیخان بہادر دربار قیصری کی شرکت کے لئے تشریف لائیں حاضر ہوکر سپاسنامہ پیش کریں۔ جب یہ درخواست پیشگاہ خسروی سے منظور ہوگئی تو وہ اصحاب مولوی سمیع اللہ خان کی سرکردگی میں بطور

دونوں کو اپنی دونوں آنکھیں یقین کرتے تھے اس خصوص میں عالیجناب راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنتہ وزیر اعظم دولت آصفیہ کا بیان ایک حقیقت و صداقت کی شان رکھتا ہے اور میں اسی پر اس باب کو ختم کرتا ہوں چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ

مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت غفران مکان علیہ الرحمتہ محبوب دکن نے اس فقیر کو خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا تو اپنی مدبرانہ روشن خیالی اور شاہانہ ہر دلعزیزی سے منجملہ اور بہت سی نصیحتوں کے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ہندو مسلم میری دو آنکھیں ہیں اگر ان میں سے کسی فرقہ کو نقصان پہونچا تو

گویا میری آنکھ کو نقصان پہونچا

ملک کی ترقی و تہذیب کے لئے ان دونوں فرقوں کے اتحاد و اتفاق کو اپنی

حکمرانی اور سلطنت کی قوت سمجھتا ہوں

یہی پولیسی ہمارے آقائے ولی نعمت حضرت ظل سبحانی آصفجاہ سابع مدظلہ العالی کی ہے (مہاراجہ سرکشن پرشاد) یمین السلطنتہ نے اعلیحضرت مرحوم و مغفور کے جس طریق عمل و نقطہ نظر کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ ایک ایسا امتیاز خصوصی ہے جس پر

بقیہ حاشیہ۔ ڈیپوٹیشن کے دہلی حاضر ہوئے اور تیسری جنوری ۱۸۷۱ء کو یہ ڈیپوٹیشن دربار میں باریاب ہوا۔ جب سب ممبر حاضر ہوگئے تو اعلیحضرت تشریف لائے۔ تمام ممبروں نے لوازم آداب و تعظیم کے بعد نذریں پیش کیں پھر مولوی سمیع اللہ خاں نے سپاسنامہ کو جو فارسی میں تھا پڑھا اور نقرئی بکس میں رکھ کر پیش کیا۔ اس کے بعد حضور نظام استادہ ہوئے اور نواب رشید الدولہ بہادر نے حضور ممدوح کی جانب سے جواب پڑھا جو تحریری تھا۔ اس کے بعد حضور نظام نے اپنے دست مبارک سے وہ جواب مولوی محمد سمیع اللہ خان کو عنایت فرمایا اور تمام ممبروں کو نہایت اخلاق و اعزاز سے رخصت کیا۔

اس اڈریس میں اعلیحضرت کی گورنمنٹ کی مرحمتوں کا شکریہ ادا کرکے مسلمانوں کی عام عقیدتوں کا اظہار کیا۔ اور دارالعلوم کی عمارت و دارالنوادر و میوزیم آپکے نام نامی سے موسوم کرنے کی منظوری چاہی تھی۔ یہ سپاسنامہ بہت مختصر تھا۔ لیکن اس کا ہر لفظ جوش و جذبات سے معمور تھا۔ اس میں ایک موقع پر حسب ذیل تین شعروں میں ان تمام جذبات کو بھر دیا۔

آصفی کنگڑم کو ہمیشہ جائز فخر رہیگا

دولت آصفیہ کی تاریخ میں یہ خصوصیت نمایاں ہے کہ سلاطین نے اپنی رعایا کے مختلف طبقوں میں باوجود مسلمان ہونے کے سلوک و مروت میں کوئی امتیاز کبھی پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں بھی کسی خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ مذہب اور ضمیر کی آزادی کو انسان کا فطرتی حق سمجھ کر ہمیشہ عملاً تسلیم کیا۔

بہرحال علیگڑہ سے واپسی کے بعد دولتِ آصفیہ کو ہمیشہ علیگڑہ کی تعلیمی ترقیات کیساتھ دلچسپی ہوئی اور عملاً حیدرآباد نے جو نوازشات اس دارالعلوم پر کی ہیں وہ

بے نظیر ہیں

حیدرآباد کے شرفا نے اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے وہاں بھیجا اور علیگڑہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو حیدرآباد کی حکومت نے سر آنکھوں پر جگہ دی اور ہر موقعہ پر حکومت نے اپنی فیاضی کا ہاتھ دراز کیا۔ اور اس وقت جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں

حضرت سلطان العلوم علیگڑہ یونیورسٹی کے چانسلر ہیں

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے میں بعض اہم تعزیرات کا بھی ذکر مناسب سمجھتا ہوں جو

بقیہ حاشیہ۔

ائے کہ توئی باعثِ اعزازِ ما	ہست زتو فخر و مباہات ما
بو سرِ ظلِ تو ظلِ ہما	تو سزاوار بود ماز
تختِ نظام است منور زتو	تاجِ دکن باد درخشان زتو

جواب میں اس خلوص و عقیدت کا شکریہ تھا اور اخوت اسلامی کی طرف اس طرح اشارہ کرکے کہ۔

"مسلمانان ہر جا کہ باشند با ہمدگر برادر انند"

اخوت ملکی کو یوں بیاں کیا تھا "بلکہ باشندگانِ یک ولایت باوجود اختلاف قوم و ملت اعضائے دیگرانند"

اس کے بعد اس قسم کی امدادوں کو اپنی حکومت کا فرض بنا کر میوزیم کی عمارت کو اپنے نام سے موسوم کرنیکی اجازت دی۔

عہد محبوبی کی تاریخ کا جزو اعظم ہیں

ان تغیرات میں سے ایک

حکومت کی زبان کا انقلاب تھا

اس وقت تک ریاست کی عدالتی اور حکومتی زبان فارسی تھی تمام فیصلے اور ہر قسم کی سرکاری مراسلت فارسی زبان میں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ تلنگی اور مرہٹی کا بھی دور دورہ تھا بعض دفاتر ان زبانوں میں تھے اور افسران اعلیٰ کو جو ان زبانوں سے واقف نہ تھے مشکلات پیش آتی تھیں اور اس دوعملی سے دفتری مشکلات ہی نہیں بلکہ حصول انصاف اور معاملات کے تصفیہ میں صیانت حقوق کا سوال خطرہ میں پڑ رہا تھا اس لئے تمام دفاتر میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے

آئندہ سرکاری زبان اُردو قرار پائی

اس انقلاب پر قدرتاً مختلف قسم کے خیالات کا اظہار ہونے لگا۔ اس وقت یہ بھی خیال تھا کہ ہم اپنی زبان (فارسی) کو جو فاتح قوم کی زبان ہے ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ

یہ تغیر لازمی تھا

اس تغیر نے اُردو کی اہمیت پیدا کر دی اور رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی کہ اب حیدرآباد کی ریاست کو اس پر بجا ناز ہے کہ

اس نے سب سے پہلے اُردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیا

اس علمی اور لسانی انقلاب کے بعد جس انقلاب کو میں نہایت اہم سمجھتا ہوں وہ

وزارت کا انقلاب ہے

حیدرآباد کی وزارت ہمیشہ سے ایک ایسا عہدہ تھا کہ حکومت کی عنان اسی کے ہاتھ میں تھی اور حکمران رئیس دراصل برائے نام حکمران تھا۔ اعلیحضرت مرحوم کے عہد میں

عمائد و امراء اور عہدہ داران کی باہم چشمک نے ایک حیرت انگیز حالت پیدا کر دی جو انقلاب عظیم کی داعی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ تک تو اعلیحضرت مرحوم آپ ہی وزارت کا کام بھی کرتے رہے اور پھر مختلف اوقات میں وزارت میں انقلاب ہوتا رہا۔

اعلیحضرت مرحوم چاہتے تھے کہ وزارت کے منصب عظیم پر امرائے پائیگاہ مامور ہوں۔ اس لئے کہ اس خاندان کو دولت آصفیہ کے ساتھ وفاداری اخلاص اور قرابت کا جائز ادعا تھا اور دولت آصفیہ بھی ایسا ہی یقین کرتی تھی۔ اس مقصد کے پیش نظر سالار جنگ کے خاندان سے وزارت امرائے پائیگاہ کی طرف منتقل ہوئی اور نواب سر آسمانجاہ بہادر خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے وہ اس وقت ولایت میں تھے جب ان کا تقرر ہوا اور بذریعہ تار اطلاع دی گئی۔ لیکن نواب سر آسمانجاہ کا عہد وزارت کچھ کامیاب عہد ثابت نہ ہوا۔ میں اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا اور نہ یہ موقع ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ پائیگاہ کے خاندان کے لئے یہ امتیاز دائمی امتیاز ہو سکتا تھا اگر

سر آسمانجاہ کی وزارت کامیاب ہوتی

لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اور تھی۔ آخر وزارت میں پھر انقلاب ہوا اس مرتبہ بھی اعلیحضرت مرحوم نے پائیگاہ ہی کے خانداں کو مقدم کیا اور قلمدان وزارت

نواب سر وقار الامراء کو تفویض ہوا

لیکن انقلاب وزارت کے ساتھ جس خرابی کی بنیاد پڑ چکی تھی وہ مضبوط ہوتی گئی اور آخر کار نواب سر وقار الامراء بہادر مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس استعفیٰ کے بعد جلد ہی ان کی زندگی کا جام لبریز ہو گیا۔ اب وزارت میں انتہائی اور آخری انقلاب

ہوگیا اور۔ **یہ سعادت میرمن السلطنتہ کے حصے میں آئی**

جو اس وقت تک وزیر اعظم ہیں۔

تیسرا انقلاب عہد محبوبی میں یہ ہوا کہ وزیر اعظم اور رزیڈنٹ کے مابین مراسلات کا جو طریق تھا وہ بالکل تبدیل ہوگیا جو دفتر اور کارکن اس خدمت پر مامور تھے وہ برائے نام رہ گئے اور طریق کار دوسرا ہوگیا اور دوسرے لوگ اس کے کارکن مقرر ہوئے۔ اس قسم کے انقلابات شہادت دے رہے تھے کہ

آنیوالا سلطان دکن کا عظیم الشان مصلح ہوگا

اس لئے کہ ہر طرف سے آواز آرہی تھی

مصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند

اعلیحضرت مرحوم اپنا کام کر چکے تھے اس لئے قدرت نے آپ کو آخری پیغام بھیجدیا اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات قدرتی طور پر ایک بہت بڑا صدمہ اور زبردست انقلاب تھا اور

حیدرآباد کے عہد جدید کا آغاز تھا



دوسرا حصہ

حیاتِ عثمانی

(اعلیحضرت میر عثمان علیخان آصفجاہ ہفتم کے سوانح حیات)

انٹروڈکٹری نوٹ

اَب میں دولتِ بہیہ آصفیہ کے اِس حصّہ میں آیا ہوں جو اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم سلطان دکن (خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ ومتعنا اللہ بطول حیاتہ آمین) کے حالات زندگی سے مخصوص ہے۔ اس حصہ میں میں آپ کے سوانح حیات کا محض واقعات کے رنگ میں ذکر کرونگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں کہیں کہیں میں سیرۃ عثمانی کے کسی پہلو کا بھی سرسری ذکر کروں لیکن دراصل سیرۃ عثمانی کے لئے اس کتاب کا تیسرا حصہ مخصوص ہے۔ اور بہ حیثیت سلطانِ دکن آپ نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں اور آپ کے عہد معدلت عہد میں جو علمی۔ اقتصادی۔ اخلاقی اور مادی ترقیات ہوئی ہیں انکا ذکر ایک مخصوص جلد میں ہوگا جو برکاتِ عثمانی کے نام سے موسوم ہے اور وہ اسی حیاتِ عثمانی کی دوسری جلد ہے۔

حضرت آصف جاہ ہفتم کے سوانح حیات کی ترتیب مین میں نے واقعات اور حالات کی ترتیب کو سنین کی ترتیب کے لحاظ سے عموماً مدنظر نہیں رکھا بلکہ میں نے واقعات کو جمع کردینے کا کام کیا۔

اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ دولت آصفیہ کے اس جلیل الشان سلطان کی سیرۃ وسوانح پر
مختلف اوقات میں اور مختلف زبانوں میں تالیفات ہوں گی کیونکہ

آصف جاہ ہفتم حیدرآباد جدید کا بانی ہے

بلکہ میں تو ایک بصیرت اور شعور کے ساتھ یہ جانتا ہوں کہ زمانہ آئندہ کا مورخ دولت آصفیہ
کی تاریخ کو عہد عثمانی سے شروع کریگا۔ اور پہلے آصف جاہی سلاطین کا تذکرہ بالاجمال
کیا جائے گا جسطرح یہ حضرت نظام علیخان آصفجاہ کا نام دولت آصفیہ کے بانی کی حیثیت سے
لیا جاتا ہے آئندہ زمانہ کا مورخ حیدرآباد جدید یا دولت آصفیہ کے عہد جدید کا

بانی میر عثمان علیخان بالقابہ کو قرار دیگا

میں نے حضرت آصفجاہ ہفتم کے سوانح حیات کے جمع کرنے میں ایک اس امر کو بھی مدنظر رکھا ہے کہ
سوانح حیات کے ان واقعات کو خواہ وہ کیسے ہی چھوٹے یا معمولی کیوں نہ ہوں ترک نہ کیا جائے
جو اعلیحضرت کی سیرۃ یا کریکٹر کے کسی پہلو کو علم النفس کی روشنی میں نمایاں کرتے ہوں
سوانح نگار اپنے نقطۂ نظر کے ماتحت واقعات کو ترتیب دیتا ہے اور میں بھی اسی کلیہ سے
مستثنیٰ نہیں ہوں لیکن میرے نظر جو چیز بالخصوص رہی ہے وہ یہ ہے کہ میں

امتیازی خصوصیات کو نمایاں کرسکوں

بہت ممکن ہے کہ اس خصوص میں بعض اہم واقعات نظرانداز ہوگئے ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں
کہ وہ کمی نقش ثانی کے وقت پوری ہوسکے گی سردست تو میرا مقصد اسی قدر ہے کہ میں اس
عظیم الشان وجود کو واقعات کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کروں جس کی

ذات پر بحیثیت بادشاہ اسلامی دنیا ناز کرسکتی ہے

میں سمجھتا ہوں آنے والے اوراق حیات عثمانی کے پڑھنے والے اسی نقطہ نظر سے پڑھیں گے جو میں نے اس تمہیدی نوٹ میں بیان کر دیا ہے۔

عہد عثمانی اپنی گوناگون خصوصیات کے لحاظ سے دولت آصفیہ کی تاریخ میں ممتاز ہے اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ دولت آصفیہ میں اس شان اور پایہ کا کوئی سلطان نہیں گذرا تو اس سے میرا مقصد صرف نسبتی امتیاز کا اظہار ہے ورنہ دولت آصفیہ کے گزشتہ سلاطین اپنے عہد کے ماحول کے لحاظ سے اپنی جگہ پہ

جلیل الشان سلاطین تھے

دولت آصفیہ کی امتیازی خصایص میں یہ امر نمایاں نظر آتا ہے کہ اس نے ہمیشہ وفاداری اور اخلاص اور معاہدات کے تحفظ کو ہاتھ سے نہیں دیا ورنہ اسے متعدد ایسے مواقع حاصل تھے کہ وہ ہندوستان کی حکومت میں

شاہنشاہیت کا درجہ حاصل کر لیتی

خصوصاً دولت مغلیہ کے آخری ایام میں وہ ہندوستان کی ایک عظیم الشان سلطنت ہو سکتی تھی میں اسوقت ان حالات پر بحث نہیں کرونگا اور نہ اسکا موقع ہے مجھے یہ کہنا ہے کہ۔

عہد عثمانی تاریخ آصفیہ کا عہد جدید ہے

اور یہ امر محض ایک شاعرانہ تخیل یا ممدوح کی مبالغہ آمیز مدح کے جذبہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت اور صداقت ہے جس کا انکار ایک بڑے سے بڑا کریٹک (نقاد) بھی نہیں کر سکتا۔

اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کو خدا تعالیٰ نے یہ موقعہ دیا کہ وہ اپنے محترم اور رفیع المنزلت باپ محبوب دکن کے عہد حکومت کو بادشاہ ہونے سے پہلے اچھی طرح مطالعہ کر سکیں۔ اعلیحضرت مرحوم کیلئے قدرت نے ایسے سامان پیدا نہ کئے انہوں نے اپنی حکومت کا آغاز ایسے حالات میں کیا کہ وہ آصفجاہ پنجم کے عہد حکومت اور دربار سے نہ صرف ناواقف تھے بلکہ وہ اسوقت اس حقیقت کو بھی نہ سمجھ سکتے تھے

سلطنت کیا چیز ہے؟

اس لئے کہ بہت ہی خورد سال تھے لیکن آصف جاہ ہفتم کو دربار آصفی کے امراء و ارا کین کے طرز عمل اور ملک کی حالت پر ایک بصیرت افزا عبور ہو چکا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ

عہد عثمانی ایک شاندار عہد ہے

مختلف قسم کی اصلاحات اور ترقیات کا سلسلہ ہر رنگ میں نمایاں نظر آتا ہے اور جیسا کہ میں نے پچھلے باب کے آخری اوراق میں دکھایا ہے کہ دربار آصفی کی کیا حالت تھی اور آصف جاہ ہفتم کے سامنے اصلاحات کے لئے کس قسم کی مشکلات کا سلسلہ تھا ان ساری باتوں کو یکجائی نظر سے دیکھنے کے بعد اس رفیع المرتبت سلطان کی اولوالعزمی قوت فیصلہ اور جفاکشی اور صائب تدبر کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہتا

الغرض

میں نے آپ کے سوانح حیات کو قلمبند کرنے میں کوشش کی ہے کہ واقعات کو بغیر کسی ترتیب کے جمع کر دیا جاوے تاہم میں نے واقعات کی ترتیب کو بالکل ترک بھی نہیں کیا بلکہ اسکا التزام رکھنے کی کوشش کی ہے عہد عثمانی کی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے انسان کو اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی ذات میں بہت سے کمالات کا مجموعہ نظر آئیگا۔ بحیثیت ایک علم دوست اور علم نواز انسان کے اسکی شان جداگانہ ہے۔ ایک مدبّر کی حیثیت سے وہ عہد حاضرہ کے کسی مدبّر سے پیچھے نہیں۔ اقتصادی معاملات کے رموز و اسرار سے وہ اس حد تک واقف ہے کہ کوئی دوسرا کم ہو گا۔ جہانبانی کے اصولوں سے وہ واقف ہی نہیں بلکہ اُن میں تجدید اور تکمیل کی روح پیدا کر دینے کی اہلیت اس میں موجود ہے میں اس قسم کے تمام پہلوؤں کو اسی کتاب کے تیسرے حصّہ میں جو

سیرۃ عثمانی کا مرقع ہے

پیش کرنے کی بحمداللہ سعی کرونگا۔ اب میں اس تمہیدی نوٹ کو ختم کر کے

حیات عثمانی کے واقعات و حالات کو پیش کرتا ہوں

(عرفانی)

پیدایش اور ابتدائی حالات

اعلیحضرت میر عثمان علیخان صاحب آصف جاہ ہفتم ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۵ اپریل ۱۸۸۶ء بروز سہ شنبہ رات کو ۹ بجے کے قریب حویلی قدیم[1] میں پیدا ہوئے۔ حویلی قدیم ہی میں آپ کے دادا نواب افضل الدولہ بہادر بھی پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اعلیحضرت میر محبوب علیخان مرحوم کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

حاشیہ[1]۔ حویلی قدیم اپنے نام کی مناسبت سے قدیم سے آصفی خاندان کا ایک شاہی محل ہے۔ اگرچہ اسکی تعمیر کی تاریخ کا پتہ نہیں مگر اسقدر ثابت ہے کہ نواب نظام علیخان غفران مآب کے زمانہ میں نواب رکن الدولہ وقارالدولہ کی جائداد کے ساتھ یہ حویلی ضبط ہو کر قبضہ آصفی میں آئی تھی اور سب سے پہلے سلاطین آصفیہ میں سے نواب سکندر جاہ بہادر (مغفرت منزل) اپنے عہد ولیعہدی میں یہاں مقیم ہوئے۔ ولیعہدی کے ایام آپ نے اسی حویلی میں گزارے لیکن جب آپ سریر آرائے اورنگ آصفی ہوئے تو آپ نے حویلی قدیم چھوڑ کر خلوت محل میں قیام فرمایا اس نقل مکانی سے پرانی حویلی کی شان اور آراستگی میں فرق آجانا ضروری تھا اس زمانہ سے اس کا نام حویلی قدیم ہوگیا۔ اپنے عہد حکومت میں جیسا کہ میں نے لکھا ہے حضرت مغفرت منزل یہاں رہتے تو نہ تھے مگر اسکو ایسی حالت میں نہیں چھوڑ دیا تھا کہ آپ کو خیال بھی نہ آتا ہو برخلاف اسکے آپ اس میں کچھ نہ کچھ عمارتوں کا اضافہ کرتے تھے چنانچہ جلوخانہ۔ چوکی خانہ۔ کمان دروازہ کلاں اسی عہد سکندری کی یادگار ہیں۔

اعلیحضرت مغفرت مکان نواب افضل الدولہ بہادر بھی اسی حویلی قدیم میں پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے اعلیحضرت محبوب علیخان مرحوم کو اس شاہی مکان سے بہت محبت تھی اور زیادہ تر اسی مکان میں رہتے تھے اور آپ نے اسکی عمارتوں کی درستی اور تعمیر میں بڑا حصہ لیا اور اس کی سجاوٹ و آرایش کی طرف خاص توجہ رہی۔ اور آپ نے اس میں ایک عالیشان باوٹا قائم کیا جو اعلیحضرت کے قیام کے خاص نشان کو ظاہر کرتا تھا یہ پرچم آصفی لہراتا رہتا۔ اس وسیع محل میں علاوہ باغات کے نہایت شاندار عمارتیں بنی ہوئی تھیں

اس تقریب سعید پر تمام ممالک محروسہ میں عام طور پر تعطیل دی گئی اور عام خوشی منائی گئی۔

اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر سب سے پہلے صاحبزادے یا مولود نہ تھے بلکہ آپ کی ولادت سے پہلے مرحوم کے مشکوئے معلیٰ میں تین بچے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ پیدا ہو چکے تھے) گویا اس لحاظ سے آپ چوتھے مولود تھے۔ جن میں سے اس وقت بڑی صاحبزادی صاحبہ اور صاحبزادہ میر فاروق علیخاں بہادر (جو ولیعہد تھے) زندہ تھے دوسری صاحبزادی تو مردہ ہی پیدا ہوئی تھیں۔

پیدائشی ولیعہد نہ تھے اگرچہ آپ پیدائش کے وقت عرف عام میں ولیعہد نہ تھے اس لئے کہ صاحبزادہ میر فاروق علیخان بہادر زندہ تھے (جو ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ) کو پیدا ہوئے تھے ان کی تقریب ولادت پر شاہانہ اظہار مسرت کیا گیا عمائد السلطنتہ اور امرائے دولت نے نذریں پیش کیں اوسوقت عام طور پر خوشی کی لہر جاری تھی اور تمام ممالک محروسہ میں دولت آصفیہ کے ولیعہد کی پیدائش پر جشن منائے جارہے تھے تبریک و تہنیت کے پیامات کا تانتا لگا ہوا تھا اور ہر نفس جو آصفی خانوادہ سے وابستہ تھا مسرور اور شادمان تھا۔

مگر تقدیر پیدا ہونے والے مولود کے سرہانے کھڑی ہنس رہی تھی اسلئے کہ مشیت ایزدی نے جس عظیم المرتبت انسان کے لئے آئندہ آصفی کنگڈم کی حکومت مقدر کی تھی۔ وہ ابھی رحم مادر میں بھی نہ آیا تھا۔ جب میر عثمان علیخان بہادر عالم وجود میں آئے اسوقت صاحبزادہ میر فاروق علیخان زندہ تھے لیکن یکم ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ بروز دوشنبہ صاحبزادہ موصوف کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بقیہ حاشیہ۔ اور کئی بڑے بڑے حوض ہیں جن میں میر عالم کے تالاب کا پانی آتا ہے اسکے اطراف کا مجموعہ ایک میل ہزار فیٹ اور رقبہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ مربع گز ہے محل کے اندر گیارہ عالیشان عمارتوں میں سے صرف بارہ دری گزرگاہ عام ہے۔ حویلی قدیم کی شان و شوکت اور دولت آصفیہ کی ایک تاریخی یادگار ہونے کی وجہ سے اسکی نگہداشت میں کبھی کمی نہیں کی۔

(دیکھو جریدہ جلد ۴ صفحہ ۷، ۴ مورخہ ۱۳ شہر یور ۱۲۹۶ف مطابق یکم ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ)

مشیت ایزدی نے اس واقعہ کے ساتھ اپنے منشار کا اظہار کردیا۔ اور وہ تمام امیدیں جو میر فاروق علیخان کی ذات سے وابستہ تھیں ختم ہوگئیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر کو اپنی زندگی قربان کر کے میر فاروق علیخان بہادر کو زندہ رکھا جا سکتا تو جیسا کہ بعد کے واقعات نے ظاہر کیا کہ آپ کو اپنے بھائیوں سے بے انتہا محبت ہے یقیناً وہ اس قربانی میں اپنی تمام مسرتوں کی انتہا یقین کرتے مگر

مشیت ایزدی نے آصف جاہ ہفتم میر عثمان علیخان کو منتخب کر رکھا تھا

اس لئے میر فاروق علیخان نے ان کے لئے جگہ کو خالی کردیا۔ اعلیحضرت مرحوم کے بہت اولادیں تھیں مگر اکثر ان میں سے فوت ہوجاتی رہیں لیکن حیدرآباد کے ہونے والے سلطان کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور اسے لمبی عمر عطا فرمائی۔ زندہ باد میر عثمان علیخان

یہ ایک خدائی فعل اور ربانی فیصلہ تھا کہ دولت آصفیہ کی تعمیر جدید کا بانی عثمان علیخان کے سوا اور کوئی نہ ہوا اسلئے میر فاروق علیخان کو موت کے راستہ گذار کر آوِنگ آصفیہ کو آپ کے لئے محفوظ کر دیا۔

ایک عجیب اتفاق اور عہد ترقیات کا آغاز یہ عجیب بات ہے کہ حیدرآباد کی ترقیات اور تعمیر جدید کا سلسلہ میر عثمان علیخان بہادر کی ولادت کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے بقول شخصے

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا

اگر دولت آصفیہ کے عہد محبوبیہ کی تاریخ کو بہ نظر امعان پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ترقیات کا سلسلہ ۱۳۰۳ھ سے ہی شروع ہوتا ہے چنانچہ یہی وہ سال ہے جبکہ نیز واڑہ لائین کا افتتاح ہوا۔ اعلیحضرت اس کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے۔

۱۳۰۳ھ کے بعد ایسے ایسے امور سر انجام پائے جو ریاست حیدرآباد کی آئندہ ترقی اور توسیع کے لئے بطور اساس تھے چنانچہ ۱۳۰۹ھ میں اعلیحضرت میر محبوب علیخان مرحوم نے کیبنٹ کونسل قائم کرکے انتظام حکومت کے لئے صحیح لائن تجویز فرمائی اور قانونچہ مبارک شایع فرمایا یہ میں نے بطور مثال لکھا ہے، ورنہ تاریخ آصفی کا طالب علم دیکھے گا کہ

حیدرآباد کی ترقیات کی تاریخ اسی سال سے شروع ہوتی ہے

اور عہد محبوبی کی تاریخ اس با اقبال سلطان دکن کے لئے بطور ارہاص ہے۔

رسم اسم عام طور پر بچوں کا نام اور عقیقہ ساتویں روز ہو جاتا ہے اور یہی مسنون طریق ہے۔ لیکن بعض حالات کے ماتحت آپ کا نام ۲۵ رشعبان المعظم ۱۳۰۳ھ سے پہلے نہ رکھا گیا اس تاریخ کو آپکا نام میر عثمان علیخان رکھا گیا اور رسم حلیہ ادا ہوئی۔ اس تقریب پر ریاست کی قدیم روایات اور دستور کے موافق نواب سالار جنگ ثانی وزیر اعظم نے جھولا داخل کیا اور نذریں پیش ہوئیں مولود مسعود کی اٹھان حیرت انگیز تھی اور آپ کے بشرہ سے علامات اقبال نمایاں ہے

بالائے سرش ز ہوشمندی   مے تافت ستارہ بلندی

بسم اللہ اور ختنہ جیسا کہ میں نے بیان کیا آپ کی رسم اسم میں غیر معمولی توقف ہوا ممکن ہے اسکے ساتھ بعض توہمات کا بھی تعلق ہو جو اس زمانہ میں عام تھے) اسیطرح عام طور پر ختنہ اور نام کی تقریب عقیقہ ہی کے دن ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ کی تقریب ختنہ بھی اسیوقت عمل میں نہیں آئی بلکہ یہ تقریب قریباً گیارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی ۲۶ رجمادی الثانی ۱۳۱۴ھ کو میں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا کہ اس وقت دولت آصفیہ کے شاہی خاندان میں بھی بہت سے مراسم اور توہمات پائے جاتے تھے لیکن عہد عثمانی کے برکات میں یہ بھی داخل ہے کہ اس قسم کے توہمات کو ترک کر دیا گیا۔ ورنہ شاہی منجم اور جوتشی ہر تقریب کے لئے اوقات مقرر کیا

کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ کو حسب الحکم اعلیحضرت مرحوم حویلی قدیم میں ڈیڑھ سو برہمنوں کو عمدہ کھانا پکوا کر کھلائے گئے اور فی برہمن دو روپیہ وکشا دی گئی یہ حکومت آصفی کی رواداری اور غیر متعصبی پر بھی دال ہے بہر حال آپ کی رسم بسم اللہ تو ۳ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ بروز یکشنبہ عشرت محل کی خوابگاہ میں مولوی نور الحسن صاحب کے ذریعہ ہوئی۔ آپ کی تعلیم کا آغاز عشرت محل میں ہونا ایک مبارک فال تھا کہ یہ نوجوان تعلیمی پروگرام میں

حیرت انگیز انقلاب پیدا کریگا۔

اور عشرت کدوں کو تعلیمی اداروں سے تبدیل کردیگا چنانچہ واقعات مابعد نے ثابت کردیا کہ عشرت محل میں جس شہزادہ کی بسم اللہ ہوئی تھی وہ عیش وعشرت میں مصروف ہونے کی بجائے

سلطان العلوم

قرار پایا۔

اسی سلسلہ میں میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا ختنہ اسی پرانے طریق پر ایک حجام کے ذریعہ ہوا۔ جو شاہی اصلاح ساز تھا اس کا نام حرمت علی تھا اور اس کا باپ بادشاہ علی مشہور اصلاح ساز تھا۔ جسکو حضرت غفران مکاں کا ختنہ کرنیکا بھی فخر حاصل ہوا تھا۔ اس خوشی کی تقریب پر خاندان آصفی کی روایات کو ملحوظ رکھا گیا ہر قسم کے انعام واکرام تقسیم ہوئے۔

اس زمانہ میں بھی جبکہ ڈاکٹری اور سرجری میں بڑی بڑی ترقیاں اور حیرت انگیز انکشافات ہوچکے ہیں ختنہ سازی اور بعض زخموں کے علاج میں یقیناً حجام نہایت ماہر اور استاد ہیں۔ غرض آپ کی رسم بسم اللہ کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت کا ایک مستقل سلسلہ شروع ہوا۔

ابتدائی تعلیم وتربیت | آج سے پچاس برس پیشتر ہندوستان کی تعلیمی حالت اور تعلیمی نظام

جو کچھ بھی تھا اس کا تصور بھی عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن بہرحال ملوک و سلاطین اور امرائے عظام کے بچوں کی تعلیم کے لئے ہر قسم کے اسباب بآسانی میسّر ہوتے تھے۔

اعلیحضرت مرحوم نے ہونے والے آصف جاہ اور سلطان کی اتالیقی کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب فرمایا جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے چنانچہ عربی فارسی کی تعلیم کے لئے مولوی انوار اللہ خان صاحب اور علامہ سید علی شوستری اور نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی مقرر ہوئے۔ اعلیحضرت میر عثمان علیخان نہایت ذہین اور فطین فطرت لیکر آئے تھے باوجود شاہزادہ ہونے اور ہر قسم کے اسباب تنعم موجود ہونے کے

المنین ایک ذوق علم تھا

جس نے انہیں تعلیمی مراحل کو آسانی اور خوشی کے ساتھ طے کرنے کا موقعہ دیا۔ اپنی تعلیم کے زمانہ میں آپ اپنے اساتذہ کا پورا احترام اور ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ اگرچہ اساتذہ بھی آپ کے مقام کو سمجھتے تھے مگر میر عثمان علیخان اس معاملہ میں ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتے تھے اساتذہ کی اطاعت اور اُن کے مقام کی شناخت و احترام کرتے ہوئے آپ اپنے زمانہ تعلیم کو مفید اور کارآمد بنانے میں مصروف تھے۔

اور تعلیم کے متعلق محض مقلدانہ روش ہی نہ رکھتے تھے اور طوطے کی طرح رٹ لینا نہ جانتے تھے بلکہ اپنی خداداد فطانت سے ایک اجتہادی رنگ رکھتے تھے۔ اور مقصد تعلیم کو سمجھتے تھے۔

دینی تعلیم اور اساتذہ کا مذہبی اثر | اعلیحضرت محبوب علی پاشا مرحوم نے دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان کے لئے سب سے اوّل علوم دینی سے واقف کرانا ضروری سمجھا اس لئے کہ تمام اخلاق اور جہانبانی کے صحیح اصولوں کی بنیاد حقیقی مذہب ہی ہے۔

آپ نے دینی تعلیم کے لئے اور اسلامی لٹریچر کے لئے جو اوستاد مقرر کئے وہ اپنے علم اور تجربہ اور عمل کے لحاظ سے بہترین اساتذہ تھے۔ مذہب کے لحاظ سے مولوی انوار اللہ خان حنفی تھے

شوستری صاحب اور نواب عماد الملک بہادر شیعہ تھے اگرچہ اس عہد تعلیم میں اساتذہ کسی ایک یا دوسرے رنگ کو آپ کی طبیعت پر غالب کرنے کی کوشش نہ کرتے تھے تاہم کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑتا تھا مگر مجتہدانہ طبیعت رکھنے والے میر عثمان علیخان نے باوجودیکہ آپ دو شیعہ حضرات کے زیر تعلیم تھے

حنفیت کا عقیدہ آپ پر غالب اور موثر رہا اس کے ساتھ ساتھ اہل بیت کا جذبہ بھی بڑھتا گیا

جہاں تک میری تحقیقات ہے یہ مولوی انوار اللہ خان صاحب کی محنت اور صحبت کا اثر نہ تھا بلکہ اعلیحضرت کی مجتہدانہ طبیعت کا نتیجہ تھا۔ شیعہ مذہب کے اثرات (اگر اسے اثرات کہا جاوے) میں سے آپ پر حب اہل بیت کے عقیدہ کا اثر ہوا مگر میں کہتا ہوں کہ اہل بیت کی محبت شیعوں کا مخصوص عقیدہ نہیں ہر مسلمان کے لئے اہل بیت نبوی کے ساتھ محبت اور عقیدت اس کے ایمان کا ایک جزو ہے۔ غرض اس میں شک نہیں کہ اہل بیت کی محبت اور عظمت بھی آپ کے قلب میں اسی زمانہ سے بڑھتی گئی اور یہ کسی تقلیدی رنگ میں نہیں بلکہ بطور ایک حقیقت نفس الامری کے کہ اہل بیت نبوی کے ساتھ محبت و اخلاص ہر مومن مسلمان کے ایمان میں داخل ہے۔

ان اساتذہ سے آپ نے عربی فارسی کی ضروری کتابیں اور دینیات کی معروف درسی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور بہت جلد ترقی کی جب آپ کو دینیات اسلام اور فارسی

انگریزی تعلیم کا انتظام | اور عربی علوم سے اسقدر واقفیت ہوگئی کہ آپ اسلامی لٹریچر اور اسلامی کلچر کو سمجھنے کی قابلیت اور اہلیت پیدا کرنیکے قابل ہوگئے تو اعلیحضرت غفران مکان نے آپ کے لئے انگریزی تعلیم کا انتظام ضروری محسوس کیا اس لئے کہ حیدرآباد کے ہونے والے سلطان کو اس زبان سے پوری واقفیت ہونی لازمی تھی جو حکومت ہند کی زبان تھی اور جس کے ساتھ دولت آصفیہ کے دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات تھے۔

تعلیمی اغراض کے لئے سب سے پہلی مشکل اساتذہ کا انتخاب ہے اور خصوصاً ہونے والے بادشاہ کی تعلیم کے لئے اس کے اساتذہ ایسے تجربہ کار اور شریف النفس لوگ ہونے چاہیں جو اپنے ذاتی اخلاق سے شاہزادہ پر ایسا اثر ڈال سکیں کہ اسکی زندگی ایک بہترین بادشاہ کی زندگی ہو وہ ہر قسم کی سازشی تحریکوں سے الگ رہنے والے ہوں تاکہ کسی قسم کی پارٹی فیلنگ رئیس میں پیدا نہ ہو سکے۔ غرض بہت غور و خوض کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت غفران مکان کی وسعت نظر اور مشیران سرکار عالی کے صحیح مشورہ کے بعد اس خدمت کے لئے مسٹر بی۔ ایجرٹن (حال سر۔ بی۔ ایجرٹن) کو منتخب کیا گیا۔ مسٹر بی۔ ایجرٹن ایک مشہور سولین تھے اور ان کا خاندان ایک ممتاز خاندان تھا۔ ہندوستان میں غدر کے بعد انگیریزی حکومت کے استحکام میں اس خاندان نے نمایاں حصہ لیا چنانچہ پنجاب میں سر رابرٹ ایجرٹن اسی خاندان کے ممتاز حکمران تھے۔

انگریزی تعلیم کے لئے مسٹر بی۔ ایجرٹن کا تقرر ایک ہزار پانچسو اٹھاون روپیہ کلدار پر ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ کو ہوا جبکہ آپ کی عمر ۱۴ سال کے قریب تھی اور آپ عربی اور فارسی کے ایک اچھے مکالر بن چکے تھے۔

تعلیمی حالت پر ایک اور نقطہ خیال سے تبصرہ | اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کی تعلیم کے لئے جو انتظام کیا گیا تھا میں نے اوپر بیان کر دیا ہے لیکن میں ایک اور نقطہ خیال سے بھی اس پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

حاشیہ لہ۔ حضرت ولیعہد اعلیحضرت حال کی تعلیم کے متعلق ایک سیاسی بحث | حیدرآباد میں اسوقت جس قسم کی سیاسی یا زیادہ واضح الفاظ میں سازشی بساط بچھی ہوئی تھی اس کی تاریخ اور تفصیل عجیب اور دلچسپ ہے لیکن میری اس تالیف کے موضوع سے اسکو تعلق نہیں اس لئے میں ان تفاصیل میں جانا نہیں چاہتا جہانتک اعلیحضرت حال (خلد اللہ ملکہ) کی تعلیم کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ایک واقعہ کے اظہار سے میں رک نہیں سکتا جسکو کارنامہ سروری کے مصنف حیدرآباد کے مشہور و معروف مدبر اور خیرخواہ نواب سرور الملک بہادر نے بیان کیا ہے اس سے اس زمانہ کے

علم النفس کے ماہرین اور فلسفہ تعلیم کے مبصر انفرادی تعلیم کی بجائے اجتماعی تعلیم کو زیادہ مفید اور کار آمد بتاتے ہیں اور جہانتک دلایل کا تعلق ہے یہ تعلیمی عقیدہ صحیح ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب مختلف خیال مختلف مذاق کے لڑکے اجتماعی رنگ میں (جو اسکولوں اور کالجوں کا ہے) تعلیم پاتے ہیں تو مقابلہ کیوجہ سے مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ہر طالب علم کو مختلف امتحانوں کے مرحلوں سے گذرنے کیوجہ سے اپنی قابلیت کا خود بھی اندازہ ہوتا جاتا ہے اس اصل کو مدنظر رہتے ہوئے۔ سکول اور کالج وغیرہ قسم کی تعلیم گاہیں قائم کی گئی ہیں لیکن میر عثمان علیخان بہادر کو اس قسم کے کسی سکول یا کالج میں نہیں لیا گیا اور نہ کسی یونیورسٹی کی تعلیم گاہ میں انہوں نے تعلیم پائی یوروپین ممالک کی سیر و سیاحت اور وہاں کے مشاہدات جہاں بانی بھی کوئی موقعہ آپ کو ایسا نہیں دیا کہ آپ اپنے معلومات میں کوئی اضافہ کرتے اور اصول جہانبانی اور ملکی ترقیات کے سلسلہ ارتقا کو یوروپین اقوام کے تتبع کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا بلکہ برخلاف ان تمام رائج الوقت طریقوں کے آپ نے پرانے مشرقی طریق پر تعلیم و تربیت حاصل کی اور فضائے دکن ہی کی آب و ہوا نے آپ کو جہان بانی کے اصولوں کی تعلیم دی۔ باوجودیکہ کسی یونیورسٹی کی ڈگری آپ نے حاصل نہیں کی لیکن مختلف زبانوں میں زبان اور قلم دونوں پر حکومت کرتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ۔ پالٹکس پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری کے ص۲۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

ولی عہد بہادر کی تعلیم کا مسئلہ | اسی زمانہ میں مسئلہ تعلیم خاقان فلاطون ہدایت خورشید آسمان احسان ورافت منظرہ چار طاق غایت عناصر لائق حکومت وایالت اقالیم وارضی محمود شاہان حال و ماضی عالی جاہ عالم پناہ شہزادہ میر عثمان علیخان بہادر پیش ہوا۔ میں نے عرض کیا کپتان جان کلارک کہ چند روز شاگرد حضور پر نور رہ چکے ہیں اور بخطاب استحکام الدولہ مستقل جنگ کپتان جان کلارک خان بہادر ہفت ہزاری منصب سے سرفراز ہو چکے ہیں اور ملکہ معظمہ قیصر ہند کے اکیڈی اور مصاحب خاص پرنس آف ویلز رہے ہیں ان کو پھر طلب فرمالیا جائے وہ نہایت مستقل مزاج و بلند حوصلہ آدمی ہیں ان کی تحریر و تقریر کا اثر گورنمنٹ آف انڈیا پر بھی پڑسکتا ہے۔ چنانچہ حسب الحکم میں نے کپتان موصوف کو لکھا کہ اگر آپ پھر ارادہ ہندوستان کا رکھتے ہیں تو حضور پر نور آپ کو کمال قدردانی طلب فرماتے ہیں فوراً چلے آئیے۔ میری یہ کارروائی

مشرقی طریقہ تعلیم پر بھی عربی زبان کے فارغ التحصیل قلم برداشتہ عربی لکھنے کی مقدرت نہیں رکھتے مگر اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر قلم برداشتہ عربی زبان میں لکھنے پر قادر ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے نواب عماد الملک بلگرامی کو عربی زبان میں ایک مکتوب لکھا تھا بلگرامی صاحب اعلحضرت کی عربی انشاپردازی کی داد دیتے تھے اور ان کو اعتراف تھا کہ آپ عربی زبان میں ایک مشاق ادیب ہیں۔ فارسی زبان پر بھی اسیطرح قدرت حاصل ہے اور نثر اور نظم دونوں میں کمال ہے کئی دیوان فارسی کے مرتب ہو چکے ہیں اور عنقریب ایک دیوان شائع ہونے والا ہے اور یہ اس لئے کہ تا فارسی زبان جو مسلمانوں کی ایک قومی اور سلطنت کی زبان رہی ہے اور اب بھی دنیائے اسلام کے بعض ملکوں میں شاہی زبان ہے ہندوستان میں قائم اور زندہ رہے۔

انگریزی زبان میں بے تکلف کلام کرتے ہیں اور بلاتکان لکھہ سکتے ہیں۔ اردو زبان کو تو آپ کے وجود پر ناز رہیگا۔ آپ اپنے اسلوب تحریر و انداز بیان کے موجد ہیں۔

حکومتوں اور اُن کے اعلیٰ کارکنوں کی طرف جو مراسلات اور بیانات منسوب ہوتے ہیں ان کے پیچھے دراصل کچھ اور لوگ ہوتے ہیں جنکو دنیا کبھی نہیں جانتی یا بہت ہی کم جانتی ہے۔ جو انکو لکھتے ہیں لیکن اعلیحضرت خود قلم کے دھنی ہیں جسقدر فرامین ملک کے نظم و نسق یا فلاح واصلاح رعایا کے متعلق جاری ہوتے ہیں وہ آپ کے قلم جواہر رقم کا نتیجہ ہوتے ہیں میں اس سلسلہ کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا بلکہ اسکے لئے ایک جداگانہ مقام اسی تالیف میں ہے جہاں اعلیحضرت کی علمی حیثیت پر تبصرہ ہوگا یہاں مجھے صرف اسیقدر بتانا تھا کہ باوجودیکہ آپ کی تعلیم زمانہ حال کی یونیورسٹیوں میں نہیں ہوئی اور نہ مغربی ممالک کی سیر و سیاحت اور مشاہدہ نے آپ کے معلومات میں اضافہ کیا تاہم آپ ایک ماہر معلم کی حیثیت سے تعلیمی امور کو سمجھتے ہیں اور جہانبانی کے ان اصولوں سے واقف ہیں

بقیہ حاشیہ۔ مسٹر پلاؤڈن کو نہایت ناگوار گزری مگر چونکہ اتنی قدرت نہ رکھتے تھے کہ اسکو روک سکیں نہایت ذلیل راستہ اختیار کرکے میری اس عمدہ تدبیر کو خراب کر دیا اور ڈاکٹر کو پورا موقع مجھ سے بدلا لینے کا مل گیا۔

جو مغرب کی ایجاد کہے جاتے ہیں گو جہانبانی کے حقیقی اصول اسلام نے دنیا کو دیئے۔

آپ کی تعلیم و تربیت میں اگرچہ مخصوص آداب اور ضوابط کا لحاظ رکھا جاتا تھا لیکن آپ نے خداداد فطنت اور وسعت مطالعہ کی وجہ سے اپنے خیالات کے علمی دائرہ کو اتنا وسیع کیا کہ ہر علم کے متعلق آپ ایک مبصرانہ اور مجتہدانہ رائے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ تعلیم برابر جاری رہا اور آپ چونکہ ہر قسم کے لہو ولعب سے متنفر تھے آپ اس زمانہ ولیعہدی میں مطالعہ کتب میں مصروف رہے اور حکومت کے انداز کو نہایت غور و فکر سے مطالعہ کرتے رہے اس زمانہ میں آپ نے حیدرآباد کی آئندہ حکومت کے لئے اپنے ذہن میں ایک دستور العمل تجویز کر لیا تھا اور اس کے موافق حالات اور ضروریات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے عمل ہوتا چلا جاتا ہے۔

فنون لطیفہ سے دلچسپی | فنون لطیفہ سے آپ کو طبعاً دلچسپی ہے چنانچہ ڈرائنگ میں آپ ایک ماہر کی حیثیت رکھتے ہیں شاعری میں آپکا مقام بہت بلند ہے اس پر میں اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ بحث کرونگا۔

فوجی تعلیم کے لئے اعلیحضرت مرحوم نے کرنل نواب افسر الملک بہادر مرحوم سابق کمانڈر ان چیف عساکر آصفیہ کو مقرر کیا اور اس طرح آپ نے فوجی تعلیم میں کمال حاصل کیا اور اس کے ساتھ نشانہ بازی گھوڑے کی سواری قواعد پریڈ اور دوسرے فوجی کرتبوں اور کاموں کو سبقاً اور عملاً سیکھا اور عملی طور پر انمیں مہارت تامہ پیدا کی۔

کنگ کوٹھی میں قیام | اب تک آپکا قیام اور تعلیم و تربیت کا انتظام حسب دستور سابق تھا لیکن اعلیحضرت غفران مکان کی دوربین آنکھ نے دیکھا کہ دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان اور فرمانروا کے لئے ایک علیحدہ کوٹھی کی ضرورت ہے جہاں کی آزاد فضا میں وہ اپنی قوت فکر و استعداد حکمرانی میں وسعت پیدا کرے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ کی سکونت کیلئے

کنگ کوٹھی پسند کی گئی

اور یکم صفر ۱۳۱۸ھ کو آپ نے مستقل طور پر اپنا قیام کنگ کوٹھی میں فرمایا۔

کنگ کوٹھی | موقعہ کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں کنگ کوٹھی کے متعلق بھی ایک مختصر سا ذکر کروں۔ کنگ کوٹھی دراصل نواب کمال یار جنگ کی ملکیت تھی نواب کمال یار جنگ کا اصل نام کمال خان تھا وہ مہدوی پٹھان کے جمعدار تھے اور بڈھن خان کے پوتے تھے یکم ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ کو تقریب دربار چہل سالہ سالگرہ مبارک خان بہادر اور کمال یار جنگ کا خطاب عطا ہوا۔

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو بلدہ میں انکا انتقال ہوگیا۔ نواب کمال یار جنگ نے جب اس کوٹھی کو بنایا اسوقت وہ صرف کمال خان تھے اس لئے اسکے تمام شیشہ جات اور سامان آرائش پر K. K لکھا ہوا تھا جو کمال خان کے نام کو ظاہر کرتا تھا۔ لیکن جب کوٹھی حضرت غفران مکان نے خرید کرلی تو اس تمام ساز و سامان کو تلف بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس لفظ K.K. کا بھی حل مقصود تھا۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس کا ایسا نام تجویز ہو کہ اسکی تبدیلی کی ضرورت نہ پیش آئے چنانچہ

کنگ کوٹھی نام تجویز ہوا

اور اس طرح K.K کا مسئلہ حل ہوگیا۔ حضرت آصفجاہ ہفتم جو اس وقت ولیعہد دولت آصفیہ تھے اعلیحضرت کے ارشاد و ہدایت کے موافق کنگ کوٹھی میں تشریف لے آئے۔ اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ کنگ کوٹھی کا نام انشاءاللہ ایک وقت ایک مبارک فال ثابت ہوگا جبکہ سلطان دکن کو ہز مجسٹی کا خطاب ملجاوے گا اور حقیقی معنوں میں

آپ کنگ آف حیدرآباد کہلائیں گے

غرض آپ کی انگریزی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور مسٹر۔ بی ایجرٹن کی محنت اور

دلچسپی نے بہت جلد اپنا اثر پیدا کیا اور اعلیٰ حضرت نہایت شوق اور توجہ سے انگریزی زبان کی تحصیل میں ترقی کرنے لگے یہ ترقی غیر معمولی تھی۔ مسٹر لیجرٹن کو اپنے زمانہ تعلیم میں کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا کہ منصب اوستادی کی حیثیت سے حضرت میر عثمان علیخان کو اپنے سبقوں کی طیاری کے لئے توجہ دلانے کی ضرورت پیش آئی ہو جس طرح بعض سست اور کم شوق طالب علموں کی صورت میں کرنا پڑتا ہے۔

آپ کی تعلیم کا سلسلہ ایسے رنگ میں جاری نہ تھا کہ دوسرے فنون شاہانہ سپاہ گری اور شہسواری یا نشانہ بازی سے آپ کو محروم رکھا جاوے بلکہ یہ تمام امور ساتھ ساتھ جاری تھے اور آپ ہر معاملہ میں ایک قابل قادر انداز اور شہسوار تھے جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔

انتظام تربیت تعلیم کے ساتھ تربیت شاہانہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔ آپ حیدرآباد کی سلطنت کے سلطان ہونیوالے تھے اس لئے شاہانہ تربیت کی بھی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے آپ کی اتالیقی کے لئے نواب اقبال یار جنگ بہادر کا انتخاب عمل میں آیا نواب اقبال یار جنگ بہادر کو یہ عزت اور سعادت حاصل تھی کہ وہ نواب اقبال الدولہ بہادر کے اوستاد تھے اور خود حضرت غفران مکاں کے بھی اتالیق تھے۔ انکا تجربہ اور ان کی قابلیت مسلّمہ تھی۔ ان کے ساتھ ہی نواب فیروز یار جنگ اور نواب صادق جنگ بہادر کو بھی اتالیقی کی عزت نصیب ہوئی۔ اوّل الذکر دو نو اتالیق جب فوت ہو گئے تو ان کی جگہ نواب شہباز جنگ بہادر اور شہزور جنگ بہادر کو یہ عزت عطا ہوئی کہ وہ دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان کے اتالیق ہوں مگر نواب شہباز جنگ بہادر اوائل ذیحجہ ۱۳۲۴ھ میں اس خدمت سے الگ ہو گئے۔

اس طرح آپ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رہا اور آپ اپنی عمر کے ساتھ اپنے علم و فضل اور تجربوں میں ترقی کرتے گئے۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت نکتہ رس اور غور کن واقعہ ہوئی تھی ہر ایک معاملہ پر آپ خود غور کرتے اور اپنی ایک رائے قائم کرتے اور اسطرح اس زمانہ تعلیم و تربیت و

ولیعہدی ہی میں **آپ نے آئندہ نظام حکومت کا پروگرام تجویز کرلیا تھا**

میر عثمان علیخان زندہ باد | جب کوئی صاحب اقبال وجود دنیا میں آتا ہے تو قدرت اپنی بوقلمونی نیرنگیوں کے ساتھ اس کے اقبال وعروج کے مظاہرے کرتی ہے لوگ اس قسم کے واقعات کو محض اتفاق سمجھ لیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہوتی بلکہ ان واقعات میں ایک سبق اور راز مخفی ہوتا ہے جو اس ہستی کی آئندہ زندگی پر ایک عجیب قسم کی روشنی ڈالتا ہے۔
میر عثمان علیخان بہادر کی ابتدائی زندگی میں بعض واقعات اپنی ندرت کے لحاظ سے آپکی آنیوالی کامیاب زندگی کے لئے ایک معنی خیز بشارت تھے انہیں سے بعض واقعات کو یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۲۴ر شوال ۱۳۱۸ھ کو مغرب کے قریب آپ نشانہ اندازی کر رہے تھے کہ آپ کے ہاتھ ہی میں یکایک بندوق پھٹ گئی مگر قدرت ربانی کا تماشا دیکھئے کہ آپ بالکل محفوظ رہے۔ اس وقت آپ کی عمر ابھی چودہ سال سے کچھ ہی متجاوز تھی۔
بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ ہے اور کہنے والے کہدیں گے کہ اتفاقاً ایسا ہو گیا لیکن اس قسم کے

اتفاقات کی مثالیں بہت ہی شاذ ہوتی ہیں

حقیقت میں اس واقعہ میں صاحب اقبال سلطان کی درازی عمر اور حوادث سے محفوظ رہنے کی ایک پیشگوئی تھی۔

میں ۱۹۲۶ء میں ولایت میں تھا ان دنوں اٹلی کے مختار مطلق (ڈکٹیٹر) مسولینی پر گولی چلائی گئی اور وہ محفوظ رہے اس واقعہ نے یورپ کے اخبارات میں ایک خاص اثر پیدا کر دیا اور یہ نتیجہ نکالا گیا کہ

خدا تعالیٰ مسولینی سے بڑے بڑے کام لینے ہیں

غرض یہ خیالی باتیں نہیں ایک حقیقت ہے دنیا کے بڑے آدمیوں کی زندگی اس قسم کے عجائبات کا ایک خاص نمونہ ہوتی ہے۔ میر عثمان علیخان بہادر کے اسطرح محفوظ رہنے اور اس حادثہ کے بعافیت گذر جانے پر خیرات و صدقات دیئے گئے اور ہر طرف سے مبارکباد کی پیش کش اعلیحضرت کے حضور پیش ہوئی۔ اس واقعہ نے حضرت ولیعہد بہادر کو باوجودیکہ وہ ابھی صغیر السن تھے ذرا بھی پریشان اور خوف زدہ نہیں کیا ایک سپاہی کی طرح وہ اس واقعہ پر سے گذر گئے۔ اس واقعہ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کی وہ ایک قیمتی امانت ہیں اور اپنی زندگی کا بہت بڑا مقصد لیکر آئے ہیں اور دولت آصفیہ کی ترقیات کا قصر جدید انہیں کے ہاتھوں تعمیر ہوگا اور

وہی دولت آصفیہ کے عہد جدید کے بانی ہونگے

ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا ایک اور عجیب واقعہ ۱۲ شوال ۱۳۲۳ھ کو جبکہ آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز تھی پیش آیا آپ شہ سواری کی مشق کر رہے تھے اور ٹٹیان پھاندر ہے تھے کہ گھوڑے سے گرے مگر خدا تعالیٰ کے فضل نے اس موقعہ پر بھی آپ کی دستگیری کی اور آپ کو بچایا۔
اس قسم کے واقعات نے آپ کو پژمردہ خاطر نہیں کیا اور نہ خوف وہراس نے آپکے دل پر قبضہ کرکے آئندہ اس قسم کے معمولات میں فرق آنے دیا بلکہ ایسے واقعات کے بعد بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ اس سے اس قوت اور حوصلہ بلند کا پتہ ملتا ہے جو قدرت نے آپ کو دیا ہے۔
یہ تو بہت بڑے واقعات اور حادثات ہیں بعض لوگ معمولی حوادث میں نہ صرف گھبرا جاتے ہیں بلکہ ان کے صدمہ سے ہی جان دے دیتے ہیں مگر اس بلند ہمت نوجوان کو چونکہ خدا تعالیٰ نے دولت آصفیہ کی ترقی کے لئے تاریخ میں بے نظیر کام کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس لئے اس قسم کے واقعات میں اسکی ثبات قدمی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیکر بتا دیا کہ

میر عثمان علیخان حوادث میں بھی ایک کوہ وقار ہے

جیسا کہ میں پہلے کہیں لکھ آیا ہوں آپ اپنے پروگرام کے ہمیشہ پابند تھے اور کوئی عذر اسکو توڑنے کے لئے آپ کے سامنے نہ آسکتا تھا بلکہ جو نظام اوقات آپ کے لئے مقرر کردیا گیا تھا آپ اسپر پورا عمل کرتے تھے گویا وہ آپ کی زندگی کا ایک طبعی حصہ تھا۔ نظام الاوقات کی اس پابندی نے آپ میں یہ قوت عمل پیدا کردی کہ

آپ آج کا کام کل پر نہیں ڈالتے

اور اس مستعدی اور پابندی وقت نے حکومت کے تمام پرزوں میں ایک ایسی روح پیدا کردی ہے کہ وہ اب مشین کی طرح کام کرتے ہیں۔ اور امور سلطنت کی بجا آوری میں غیر معمولی تویق اور توقف نہیں پیدا ہوتا جو اس سے پہلے ایک لازمی جزو بن چکا تھا۔ یہاں تک کہ "اشد ضروری" کا لفظ بھی ایک رسمی اصطلاح بن کر رہ گیا تھا ان تمام امور کی تفصیل اسی کتاب میں دوسری جگہہ آئیگی اور وہی عملی باب ہے

امور سلطنت کے متعلق انتظام تربیت

اعلیحضرت غفران مکان نے جہاں ایک طرف اپنے جانشین اور حیدرآباد کے ہونیوالے نظام وسلطان کی تعلیمی۔ اخلاقی۔ فوجی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا اس کے ساتھ ہی سب سے اہم اور ضروری مقصد کو بھی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں اعلیٰ جگہہ دی۔ اور وہ مقصد یہ تھا کہ آصف جاہ ہفتم کو امور سلطنت اور مہمات ملکداری سے پورا واقف کیا جاوے اور طریق کار کی تفصیلات اس کے علم وعمل میں آئیں۔ اس کے لئے اعلیحضرت غفرانمکان نے دو طریق اختیار کئے اول یہ کہ آپ ہر قسم کے ملکی اور سیاسی سفروں میں ولیعہد بہادر کو اپنے ساتھ رکھتے تاکہ وہ برائے العین امور حکومت کا مشاہدہ کریں اور خود اپنے لئے ایک

عملی پیدا کریں جو ایک طرف رعایا کے مفاد اور بھلائی کا موجب ہو دوسری طرف دولت آصفیہ کے وقار اور شان کو بلند کرتے ہوئے دولت انگلشیہ کے ساتھ تعلقات مضبوط ہوں اور سلطنت آصفی کی قدیم روایات اور معاہدات کی رعایت کسی حال میں نظر انداز ہونے پاوئے۔ دوسرا طریق یہ اختیار کیا گیا کہ ہر محکمہ کے سکرٹری اوقات مقررہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کاغذات پیش کریں تاکہ انتظامی امور سے آپ کو واقفیت ہو اور آپ معلوم کرسکیں کہ موجودہ طریق عمل میں اگر کسی اصلاح کی ضرورت ہے تو وہ کیونکر ہو سکتی ہے یہ سچ ہے کہ اسوقت آپ کسی قسم کی اصلاحات نہیں کر سکتے تھے اور اسے ادب اور سعادتمندی کیخلاف سمجھتے تھے کہ انتظام مملکت میں کسی قسم کی مداخلت کریں یا اظہار رائے کریں لیکن یہی طریق عمل نے آپ کو غور کرنے کا کافی موقعہ دیا اور آپنے آئندہ نظام حکومت میں عملی تبدیلیوں کیلئے ایک پروگرام اپنے دماغ میں قائم کرلیا۔ اور جو شخص غایر نظر سے ان اصلاحات کو جو عہد عثمانی کی برکات ہیں دیکھے گا اسے بآسانی سمجھ میں آجاویگا کہ آصف جاہ ہفتم نے یہ پروگرام اپنے عہد تعلیم و تربیت امور ملکداری ہی میں قائم کیا تھا۔ عملی تربیت کا یہ نظام تعلیم ایسا عمدہ تھا جو کسی چیفس کالج میں حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندوستان میں والیان ریاست کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے جو کالج قائم کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ ایک حدتک مفید ہو سکتے ہیں مگر حضرت غفران مکان نے جو طریق تعلیم و تربیت قائم کیا اس نے تجربہ میں آکر اس حقیقت کو نمایاں کر دیا کہ

یہی بہترین طریق ہے

اور حضرت آصفجاہ ہفتم نے بھی اس طریق تعلیم و تربیت کو اپنے عہد میں حضرت ولیعہد بہادر کے لئے اسوہ قرار دیا۔

ایام ولیعہدی کے سفر

اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر کی تعلیم و تربیت حیدر آباد کے ہونے والے بادشاہ کی حیثیت سے ہو رہی تھی۔ حضرت غفران مکان نے آپ کے اساتذہ میں ایسے لوگ تجویز کئے جو نہ صرف اپنے علم و فضل میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے بلکہ سوسائٹی میں انکا درجہ اور رتبہ نمایاں تھا وہ اپنے اخلاق اپنے تجربہ کی وسعت کے لحاظ سے واجب الاحترام تھے۔ بچپن ہی سے آپکی طبیعت میں لہو و لعب سے احتراز تھا۔ سوائے ان مردانہ کھیلوں اور ورزشوں کے جو ایک بادشاہ کے لئے فنون حرب کا ایک حصہ ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ آپ دوسرے مشاغل کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے۔ اور قدیم مشرقی اصول یا خاندان آصفیہ کی روایات کے لحاظ سے آپ کے لئے یورپ یا ممالک غیر کا سفر تو درکنار خود ہندوستان میں بھی آزادانہ سفروں کی کبھی تجویز نہیں ہوئی تھی۔

البتہ بعض خاص تقریبوں پر آپ کو حضرت غفران مکان کے ہم رکاب رہکر دہلی۔ کلکتہ وغیرہ مقامات پر سفر کا موقعہ ملا۔ گو اعلیحضرت اسوقت بھی جہانتک خیالات کا اندازہ ہوتا ہے آزادانہ سفروں کی ضرورت سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے عہد عثمانی میں حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ بہادر کو یورپ اور دوسرے سفروں کی اجازت دی بہر حال تعلیمی یا تفریحی مقصد کے لئے آپ کو آزادانہ سفروں کا موقعہ نہیں ملا۔

پہلا سفر

ممالک محروسہ سے باہر ہندوستان میں آپ کا پہلا سفر کلکتہ کا سفر تھا۔ ۱۵ر شعبان المعظم روز سہ شنبہ ۱۳۱۷ھ (۱۹۰۰ء) کو جبکہ آپ کی عمر تقریباً چودہ سال کی تھی آپ اعلیحضرت غفرانمکان کے ہمراہ بذریعہ اسپیشل ٹرین والیسرائے کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت لارڈ کرزن والیسرائے ہند تھے اور صدر مقام کلکتہ ہی تھا۔ آپ نے بھی لارڈ کرزن سے ملاقات کی اور دونو نے ایک دوسرے کو خوب پڑھا۔ اس سفر میں

نواب سر خورشید جاہ بہادر۔ نواب سر وقارالامراء بہادر اور نواب افسرالملک بہادر وغیرہ امرائے دولت آصفیہ بھی ہمرکاب تھے۔ ۱۹ر شعبان کو کلکتہ پہونچے اور ۲۰ کو وائسرائے بہادر سے ملاقات ہوئی اس سفر سے واپسی قریباً ڈیڑھ ماہ میں ہوئی چنانچہ ۲۹ر رمضان ۱۳۱۹ھ کو شام کے نو بجے آپ حضرت غفران مکان کے ہمراہ حیدرآباد واپس ہوئے۔ اس سفر میں آپ نے بنارس کو بھی دیکھا اور رمضان کا مہینہ قریباً گلبرگہ میں بسر کیا۔

دوسرا سفر

۱۹ر رمضان ۱۳۲۰ھ کو آپ کو دوسرا سفر پیش آیا یہ سفر بھی اعلیٰحضرت غفران مکان کے ہمراہ تھا اس مرتبہ اعلیٰحضرت (ملک معظم ایڈورڈ ہفتم) کے دربار تاجپوشی میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے تھے اس سفر کے وقت نواب سر وقارالامراء وزارت عظمیٰ کے منصب سے مستعفی ہو چکے تھے اور قلمدان وزارت مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بالقابہ کے سپرد ہو چکا تھا۔ اعلیٰحضرت کی روانگی سے پیشتر حیدرآباد کے متعدد امرائے دولت دہلی کو روانہ ہو چکے تھے ۱۹ر رمضان ۱۳۲۰ھ بروز شنبہ گیارہ بجے حضور کا اسپیشل روانہ ہوا۔ جس میں اعلیٰحضرت کا اسٹاف تھا اور حضرت ولیعہد بہادر (میر عثمان علیخان بہادر) بھی اسی میں سوار تھے راستہ میں گلبرگہ میں قیام ہوا۔ اور ۲۳ر رمضان کی شب کو آپ کا داخلہ پرائیویٹ طور پر دہلی میں ہوا۔ اور ۳۰ر رمضان کو وائسرائے کے جلوس میں شریک ہوئے۔ اور یکم شوال کے دربار تاجپوشی میں اعلیٰحضرت مرحوم نے شرکت فرمائی اس سفر سے واپسی کے وقت بمبئی تشریف لے گئے اور حضرت غفران مکان کے ہمراہ گلبرگہ ہوتے ہوئے ۱۰ر ذیحجہ بروز چہارشنبہ صبح آٹھ بجے فائیز بلدہ ہوئے۔ آپ نے ان سفروں کو سیر و تفریح کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ان سفروں میں آپ نے ریاستوں کی صحیح پوزیشن اور والیان ریاست کے ذاتی حالات اور ان کے طرز بود و ماند پر غور کیا آپ نے ان تمام تکلفات کا

مشاہدہ کیا جو محض نمائش کے لیئے والیان ریاست اپنے لباس اور دوسرے سامان عیش و نشاط میں کرتے ہیں آپ نے دیکھا کہ لباس کا اصل مقصود اتنا ملحوظ نہیں جسقدر اسکی نمائش۔ والیان ریاست اپنے لباس کی خصوصیتوں پر اس لیئے توجہ نہیں کرتے کہ وہ انکی صحت و تندرستی کا ایک ضروری ذریعہ ہے بلکہ اسلیئے کہ وہ خوشنما اور فوق البھڑک لباس جسقدر زیادہ قیمتی نمایاں اور درخشاں ہوں اسیقدر انکی عزت و عظمت کا اظہار ہوگا۔ مگر دکن کے ہونے والے **سلطان** نے ان تمام امور کو دیکھا اور فیصلہ کر لیا کہ لباس سے انسان کی اتنی عزت نہیں جسقدر انسان کے اپنے **کمالات اور ذاتی جوہر** اسکی عزت و عظمت کا موجب ہو سکتے ہیں پھر ایسا انسان جو بھی لباس پہنے

اس لباس کو اس کے وجود سے عزت ہوتی ہے

دنیا میں **فیشن** کا بھی یہی فلسفہ ہے بڑے پایہ کے لوگ جس قسم کا لباس پسند کرتے ہیں وہ اپنی ظاہری حالت اور صورت میں کیسا ہی کم قیمت یا معمولی ہو مگر اس عظیم الشان کے وجود سے تعلق پیدا کرنے کی وجہ سے

وہی مقبول ہوجاتا ہے

ایک وقت تھا حیدرآباد کے سلاطین اور امراء ایک خاص قسم کا لباس پہنتے تھے ور سلاطین کے لیئے خاص قسم کے پارچہ جات تیار ہوتے تھے۔ لیکن حالات نے پلٹا کھایا ور اعلیحضرت خلد اللہ ملکہٗ کی سادگی نے

ملک بھر میں سادگی کی لہر پیدا کردی

اسیطرح ان سفروں میں آپنے انگریزی حکومت کے ذمہ دار افسر ان کے طریق عمل کا بھی

بنظر غایر مطالعہ کیا کہ وہ دیسی ریاستوں کے حکمرانوں سے کس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں اور انکی قدر و قیمت کس رنگ میں سمجھتے ہیں۔ ان تمام حالات پر کافی غور کرنے کے بعد انہیں ایام میں آپ نے اپنے دل میں بہ حیثیت دولت آصفیہ کے ہونے والے سلطان کے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے آصفی کنگڈم کا تخت عطا کیا تو

میرا نظام عمل کیا ہوگا؟

یہ زمانہ آپ کی جوانی کا آغاز تھا جبکہ امنگوں اور تمناؤں میں ایک بالیدگی اور بلند پروازی ہوتی ہے۔ مختلف قسم کی دلچسپیوں کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے مگر آپ نے ان سفروں کو اپنی آنے والی زندگی اور اسکے مشاغل کے لئے ایک پروگرام بنانے کا ذریعہ سمجھا اور آپ کے عہد حکومت کی عملی زندگی پر اگر غور کیا جاوے تو یہ اسی نظام عمل کی عملی تصویر ہے۔

ان سفروں کا گہرا اثر آپ کے قلب پر باقی رہا۔ اور آپ نے کبھی پسند نہ کیا کہ غیر ضروری سفروں پر روپیہ ضائع کیا جاوے یہ امر اعلیحضرت سلطان دکن (خلد اللہ ملکہٗ) کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے کہ دوسرے والیان ریاست کی طرح آپ نہ تو اندرون ہند کے سفروں میں تضیع اوقات کرتے ہیں اور ممالک غیر کے سفروں کا تو وہم و خیال بھی نہیں آتا بجز اس سفر کے جو دینی اغراض اور فرایض کے لئے ہو۔ اور جسکے لئے انتظار وقت ہے

برار کا دوامی پٹہ

واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے شاید برار کے دوامی پٹہ کا مجھے پہلے ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ سفر دہلی سے پہلے شعبان ۱۳۲۰ھ کو ہمیشہ کے لئے ملک برار جو دولت آصفیہ کا ایک نہایت سرسبز اور زرخیز علاقہ ہے ایک معاہدہ کے ذریعہ دائمی پٹہ پر

حکومت انگریزی کے سپرد کر دیا گیا

اس واقعہ کے اظہار اور ذکر سے ہر اس دل پر ایک صدمہ کی چوٹ لگتی ہے جو دولت آصفیہ کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتا ہے۔ تاہم چونکہ یہ واقعہ بھی ۱۳۲۰ھ ہی کا ہے اور سفر سے ایک ماہ پہلے ہی کا ہے اسلئے مقدم موخر ذکر سے ترتیب میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔ لارڈ کرزن کو آصف جاہ ہفتم نے اپنے ایام ولیعہدی میں پہلی مرتبہ کلکتہ میں دیکھا تھا اسوقت وائیسرائے موصوف کے متعلق آپ نے کن خیالات اور اثرات کو لیا کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ لیکن جب تین سال کے بعد لارڈ کرزن حیدرآباد آئے تو آپ کو بہت قریب سے انکو اور انکی پولیسی کو سمجھنے اور مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔ برار کے دائمی پٹہ کی تحریک نئی نہ تھی بلکہ مدتوں سے حکومت انگریزی کے بعض ارباب بست و کشاد کے زیر نظر یہ مسئلہ تھا۔ اور مختلف اوقات میں اس کے لئے اقدام کی تجاویز پر غور کیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے انگریزی حکام اور سیاسی مدبر

اس اقدام کی جرأت نہ کر سکے

اور سمجھا جاتا تھا کہ اس میں کامیابی مشکل ہے بلکہ صاف الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ کبھی یہ توقع کی ہی نہ جاسکتی تھی۔ یہ میرا ہی خیال نہیں بلکہ اس راز کو ارل آف رانلڈ شے مارکوئیس آف زٹلینڈ سابق گورنر بنگال حال وزیر ہند نے لارڈ کرزن کی مبسوط سوانح عمری میں شایع کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

"اپریل ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن کا سفر حیدرآباد ایک رسمی ملاقات کیلئے نہ تھا بلکہ اس سے اہم ترین سیاسی نتائج نکلے فی الحقیقت یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ ۴۸ گھنٹوں کے اندر نظام اور گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلقات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے

جسکی کسی کو توقع نہ تھی "

غرض یہ انقلاب آفرین معاہدہ جو لارڈ کرزن نے اپنی سیاسی تدبیر سے دولت آصفیہ کو مجبور کرکے کرایا وہ حیدرآباد اور حکومت انگریزی کی تاریخ میں

ایک افسوسناک داغ کی صورت رکھتا ہے

مگر اس وقت خود لارڈ کرزن اور ارکان دولت انگلیشیہ نے اس کارنامہ پر بڑا فخر کیا چنانچہ لارڈ کرزن نے اپنے ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء کے خط میں جو سر میکڈونلڈ کو لکھا تھا اور لارڈ ڈیلنیڈ کی مہربانی سے پبلک ہوا ہے اس فخر و سیاہات کو اسطرح بیان کیا ہے۔

" میں نے یہاں ایک شاندار کامیابی حاصل کی کیونکہ میں نے برار کے مشہور سوال کو حل کردیا جو پچاس سال سے ہمارے اور حیدرآباد کے درمیان کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ اضلاع اب از روئے معاہدہ بعض خاص اغراض کے لئے ہمارے تفویض کردئے گئے میں نے

حضور نظام سے منوالیا ہے

کہ وہ اضلاع دوامی پٹے پر ہمکو دیدیں یہ ایک حیثیت سے میرا ہندوستان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے "

اسطرح برار کا دائمی پٹہ حضرت آصف جاہ ہفتم کی آنکھوں کے سامنے ہوا لیکن آپ اسوقت ولیعہد تھے اور کسی قسم کا دخل دینا آپ خلاف آئین اور سوء ادب سمجھتے تھے۔ ہاں اگر یہ مسئلہ آپ کے انقلاب آفرین عہد میں ہوتا تو

یقیناً اسکی صورت دوسری ہوتی

بہرحال جن حالات میں یہ معاہدہ ہوا اور اعلیحضرت مرحوم نے جس رنگ مین تسلیم کیا وہ حضرت آصفجاہ ہفتم کی دوربین نظر کے سامنے تھے آپ کو انشراح صدر کیسا یہ معلوم تھا کہ حضرت غفرانمکان اس معاہدہ کے لئے ہرگز خوش نہ تھے اور وہ ایام آپ کی زندگی پر جسقدر موثر تھے اونہون نے اسیوقت آپ کو اپنے دلمین ایک عہد کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ اللہ تعالیٰ دولت آصفیہ کی امانت کو میرے سپرد کریگا تو میں

برار کو واپس لونگا

یہ ایسا عزم صمیم تھا کہ کوئی چیز آپ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی۔ میں اسکی تصریحات اور تفصیلات قضیۂ برار کے سلسلہ میں انشاءاللہ بیان کرونگا یہان صرف اسقدر بتانا مقصود ہے کہ ان سفرون نے اور ان واقعات نے آپ کی زندگی پر ایک غیرمعمولی اثر پیدا کیا اور آپ نے دولت آصفیہ کے مقام کو بلند کرنے اور اسکی گئی ہوئی چیزون کی واپسی کے لئے ایک پروگرام تجویز کرلیا۔ اور کسی وقت بھی وہ پروگرام آپ کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا چنانچہ جب آپ نے باب حکومت کا لائحہ عمل تجویز کیا تو اس میں بھی بندگانعالی نے اس نصب العین کو باب حکومت کے سامنے رکھا اور فرمایا

"ان خاص حالات میں باب حکومت کو واپسی ملک برار کے اہم مسئلہ پر غور کرنے کا ایسا نادر موقعہ میسر ہوگا جس کا مستقبل نہایت خوش آئندہ ہے مابدولت کی مملکت کے اس جزو لانیفک کا دعویٰ انصاف پر مبنی ہے اور اگر اسکی تنقیح بلاطرفداری کی جائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعویٰ قابل تسلیم نہ قرار پائے۔ پس اس اہم مسئلہ کی نسبت کونسل کے مشورہ کا مابدولت کو خاص دلچسپی سے انتظار رہے گا۔"

اعلیحضرت کی یہ سیاسی فراست و پیش بینی پوری ہو رہی ہے۔ اور آئندہ حالات میں

بہترین تبدیلی کے امکانات ہیں ۔ یہ واقعات اور حالات حضرت آصفجاہ ہفتم کو ایک جدید کانسٹیٹیوشن پر غور کے محرک تھے چنانچہ سریر آرائے دولت آصفیہ ہو کر جو اصلاحات عمل میں آئیں وہ انہیں

ایام ولیعہدی کے لائحہ عمل کا عملی نقشہ ہے

انگریزی دربار میں تمغہ دیا گیا

اب جو دن آپ پر گذرتا تھا وہ عمر کے ساتھ علم ۔ تجربہ اور مستقل پروگرام کے متعلق صحیح رائے کو قائم کرنے کا موجب ہوتا تھا ۔ غرہ جمادی الاول سنہ ۱۳۲۱ھ کو چومحلہ[1] میں ایک انگریزی دربار منعقد ہوا ۔ اس دربار میں رزیڈنٹ صاحب بہادر نے ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی طرف سے ایک طلائی تمغہ حضرت غفران مکان کے سینہ پر آویزاں کیا ۔ اور اس تقریب پر ہونے والے سلطان دکن حضرت ولیعہد بہادر کو بھی ایک تمغہ پیش کیا

حاشیہ[1] ۔ چومحلہ شاہی عمارات میں ایک ممتاز اور مشہور عمارت ہے جو خلوت محل کے متعلقہ محلات میں سے ایک ہے خلوت محل کی ابتدائی تاریخ بہت تلاش و تحقیق کا کام ہے ۔ اور نہ اسوقت زیر نظر چومحلہ اس خلوت محل کے محلات میں سے ہے ۔ شعبان سنہ ۱۳۲۰ھ کو جدید وضع پر چوطرا اور حویلی قدیم وغیرہ کی عمارات میں تبدیل و ترمیم کا انتظام ہوا ۔ اور ۱۹ رمضان سنہ ۱۳۲۰ھ کو ترمیم و تعمیر کا آغاز ہوا ۔ اور ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ روز جمعہ شب کے دس بجے حضرت غفران مکان نے ان جدید عمارات کا افتتاح فرمایا یہ ایک نہایت شاندار ایوان ہے ۔ مغلائی اور انگریزی دربار علی العموم یہاں ہی ہوتے ہیں چومحلہ کے قریب جدید تعمیر شدہ کمان پر جو گھڑی لگائی گئی ہے ، ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ کو چالو کی گئی ۔

(عرفانی)

حضرت آصفجاہ ہفتم اس قسم کی تقریبات میں آئین حکومت اور دستور العمل شاہی کے موافق حصّہ لیتے تھے لیکن اگر انکی اپنی مرضی پر یہ بات چھوڑ دی جاتی تو شاید آپ اس قسم کی تقریبوں میں شمولیت کی بجائے اپنے اوقات کو مطالعہ کتب اور توسیع معلومات میں صرف کرنا زیادہ پسند کرتے لیکن اس قسم کے درباروں میں شامل ہونا اور انکی آئین و لوازمات سے عملاً واقف ہونا یہ بھی ایک ضروری امر ہے جو

دولت آصفیہ کے سلطان کے اعمال حکمرانی کا ایک تجربہ ہے

اسطرح آپ کی سیاسی اور عملی تربیت کا سلسلہ جاری تھا مختلف حصص ملک سے بعض سربرآوردہ رُوسا آتے تھے اور انگریزی سیاح اور افسر بھی آتے رہتے تھے جنکی آمد کی تقریب پر مختلف دعوتیں اور دربار ہوتے تھے اور آپ ان میں شریک ہوتے اور ان رسمیات شاہی سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ یہ سب کچھ طبعی طور پر ہو رہا تھا۔ لیکن آپ اپنی آنے والی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے۔ اور دولت آصفیہ جن حالات سے گزر رہی تھی انمیں بہت بڑی اصلاح کو محسوس کر رہے تھے۔

سنہ ۲۲-۱۳۲۳ھ کے حالات و واقعات

ان سنین میں کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں آپ کی مصروفیت حسب معمول تھی۔ اعلیحضرت غفران مکان نے آپ کو امور مہمہ حکومت سے واقف کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ ہر محکمہ کے سکرٹری روز مقررہ پر حاضر خدمت ہو کر کاغذات پیش کرتا تھا اور اسطرح آپ اندرونی انتظام مملکت سے واقفیت بہم پہونچا رہے تھے۔

اور اندرون ملک کے متعدد دورے کر کے بھی آپ نے حالات ملک کو بچشم خود معائنہ فرمایا۔ ان دوروں میں آپ نے رعایا کی تعلیمی، صحی، زرعی اور اقتصادی

ضرورتوں پر غور کیا حکومت کے عہدہ دار کس طریق سے کام کرتے ہیں رعایا کے ساتھ انکے تعلقات کس قسم کے ہیں۔ ان ساری باتوں کو غایر نظر سے دیکھا۔ جو اصلاحات حضرت غفران مکان کے پیش نظر تھیں اور جن میں سے بعض کی مرحوم داغ بیل ڈال چکے تھے ان تمام باتوں کو آپ زیر نظر رکھتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ کے واقعات میں ایک عظیم الشان واقعہ

حضرت غفرانمکان کی جوبلی کا واقعہ ہے

جو حقیقت میں حضرت مرحوم کے واقعات زندگی کا ایک حصہ ہے لیکن حضرت آصفجاہ ہفتم بھی اس تقریب میں شریک تھے اسلئے وہ حصہ آپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے

آپ اپنی سلور جوبلی منا رہے ہیں

اعلیحضرت مرحوم کی چہل سالہ جوبلی یا جشن سالگرہ ۵ رمضان سے منایا جانے والا تھا لیکن رمضان کی وجہ سے اس تقریب کو بذریعہ جریدہ غیر معمولی جلد ۳۷ نمبر ۱۰ مورخہ ۴ بہمن ۱۳۱۵ف ۱۰ شوال ۱۳۲۳ھ پر ملتوی ہوا اور عید مبارک کے مہینہ میں تاریخ مقررہ سے شروع ہوا۔

عجیب اتفاق

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے جشن سلور جوبلی کی تاریخ بھی رمضان میں آتی تھی لیکن احترام رمضان کی وجہ سے اس تقریب کا انعقاد شروع شوال میں مقرر ہو چکا تھا۔ مگر بعض حالات نے اس تاریخ کو بھی تبدیل کرا دیا اور بذریعہ جریدہ غیر معمولی یہ تقریب عید الضحیٰ کے مہینہ میں آرہی ہے۔

بہر حال اعلیحضرت مرحوم کے جشن چہل سالہ کا آغاز ۱۰ شوال ۱۳۲۳ھ کو

نماز جمعہ سے ہوا

اس تقریب کے متعلق پروگرام اور ہدایات جاری ہو چکی تھیں۔ اس موقعہ پر اعلیحضرت مرحوم نے اپنے طرز عمل سے ایک عجیب اور موثر سبق دولت آصفیہ کے ہونیوالے سلطان کو دیا اور

یہ شعائر اللہ کی تعظیم کا سبق تھا

یہ اعلان قبل از وقت کر دیا گیا تھا کہ اعلیحضرت جب مکہ مسجد میں داخل ہو گئے تو اداب مسجد کو مدنظر رکھتے ہوئے اداب عرض کرنے کی حاجت نہیں بلکہ صرف السلام علیکم کہا جاوے ایسا ہی نماز سے فراغت پاکر مراجعت کے وقت بھی اسی امر کو مدنظر رکھا جاوے کہ جدہر ذات شاہانہ متوجہ ہو اس طرف کے مصلیّ السلام علیکم کہہ سکتے ہیں۔

یہ نظارہ نہایت موثر اور شعائر اسلام کی عظمت کا سکّہ بیٹھا دینے والا تھا۔

حضرت آصفجاہ ہفتم نے اس سبق کو عملاً ہمیشہ اپنی زندگی میں دوہرایا ہے اور جب آپ مسجد میں یا بعض دینی مجالس میں تشریف لیجاتے ہیں تو خصوصیت سے اس کا التزام رہتا ہے جیسا کہ میں آپ کی سیرۃ کے باب میں بعض خاص واقعات کو بیان کرونگا (انشاء اللہ العزیز)

اعلیحضرت مرحوم نماز سے فارغ ہو کر مکہ مسجد سے نکلکر عماری میں سوار ہوئے۔ آپکے ہاتھی کے بعد دوسرا ہاتھی حضرت ولیعہد بہادر کا تھا۔ باقی تمام امرا گھوڑوں پر سوار تھے

جلوس میں آپ کا مقام

چہل سالہ سالگرہ مبارک کے جشن کی تقریب کے پروگرام میں آپ ہر موقعہ پر شریک اور حضرت غفران مکان کے قریب رہتے تھے اور آپ کی سواری کو نمایاں امتیاز اور خصوصیت حاصل تھی۔ سواری مبارک کا اسٹیٹ پروسیشن جب نکلا تو آپ کی بگھی کے ساتھ اسکارٹ تھا۔ سارے جلوس میں یہ امتیاز صرف آپ کو حاصل تھا گویا

جلوس میں یا تو حضرت غفران مکان کی بگھی کے ساتھ اسکاوٹ تھا اس لئے کہ آپ

بادشاہ دکن تھے

اور پھر حضرت ولیعہد بہادر کے ساتھ تھا اس لئے کہ آپ ہونے والے سلطان تھے ترتیب جلوس میں حضرت غفرانمکان کی سواری کے بعد آپ کی سواری تھی۔ اور مہاراجہ مدارالمہام بہادر کی بگھی آپ کے پیچھے تھی۔ ایسا ہی ۲۳ شوال ۱۳۲۳ھ کی رات کو آٹھ بجے جب سواری شاہانہ باغ عامہ کی طرف روانہ ہوئی تو اسوقت بھی حضور کی ہمراہی کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ پھر باغ عامہ میں کسی گاڑی کے جانے کی اجازت نہ تھی صرف دو ہی گاڑیاں اندر گئی تھیں جو

موجود اور ہونے والے سلطان کی گاڑیاں تھیں

دربار ہال کے بیچ میں ایک چبوترہ تخت نما بنایا گیا تھا جو کہ زرد رنگ کے بیش قیمت کپڑوں سے آراستہ تھا۔ اس تخت نما چبوترہ پر دو طلائی اور نقروی کرسیاں تھیں اور یہ بھی حال اور ہونے والے سلطان کی تھیں۔ حضرت ولیعہد بہادر کی کرسی کسی قدر پیچھے تھی تاکہ نمایاں امتیاز رہے۔ اسطرح چہل سالہ سالگرہ کی تقریب کا جشن نہایت دھوم دھام سے منایا گیا۔ تمام حیدرآباد میں ایک خوشی کی لہر کام کرتی تھی اور ہر فرد شاداں و فرحاں تھا۔ ہر طرف سے نغمہ ہائے مسرت بلند ہوتے تھے اور محبوب دکن کی فیاضیوں نے قلوب پر ایسی حکومت کر رکھی تھی کہ

ہر شخص دعاؤں میں مصروف تھا

شادی خانہ آبادی

۱۳۲۳ھ کا سال چہل سالہ جشن سالگرہ کی تقریب کے سبب سے ایک تاریخی سال ہے
۱۳۲۴ھ کے آغاز ہی میں حضرت غفران مکان نے حضرت ولیعہد بہادر (ہونیوالے سلطان) کی شادی کا عزم فرمایا اسوقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب ہو رہی تھی۔ اور اس عرصہ میں شاہانہ انتظام تعلیم و تربیت ایسا معقول اور عمدہ تھا کہ آپ نے اپنے ذہن رسا اور مصروف طبیعت کیوجہ سے اپنے وقت کی پوری حفاظت کی۔ اور اپنے تعلیمی اور فوجی اور نظام حکومت کے کاموں میں پوری دلچسپی اور انہماک سے کام لیا۔ جیساکہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں مختلف اوقات میں فوجی کرتبوں میں ایسے حالات میں سے بھی آپ کو گزرنا پڑا جو خطرات کا رنگ رکھتے تھے مگر

تقدیر نے ہونیوالے سلطان کی آپ حفاظت کی

اور اب جبکہ آپ تمام تعلیمی مشاغل اور انتظام ملکداری کے مراحل سے گذر چکے تو سلطان باپ نے ہونے والے سلطان بیٹے کی شادی کا اہتمام فرمایا۔ چنانچہ ۱۹ صفر ۱۳۲۴ھ کو ایڈن گارڈن میں آپ کا عقد مرشد زادہ جہانگیر بادشاہ کی صاحبزادی سے ہوا۔ اس تقریب پر جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۲ خورداد ۱۳۱۵ف مطابق ۲۱ صفر ۱۳۲۴ھ کے ذریعہ تمام دفاتر میں ایک دن کی تعطیل رہی۔

اس تقریب مسرت پر آصفی خاندان ہی نہیں شہر بھر میں موج مسرت حرکت میں تھی۔

ولادت ولیعہد بہادر

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس شادی خانہ آبادی کو برومند فرمایا اور ۸ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ بروز پنجشنبہ شام کے ۵ بجے آپ کے مشکوئے معلیٰ میں پہلا صاحبزادہ پیدا ہوا۔

اور اسطرح گویا اس زمانہ کے ولیعہد بہادر کے ہاں

ولیعہد پیدا ہوا

یا یہ کہو کہ ہونے والے سلطان کے گھر میں ہونے والا سلطان پیدا ہوا۔ یہ تقریب کنگ کوٹھی کے متصل نواب مکرم الدولہ کے بنگلہ میں ہوئی۔ حضرت محبوب دکن کو جوان بخت پوتے کے پیدا ہونے کی خوشی قدرتی تھی اور اس خوشی میں رعایائے دکن کی شمولیت لازمی۔ ہر طرف سے مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا۔ خاندانی مراسم بجالائے گئے۔ اور اپنے اپنے وقت پر تمام تقریبات سر انجام پاتی رہیں۔ حضرت آصف جاہ ہفتم جو اس وقت ولیعہد بہادر تھے جسطرح امور سلطنت کی واقفیت اور تجربہ میں اپنی ذہانت وفطنت کا ثبوت دیئے رہے تھے معاشری امور میں بھی ایک نمونہ تھے امراء وسلاطین کی طرح آپ نے کبھی کوشش نہ کی کہ عیش وعشرت کو اپنی زندگی کا مقصد وحید قرار دے لیا جاوے اور تمام امور سلطنت کو فراموش کر دیا جاوے۔ اور اہلی زندگی میں بھی ایک وفادار شوہر اور خیرکم خیرکم لاہلہ پر عمل کرنے کا نمونہ دکھایا۔ اور خدا تعالیٰ نے اسکے شیریں ثمرات سے بھی متمتع فرمایا۔

حضرت ولیعہد بہادر کے پیدا ہونے کی خوشی میں ۸ صفر ۱۳۲۵ھ روز سہ شنبہ کو حسب الحکم حضرت محبوب دکن تمام دفاتر ممالک محروسہ سرکار عالی میں ایک یوم کی تعطیل ہوئی۔

اس صاحبزادہ بلند اقبال کا نام

نواب میر حمایت علی خان اعظم جاہ بہادر

رکھا گیا اور وہ سعادت و اقبال کے فرشتوں کے سایہ میں پرورش پانے لگے آج جبکہ اس تالیف کا ایڈیٹر یہ سطور لکھ رہا ہے وہی ہونہار شاہزادہ دولت آصفیہ کا بلند اقبال ولیعہد بہادر اور عساکر دولت آصفیہ عثمانیہ کا

سپہ سالار اعظم ہے

اور خدا تعالیٰ نے اسے بھی ولیعہد بہادر عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اسکی عمر اور اقبال میں برکت دے آمین۔

ایک عجیب اتفاق

جبکہ نواب مکرم الدولہ[1] بہادر کے بنگلہ میں حضرت ولیعہد بہادر پیدا ہوئے اسوقت کس کو خبر تھی کہ اس ہونے والے مولود کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوگا اسکا نام

مکرّم جاہ بہادر ہوگا

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب شاہزادہ مجیدی پاشا پیدا ہوئے تو سلطان دکن خلد اللہ ملکہٗ نے اپنے پوتے کو

شاہزادہ مکرّم جاہ بہادر کا خطاب دیا

اس قسم کے اتفاقات فی الحقیقت عجیب ہوتے ہیں اور وہ آنے والے واقعات کے متعلق اپنے اندر ایک پیشنگوئی کا رنگ کم از کم تفاول کے طور پر ضرور رکھتے ہیں۔

حاشیہ [1]۔ نواب مکرم الدولہ بہادر کا اصل نام میر پرورش علیخان صاحب تھا اور حسام جنگ اور مکرم الدولہ آپ کے خطابات تھے۔ آپ تیمر الدولہ مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ علمی حیثیت سے آپ عربی۔ فارسی اور انگریزی میں اعلیٰ پایہ کی قابلیت رکھتے تھے ننھیال کے تعلقات خاندان سر سالار جنگ اعظم سے تھے چنانچہ سر سالار جنگ اعظم آپ کے ماموں تھے دولت آصفیہ کے ممتاز عہدوں پر آپ نے سرکاری خدمات سر انجام دیں ۱۲۸۰ء میں آپ مجلس مالگزاری کے میر مجلس مقرر ہوئے اور جب اس مجلس کی بجائے صدر المہام کا تقرر ہوا تو آپ صدر المہام مال ۱۲۸۶ھ میں نامزد ہوئے۔ آج کل کی اصطلاح کے لحاظ سے گویا آپ ریونیو ممبر تھے۔ سر سالار جنگ اعظم کے سفر کلکتہ اور یورپ کے ایام میں امور وزارت کو بشتہ رہ



دلہن شہزادی درشہوار حضرت دردانہ بیگم صاحبہ ۔ شہزادہ کرنل نواب مکرم جاہ بہادر

اورنگ آباد کا سفر

ایام ولیعہدی میں آپ نے ممالک محروسہ کے متعدد دورے کئے تھے تاکہ براہ راست آپ کو رعایا کی حالت اور انتظام حکومت کا علم ہو۔ ان دوروں میں آپ نے نہایت قریب سے اپنی رعایا کو اور رعایا نے اپنے ہونے والے بادشاہ کو دیکھا تھا آپ نے رعایا کی مشکلات اور تکلیفوں کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ ان سفروں ہی میں سے ایک وہ سفر ہے جو آپ نے

اورنگ آباد کا کیا

۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ بروز دوشنبہ صبح کو ساڑھے نو بجے آپ اورنگ آباد کو چھوٹی لائن سے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں آپ کے ہم رکاب نواب صادق جنگ مہتمم خزانہ صرف خاص۔ مسٹر بی ایجرٹن (حال سر۔ بی ایجرٹن) اتالیق انگریزی نواب ممتاز یار الدولہ بہادر کمانڈنگ آفیسر اور اسکے علاوہ دوسرا اسٹاف بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ اس شاہی سیاحت میں ہر مقام پر وہاں کی رعایا نے دل کھول کر اپنے ہونے والے سلطان کا استقبال کیا اور اپنی محبت و عقیدت کے پھول پیش کئے۔ آپ نے اپنی رعایا کی حالت کو بچشم خود دیکھا اور عہدہ داروں و عمال ریاست کے طریق عمل کو مشاہدہ کیا یہ سفر ۲۴ دن کا تھا چنانچہ ۸ر شعبان ۱۳۲۵ھ کو بروز سہ شنبہ صبح کے ساڑھے سات بجے آپ فائز بلدہ ہوئے۔ اسٹیشن پر شاندار استقبال ہوا اور آپ نے بھی ریاست کے عمائد و ارکان کی عقیدت و اخلاص کو عزت و محبت کی نظر سے دیکھا۔

بقیہ حاشیہ۔ بشیر الدولہ و سر آسمانجاہ بہادر سر انجام دیتے رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں سر سالار جنگ اعظم کی بڑی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی مگر ایک سال بعد خلل دماغ کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۹۸ھ کو آپ لندن تشریف لے گئے اور ۳۰ر رمضان ۱۲۹۸ھ کو واپس آئے ۲۶ر شعبان ۱۳۲۳ھ کو اپنے بنگلہ واقعہ نارائن گوڑہ میں آپکا انتقال ہو گیا۔ (عرفانی)

اِن رفقائے سفر میں سے نواب ممتاز یار الدولہ خدا کے فضل و کرم سے اسوقت حیدر آباد میں زندہ ہیں اور اپنے ولی نعمت کی ترقیات پر شادان و فرحان ہیں۔ مسٹر بی۔ ایجرٹن واپس انگلستان جاچکے ہیں اور نواب صادق جنگ بہادر کا انتقال ہوچکا ہے۔ اعلیحضرت کے معمول میں یہ امر داخل ہے کہ اُن پرانے معتمد علیہ کارکنوں کی خاص اوقات میں قدر افزائی فرماتے ہیں۔ نواب صادق جنگ جب تک زندہ رہے مورد عنایات عثمانی رہے نواب ممتاز یار الدولہ بہادر کو اب بھی شاہی سفروں میں ہمرکاب رہنے کی عزت و سعادت نصیب ہوتی ہے۔ پچھلے سال ۱۳۵۰ھ کو علیا حضرتہ دُلہن پاشا حج کو تشریف لے گئیں تو اس مبارک سفر میں انہیں شرف ہمسفری حاصل تھا۔

دوسرے شاہزادے کی ولادت

ابھی شاہزادہ اعظم جاہ بہادر کی عمر ایک سال کی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے سلطان دکن کو دوسرے شاہزادے کی نعمت عطا فرمائی۔ چنانچہ ۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ کو بروز شنبہ رات کے گیارہ بجے کنگ کوٹھی میں دوسرے شاہزادے کی صورت میں

برج سعادت میں طلوع آفتاب ہوا

جن کا نام نواب میر شجاعت علیخان رکھا گیا اور شاہی لقب

شاہزادہ معظم جاہ بہادر

ہوا اس تقریب سعید پر بذریعہ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۳ اسفندار ۱۳۱۷ف تمام دفاتر میں ایک روز کی تعطیل ہوئی۔ ان باسعادت ولادتوں نے بطور ایک نیک فال کے

بتایا کہ ہونے والے حیدرآباد کا سلطان میر عثمان علیخان بہادر ایک ایسی شاندار تقدیر لیکر آیا ہے وہ اپنے اجلال و اقبال میں جلد جلد ترقی کریگا اور اللہ تعالیٰ کثرت اموال و اولاد کے ثمرات سے بہرہ وافر بخشے گا چنانچہ یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کثرت اولاد بھی دی اور تکثیر مال بھی۔ اور آپ کے اقبال وجلال میں بھی برکت بخشی۔ اعلیحضرت مرحوم کے عہد تک سلاطین آصفیہ اور دوسرے راجگان ہند میں کوئی امتیاز نہ تھا لیکن عہد عثمانی میں حیدرآباد کے سلطان کے لئے

ہز اگزالٹیڈ ہائی نس

کا امتیاز دیا گیا اور وہ زمانہ دور نہیں کہ رعایائے دکن اور مسلمانان ہند کی خواہشوں اور تمناؤں کا ظہور

ہز مجسٹی

کے لقب سے بھی ہوجائے گا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد آپ کو کثیر اولاد دی اور انہیں سے بعض جنکے لئے یہی مقدر تھا کم عمری ہی میں فوت ہوگئے تاکہ وہ عالم آخرت میں فرط اور شفیع ہوں۔

اعلیحضرت محبوب دکن کی صحت

اس سال ۱۳۲۵ھ میں اعلیحضرت مرحوم سلطان دکن کی صحت گذشتہ سال کی طرح پھر خراب ہوگئی، ۱۲ جمادی الاول ۱۳۲۴ھ روز دوشنبہ کو بوقت صبح ۶ بجے حویلی قدیم میں حضرت غفران مکان کی طبیعت پر وبائی اثر محسوس ہوا تھا جس نے ایک عام بے چینی دربار آصفیہ اور رعایائے دکن میں پیدا کردی تھی۔ ہر قسم کے صدقات و خیرات کئے گئے اسی طرح ۲۸ ذیحجہ ۱۳۲۵ھ روز یکشنبہ رات کے ۸ بجے حویلی قدیم ہی میں سوء ہضمی کیوجہ سے

بندگان عالی کی طبیعت ناساز ہوئی قدرتی طور پر اس خبر نے سب کو پریشان کر دیا محبوب باپ کے محبوب بیٹے کی حالت باپ سے زیادہ پریشان تھی اور وہ باپ کی جان بچانے کے لئے اپنی قربانی کو آمادہ تھے۔ آپ کی محبت حضرت غفران مکان کی ناسازی مزاج کا بہت بڑا اثر انکو تھا خدا تعالیٰ نے رعایائے دکن کی دعاؤن کو سنا اور اعلیٰحضرت مرحوم کو صحت دی۔ امرائے ریاست نے صدقات داخل کئے۔ اور خیرات تقسیم ہوئی۔

ان متواتر حملون نے دراصل آگاہ کر دیا تھا کہ اعلیٰحضرت غفران مکان کی صحت مخدوش ہو چکی ہے اور وہ وقت اب قریب آرہا ہے کہ جب میر عثمان علیخان بہادر کو

سلطنت کی ذمہ داریون سے دوچار ہونا پڑیگا

حضرت غفران مکان پر دونون مرتبہ سوء ہضمی کا خطرناک حملہ ہوا تھا اور بالاخر جب آخری پیغام آیا اسوقت بھی اس قسم کا حملہ ہوا تھا۔ چنانچہ ۲ رمضان ۱۳۲۹ھ کو آپ کی طبیعت جو ناساز ہوئی اسکا آغاز غشی سے ہوا۔ اور بالآخر اسہال آنے شروع ہوئے اور انکا سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ بند ہونے میں نہ آیا اور

جانستان ثابت ہوا

میں تو یہی سمجھتا ہون کہ ۱۳۲۴ھ کو جو حملہ وبائی اثر کا ہوا تھا وہ ایک الارم تھا اور پھر ۱۳۲۵ھ میں بھی اسکا اعادہ ہوا۔ یہ ذکر ضمناً میں نے اس لئے کیا ہے کہ اعلیٰحضرت مرحوم پر بیماری کے پہلے خوفناک حملے نے ہونے والے سلطان کو آگاہ کر دیا کہ آپ بار حکومت کو برداشت کرنے کا وقت قریب آرہا ہے اور انہوں نے اپنی توجہ کو خصوصیت کے ساتھ امور سلطنت کی طرف لگا دیا۔

غرض آپ امور مملکت کی طرف پوری طرح پر متوجہ ہو گئے ان ایام میں آپ کو مطالعہ کتب کا

خصوصیت سے شوق تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دل و دماغ بہت اعلیٰ دیا تھا آپ نے ان تمام امور پر غور کیا جو ایک والی سلطنت کے لئے ضروری ہیں اور ان تمام قابلیتوں اور قوتوں کو اپنے علم اور عمل میں مہیا کیا۔ لہو ولعب سے ہمیشہ آپ کو نفرت رہی لیکن فوجی اور سپاہیانہ کرتب اور فنون جو ایک والی ریاست کے لئے ضروری ہیں انہیں آپ نے بطور لہو ولعب نہیں بلکہ بطور ایک فن کے حاصل کر لیا۔ چونکہ سراسر توجہ علمی اور عملی قوتوں کی تربیت اور نشو و نما میں مصروف تھی اسلئے ایام شہزادگی ہی میں ایسی قابلیت حاصل کر لی تھی کہ

ہر وقت امانت سلطنت کے اہل ثابت ہو سکتے تھے

ذاتی توجہ اسی ایک امر کی طرف مبذول تھی کہ ملکداری اور فرمان روائی کے تمام نشیب و فراز سے ایک مجتہدانہ واقفیت ہو۔ کسی حالت اور صورت میں بھی اہلکاروں اور دربار کے ہاتھ میں کھلونا نہ بن سکیں لیکن چنانچہ اس مقصد میں پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اور بعد کے واقعات نے بتادیا کہ آپ

دولت آصفیہ کے تخت پر بہترین بادشاہ ہوئے

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اس عرصہ میں آپ کا قیام کنگ کوٹھی ہی میں رہا اور اب تک بھی ہے۔

دورہ جانب ہنمکنڈہ

آپ وقتاً فوقتاً ملک کی حالت کے معلوم کرنے کے لئے مختلف حصص ملک کا دورہ فرماتے تھے اور اس دورہ میں سیر و شکار کا مطلب خود بخود پورا ہو جاتا تھا۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ بروز شنبہ دن کے گیارہ بجے کی ٹرین سے ہنمکنڈہ اور کریم نگر کے دورہ کے لئے روانہ ہوئے اس سفر میں جن عہدہ داروں کو آپ کے ہمرکاب رہنے کی عزت حاصل تھی

ان میں مسٹر الجرٹن اور نواب صادق جنگ مرحوم کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے
یہ دورہ دو ہفتہ کا تھا چنانچہ ۱۰ ربیع الاول ۳۲۸اھ کو مراجعت عمل میں آئی۔ اس دو ہفتہ
کے دورہ میں ان اضلاع کی رعایا نے جو اپنے ولی نعمت کے ساتھ اظہار اخلاص وعقیدت
کیا ہر مقام پر شاندار استقبال ہوئے اور آپ نے بھی نہایت قریب سے اپنی رعایا کی
حالت کا مطالعہ کیا۔ آپ اس ظاہری نمایش اور دھوم دہام سے جو قدرتی طور پر ہر ایک مقام پر
منجانب اہلکاران ورعایا کی جاتی تھی اپنی رعایا کی خوش حالی وفارغ البالی کا اندازہ نہ کرتے
تھے بلکہ غایر نظر سے حالات کو دیکھتے تھے جیسا کہ آپ کے عہد حکومت کے عمل سے ظاہر ہے
آپ نے اس قسم کے تکلفات اور نمایشی چیزون کو کبھی پسند نہ کیا بلکہ انہیں داخل اسراف
سمجھا چنانچہ مختلف اوقات میں مختلف رنگوئین میں ان سے ممانعت کی۔ اور اپنے عمل سے
دکھایا اور بتایا کہ

سادگی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے

غرض اس دورہ میں اپنی عادت قدیم کے متعلق زیادہ وقت حالات ملک کے معلوم
کرنے میں گذارا لیکن سپاہیانہ زندگی کے لئے شکار بھی ضروری چیز ہے اسلئے

مقام پالم پیٹہ میں ریچھ کا شکار کیا

رسیدہ بود بلائے بے بخیر وگذشت | اس شکار کی تقریب پر قدرت نے اپنی تائید اور نصرت کا
ایک مرتبہ اور اظہار کیا۔ شکار گاہ میں ایک درخت پر ریچھ کے شکار کے لئے مچان باندھا گیا
مگر عین اسوقت جبکہ آپ اس مچان پر تشریف فرما تھے وہ شاخ جس پر مچان تھا ٹوٹ
گئی۔ اور مچان گر کر نیچے آپڑا مگر

قدرت کی نیرنگیون کو دیکھئے

کہ حضرت ولیعہد بہادر بال بال بچ گئے۔ اور اس واقعہ نے ایک بار اور ثابت کیا کہ

اس وجود کے ساتھ حیدرآباد کے لئے ایک عظیم الشان امر مقدر ہے اور دولت آصفیہ کی تاریخ میں یہ ممتاز ہستی ایک

نیا اور شاندار باب قائم کرنیوالی ہے

اس لئے قدرت ہر آفت اور مصیبت میں اسے سلامت رکھ کر تائید ربانی کا ثبوت دے رہی ہے۔ غرض آپ بخیر و عافیت بلدہ داخل ہوئے اور اس موقعہ پر شایان شان استقبال ہوا۔ اور اس حادثہ جانستان سے محفوظ رہنے پر صدقات و خیرات کی گئی۔

آپ کی علمی اور عملی تعلیم اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکی تھی اور امور مملکت کا بھی آپ کو پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ باین آپ کی تعلیم کے لئے جو اساتذہ مقرر تھے وہ موجود رہتے تھے۔ لیکن ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو مسٹر ایجرٹن نے موقعہ غنیمت سمجھ کر ۶ ماہ کی رخصت حاصل کی اور وہ انگلستان کو روانہ ہوئے۔ انکے ایام رخصت میں مسٹر برنٹ پروفیسر انگریزی نظام کالج کا تقرر عمل میں آیا۔ اور اسی طرح یہ ایام آپ کے حضرت غفرانمکان کے سایہ پدری میں نہایت بیفکری اور مسرت سے گزر رہے تھے کہ قضا و قدر کے فرشتوں نے اس وقت کو قریب کر دیا جسکے لئے آپ کا وجود ظہور میں آیا تھا یعنی تخت آصفیہ پر رونق افروز ہونے کا زمانہ

حضرت غفران مکان کا انتقال

اعلیٰ حضرت آصف جاہ ششم کی صحت کو دراصل ۱۳۲۴ھ سے صدمہ پہونچا تھا۔ وقتاً فوقتاً آپ پر ضعف قلب اور معدہ کی خرابی کے دورے ہو جاتے تھے وقتی علاج اور طبی احتیاط سے وقتی فائدہ ہو جاتا اور نظام زندگی میں کوئی نمایاں نقص اور فتور نظر نہ آتا تھا لیکن اندر ہی اندر بعض واقعات اور حوادث اور علالت کے ایک تدریجی اثر نے ایسی حالت پیدا کر دی تھی کہ۔

نظام صحت درست نہ تھا

اس عرصہ میں بعض خاندانی اموات بھی اس قسم کی ہوئی تھیں جنہوں نے بندگان عالی کے قلب مبارک پر ایک گہرا اثر پیدا کیا چنانچہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو حضرت صاحبزادی نظام النساء بیگم صاحبہ کا ایسے وقت میں مرض دق سے انتقال ہو گیا کہ کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ یہ نو بجے کا وقت تھا اور بندگان عالی اوسوقت پرنس آف ویلز (موجودہ شہنشاہ ہند) کے ہمراہ سکندرآباد میں ملاحظہ پریڈ فرما رہے تھے کہ عین میدان پریڈ میں جبکہ آپ اپنے معزز مہمان کی خاطر و مدارات میں خصوصیت سے دلچسپی لے رہے تھے یکایک

اس حادثہ جانکاہ کی خبر پہونچی

حضرت صاحبزادی نظام النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کی سب سے پہلی اولاد تھی جو ۲۱ شوال ۱۳۰۰ھ روز دوشنبہ پیدا ہوئیں تھیں انکی ولادت پر بڑی خوشیاں کی گئیں۔ اور بڑی بڑی آرزوئیں ماں باپ کی انکی ذات سے وابستہ تھیں مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

غرض اس مسرت و انبساط کی لہر میں سکندرآباد ہی میں آپ کو اس حادثہ جانکاہ کی خبر پہونچی اور آپ کے قلب پر ایسا صدمہ ہوا کہ اس غم میں تمام کام چھوڑ دیئے گئے اور واپس محل میں آگئے۔ اس روز شام کو ۶ بجے مکہ مسجد میں مرحومہ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ دفن کے وقت شاہزادہ ویلز نے بھی اپنے اسٹاف کے ویسی افسروں کو شریک رہنے کا حکم دیا تھا۔ اور آپ بہ نفس نفیس معہ بیگم صاحبہ تعزیت کے لئے

حضرت غفران مکان کے پاس آئے

یہ غم تازہ ہی تھا کہ ۱۷ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ کو حضرت صاحبزادی نظام النساء بیگم صاحبہ کی والدہ محترمہ چاندنی بیگم صاحبہ کو پیغام اجل آپہونچا اس حادثہ نے مرحومہ صاحبزادی کے غم کو اور بھی تازہ کردیا۔ اس قسم کے حوادث سے بے ثباتی کا نقش آپ کے قلب پر گہرا ہوتا گیا اور وقتاً فوقتاً تشنج کے دورے ہونے لگے۔

۱۷ محرم ۱۳۲۹ھ کو آپ کا آخری جلوس نکلا حضور بمعیت منجھلے صاحبزادہ صاحب کے ہاتھی کی عماری پر سوار تھے خواصی میں حضرت یمین السلطنت تھے دیگر امراء مصاحبین بھی ہاتھیوں پر سوار تھے پنج محلہ سے مسجد تک جاکر یہ سواری واپس آگئی کون جانتا تھا کہ یہ جلوس آخری جلوس ہوجائے گا۔

جمادی الاول ۱۳۲۹ھ میں آپ کا قیام معہ محلات حضرت بابا شرف الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پہاڑی پر تھا۔ آخر ماہ میں وہاں سے فلک نما میں تشریف لے آئے اور دو مہینے تک فلک نما ہی پر قیام رہا۔

شعبان کے آخری ایام میں قلب کی حالت اضطراری تھی اور وقتاً فوقتاً دورے ہوتے تھے۔

محبوب دکن کی آخری ساعات

آخر وہ یوم موعود آگیا جبکہ موت کے فرشتوں نے آپ کو پیغام اجل دیا۔ قلب کی اس اضطراری حالت کا اثر بڑھتا گیا یہاں تک کہ یکم رمضان ۱۳۲۹ھ کو ہفتہ کے روز کوئی غذا نہیں ہوئی۔ اور اسی روز تشنج کے بھی دورے ہوئے۔

۲ رمضان ۱۳۲۹ھ یوم یکشنبہ کو حکم دیا کہ تمام سرکاری کا غذات پیش کئے جاویں دو گھنٹہ کامل بیٹھ کر غیر معمولی طور پر تمام کاغذات ملاحظہ کئے۔ کام سے فارغ ہوکر ایک دو قدم بھی چلنے نہ پائے تھے کہ چکر آگیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر حاضرین نے سنبھالا دیا جب ہوش آیا تو فرمایا

مجھے لٹا دو

جب لٹا دیا گیا تو والدہ محترمہ کو یاد فرمایا ماں نے بیٹے کی حالت کو دیکھا تو

پاؤں تلے سے زمین نکل گئی محبت مادری نے آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی صورت میں ظہور کیا۔ محبوب دکن بیٹے نے ماں کی حالت زار کو دیکھا تو نہایت حوصلہ اور شاہانہ وقار سے والدہ محترمہ کو تسلی دی اور کہا کہ

"اماں جان! گھبرانے کی کوئی بات نہیں میرا مزاج اچھا ہے صرف کثرت کار کی وجہ سے طبیعت کسل مند ہو گئی ہے"۔

جب حضرتہ والدہ محترمہ رخصت ہو گئیں تو طبیعت سنبھلنے کی بجائے بگڑنے لگی اور بیہوشی کے دورے بڑھنے لگے اور ایک ایک دو گھنٹہ کے وقفہ سے تشنج کے دورے تیز ہونے لگے۔ اس حالت کی خبر پا کر مہاراجہ یمین السلطنتہ سراسیمہ دوڑے آئے اور دوسرے امرائے دولت آصفیہ بھی فلک نما حاضر ہوئے۔ حکیم نابینا صاحب اور ڈاکٹر لقمان الدولہ اور دوسرے حاذق طبیب و ڈاکٹر علاج میں مصروف تھے مگر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس روز یعنی ۳ رمضان کی شام کو غیر معمولی دو چار اسہال ہوئے اور رات کو بھی یہ سلسلہ جاری رہا مزاج کی حالت اصلاح کی طرف نہ آئی۔ ۴ رمضان منگل کے روز ۸ بجے کچھ ہوش آیا جو آخری سنبھالا تھا تو فرمایا سردار بیگم اور دوسری بیگمات کو بلاؤ۔ فوراً تعمیل ہوئی سب کو آخری نظر سے دیکھا اور رخصت کر دیا۔ گویا یہ آخری ملاقات تھی۔ ۹ بجے کے قریب حکیم اور ڈاکٹر آئے اور دوا پلانی چاہی تو انکار کر دیا اور فرمایا کہ

کیا تم لوگ اب بھی مجھے گناہ میں ڈالنا چاہتے ہو توبہ! توبہ استغفر اللہ۔

اس موقعہ پر آپ کی زبان پر نہایت اخلاص سے کلمہ طیبہ کا ورد تھا۔ دس بجے کے قریب فرمایا کہ کلام الٰہی پڑھو۔ طبیعت میں ضعف بڑھنے لگا اور علامات سکرات موت کی نمودار ہو گئیں جنکو دیکھ کر ڈاکٹر لقمان الدولہ نے زانو پر سر رکھ دیا۔ آنکھیں کھول کر قرآن شریف اور سورۃ یٰسین پڑھنے

والوں کو دیکھا اور ڈاکٹر لقمان الدولہ کو کچھ کہا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا مگر حکیم نابینا صاحب نے جو بالکل قریب تھے غور سے سنا اور طبعی طور پر انکی سماعت بھی تیز تھی اونہوں نے کہا

دیکھو! سرکار کلمہ طیبہ پڑھ رہے ہیں

لقمان الدولہ نے بھی بلند آواز سے دو چار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا تو سرکار نے آنکھیں کھولدیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لقمان الدولہ کو پہلے ہی فرمایا تھا کہ

کلمہ طیبہ کا ورد کرو

اسوقت طبیعت میں ایک سکون تھا۔ اور اس حالت سکوں میں ۴ ماہ رمضان ۱۳۲۹ھ بروز دوشنبہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے دکن کا محبوب بادشاہ آصف جاہ ہفتم کے تخت و تاج چھوڑ رخصت ہوا

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر تمام شہر میں آناً فاناً پھیل گئی اور تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ دو اور تین بجے کے درمیان آپ کی میت کو موٹر میں فلک نما سے چو محلہ لایا گیا دس بجے شب کے مشائخین نے میت کو غسل دیا اور حسب دستور قدیم میت کو بعض زیورات پہنائے گئے۔ اور جنازہ ایک صندوق میں رکھا گیا جس پر کمخواب کا غلاف تھا غلاف پر خوشبودار پھولوں کی چادر تھی۔ شامیانہ میت بھی کمخواب کا تھا جنازے کے آگے مولود خوان تھے اور ایک چھوٹی سی کشتی میں کچھ تبرکات بھی تھے۔ رات کے ڈیڑھ بجے کے قریب مکہ مسجد کے شاہی قبرستان میں حضرت مغفرت مکان کے پہلو میں **اس محبوب وجود کو سپرد خاک کردیا**

قبر پر چودہ حافظ اور کچھ چوبدار رہ گئے۔ کیسا عجیب منظر اور عبرت انگیز مرقع ہے کہ جس وجود کی سلامتی اور رضامندی کے لئے کروڑوں انسان دست بدعا رہتے تھے۔ وہ زیر زمین ہے، جنرل آفیسر کمانڈنگ گیریژن سکندرآباد نے یونہی اس خبر کو سنا اظہار غم کے لئے ۲۱ توپ کی سلامی دی۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام دفاتر اظہار غم کے لئے ایک ہفتہ تک

بند رہے حیدر آباد۔ رزیڈنسی اور سکندر آباد کی دوکانیں بھی مسلسل تین دن تک بند رہیں اور بعض دوکانات پر اظہارِ غم کے نشان کے طور پر سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔ اِس حادثہ پر جو آصفی تاریخ کا ایک ورق اُلٹنے والا تھا۔ ملک معظم وایسرائے ہند کے علاوہ ملک کے ہر حصّہ اور ہر طبقہ کی طرف سے انفرادی اور اجتماعی رنگ میں تعزیت کے تار اور رزولیوشن وصول ہوئے۔

ظاہر ہے کہ اس خبر وفات نے تمام دنیا میں ایک دلچسپی پیدا کر دی لندن کے اخبارات نے اعلیٰحضرت کی وفات پر اپنے ماتمی کالموں میں اظہار افسوس کیا اور محبوب مرحوم کی اعلیٰ خوبیوں اور کمالات کے تذکرے شایع کئے۔ اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات نے تاریخ آصفی کے ایک باب کو ختم کر دیا اور نئے باب کا آغاز ہوا حضرت ولیعہد بہادر میر عثمان علیخان اسوقت تک ایک بے فکر زندگی بسر کر رہے تھے لیکن آج وہ محسوس کر رہے تھے کہ انکے کندھوں پر کتنا بڑا بار ہے۔

ایک طرف محبوب و محترم باپ کے سایہ عاطفت سے الگ ہونا دوسری طرف وسیع مملکت کی اہم انتظامی ذمہ داریاں اور فرائض ہر شخص اس قلب کی کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا جو اسے محسوس کر رہا تھا۔ اسطرح

حضرت آصف جاہ ہفتم کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا



دوسرا باب

حیات عثمانی کا دوسرا دور

(میر عثمان علیخان بہ حیثیت سلطان دکن)

شاہ مردو شاہ زندہ باد | قرآن مجید نے جو فرمایا ہے۔ کُلَّ یَومٍ ہُوَ فِی شَان کچھ شک نہیں ہر نیا دن بلکہ ہر دن کا ہر لمحہ اپنی اپنی تجلیون کو لیکر آتا ہے انسان چونکہ واقعات اور حالات کے تبادلہ پر غور نہیں کرتا اور یونہی گذر جاتا ہے لیکن ایک عارف دیکھتا ہے کہ وقت کا ہر چھوٹے سے چھوٹا حصّہ حیرت انگیز تبدیلیاں کر دیتا ہے۔ انقلاب عالم کی تاریخ ایسی ہی دلچسپیون کا مجموعہ ہے مگر تھوڑے اور بہت ہی تھوڑے ہیں جو ان حوادث اور اثرات پر غور کرتے ہیں۔ ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کا آفتاب جب طلوع ہوا تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ

حیدرآباد کی تاریخ کا ورق الٹ جائیگا

لیکن دوپہر ہوتے ہوتے

شاہ مردو شاہ زندہ باد

کی آواز فضا میں فرشتون نے بلند کردی۔ حضرت ولیعہد بہادر میر عثمان علیخان کی زندگی کا یہ انقلاب ایک حیرت انگیز انقلاب تھا۔ اسلئے کہ وقت واحد میں آپ کے قلب پر

والد محترم کی وفات کا صدمہ تھا رنج اور غم کے جذبات جوش اور ہیجان میں تھے اور انہیں حالات میں آپکو

سریر آصفی کو زینت دینا تھا

تخت نشینی | چنانچہ حسب دستور دولت آصفیہ ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو آپ مرحوم محبوب دکن اپنے والد محترم کے جانشین ہو کر

سریر آرائے دولت آصفی ہوئے

آصف جاہ ہفتم آپ کا لقب ہوا۔ ابھی اعلیحضرت مرحوم کی تکفین وتدفین بھی نہیں ہوئی تھی اس وقت صرف جانشینی کا اعلان ضروری تھا چنانچہ آپ کے بادشاہ ہونیکا اعلان نواب شہاب جنگ وزیر کوتوالی نے چار مینار کے متصل باآواز بلند پڑھا۔ اسکے بعد نواب وزیر یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ گھوڑے پر سوار ہوئے ان کے ہمراہ مختصر سی جمعیت کوتوالی تھی اونہوں نے تمام راستوں پر

اس اعلان کا تکرار کیا

چنانچہ تھوڑے ہی وقت میں تمام شہر میں یہ اعلان ہوگیا کہ آج سے دولت آصفیہ کے نئے سلطان اور نظام دکن

اعلیحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ ہیں

اور اسی تاریخ یعنی ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو جریدہ[۱] اعلامیہ میں یمین السلطنتہ مہاراجہ بہادر مدار المہام نے اعلان کیا کہ چونکہ اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان بہادر فرمانروائے سلطنت دکن انتقال کرچکے ہیں لہذا اعلیحضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علیخان بہادر

حاشیہ[۱]۔ میں یہاں جریدہ اعلامیہ محولہ بالا کو درج کردیتا ہوں۔ یہ جریدہ اعلان وفات تھا۔

سریرآرائے سلطنت ہوئے اور اس سانحہ جانگداز کی سوگواری میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے جملہ دفاتر سرکاری سات روز تک بند رہیں۔

اسطرح اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کا عہد حکومت

۲۹ اگست ۱۹۱۱ء سے شروع ہوا

اورنگ نشین دولت آصفیہ ہونے کے بعد اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کو سب سے پہلے جو پبلک تقریب پیش آئی وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴-

جریدہ غیر معمولی

جلد ۲۴ حیدرآباد دکن ۲۳ مہر ۱۳۲۰ف م ۵ رمضان ۱۳۲۹ھ نمبر ۵۰

۵ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۳ مہر ۱۳۲۰ف

امراء اعزہ اعیان و ارکان دولت و ملازمین و رعایا و برایائے سرکار عالی کی اطلاع کیلئے اعلان کیا جاتا ہے کہ نفٹنٹ جنرل ہز ہائینس مظفر الملک والممالک نظام الدولہ نظام الملک نواب سر میر محبوب علیخان بہادر تاب ثراہ وفی الجنۃ مثواہ کی جگہ عالیجناب حضرت شہزادہ ولیعہد نواب میر عثمان علیخان بہادر اس ریاست ابد مدت کے مسند نشین ہوئے اور زمام حکومت اپنے دست مبارک میں لی ہے۔ چنانچہ اسکی منادی حسب دستور قدیم ۵ ماہ صیام ۱۳۲۹ ہجری کو بلدہ میں کردیگئی۔ پس جملہ خانہ زادان و غلامان و بہی خواہان دولت آصفیہ پر لازم کہ اطاعت و انقیاد کے ساتھ ملک و مالک کی خدمت گزاری میں سرگرم و مصروف نیز امن و امان ملک و آسایش و صلاح و فلاح رعایا میں کوشاں رہیں۔ صوبوں اور اضلاع و تعلقات کے مستقر پر جملہ صوبہ داران صاحبان و تعلقداران صاحبان و تحصیلداران صاحبان کو چاہیئے کہ اس اعلان کے مجمع عام میں علی روس الاشہاد پڑھے جانیکا انتظام کریں۔

علیٰ ہذا القیاس جملہ معزز امرایان پائیگاہ و جاگیرات و نیز کل جاگیرداران صاحبان وغیرہم اپنے اپنے پائیگاہوں و جاگیرات میں بذریعہ عہدہ داران متعلقہ مجمع عام میں اس اعلان کو پڑھے جانیکا بندوبست کریں فقط

کشن پرشاد یمین السلطنۃ
مدار المہام سرکار عالی

دربار تعزیت تھا

دربار تعزیت | یہ دربار حسب دستور قدیم ۵ رمضان ۱۳۲۹ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۱۱ء چہارشنبہ کے دن حویلی مبھلی بیگم میں منعقد ہوا۔ یہ انگریزی دربار تھا اسلئے کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے رزیڈنٹ صاحب حیدرآباد تعزیت اور پرسہ کے لئے آنے والے تھے۔ اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم باوجودیکہ آپکا دل باپ کی وفات سے صدمہ رسیدہ تھا پورے وقار اور سکون کے ساتھ کنگ کوٹھی سے شاہانہ حیثیت سے سوار ہوئے۔ آپ ایک عالی شان لینڈو گاڑی میں سوار تھے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اور افسر الملک مرحوم اڈیکانگ تھے۔ سواروں کی ایک کافی جماعت ہمراہ تھی جن میں امپیریل سروس کے سوار حبشی سواروں کا گارڈ اور باڈی گارڈ سلطانی کے سوار تھے۔

اعلیحضرت کی سواری کی گاڑی میں نقرئی گھوڑے جتے ہوئے تھے دوسری گاڑیوں میں دوسرے شرکائے جلوس سوار تھے۔ ٹھیک سوا پانچ بجے کرنل پنہے رزیڈنٹ حیدرآباد معہ اپنے اسٹاف کے سفید لباس میں ملبوس داخل ہوئے۔ اعلیحضرت نے کرنل پنہے اور رزیڈنسی کے افسران سے مصافحہ کیا۔ رزیڈنٹ اور انکا اسٹاف دربار آصفی کے طریق کے موافق اعلیحضرت کی داہنی جانب بیٹھ گیا اور حضور کے بائیں طرف امرا و عماید و اراکین دولت آصفیہ کی نشست حسب دستور و مراتب تھی۔ اس موقعہ پر لمبی تقریروں کا موقعہ نہ تھا۔ یہ دربار صرف دربار تعزیت تھا۔ اور رسمی طور پر حکومت برطانیہ کا اعلیحضرت کی حکومت کا اعتراف کرنا تھا۔ رزیڈنٹ صاحب نے کھڑے ہوکر اعلیحضرت مرحوم کی وفات پر گورنمنٹ کی طرف سے اظہار افسوس کیا اور پرسہ دیا۔ اسی تقریر کے ضمن میں مرحوم کی خوبیوں اور کمالات کا بیان کیا اور اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے متعلق کہا کہ میں آپکے مستقبل کو امید اور بھروسہ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں اور مجھکو یقین ہے کہ آپنے وہی شاندار اوصاف ترکہ میں پائے ہیں جنکے لئے آپکے والد محترم بجا طور پر مشہور رہے تھے

ریزیڈنٹ صاحب کی تقریر کا یہی خلاصہ اور مفہوم تھا۔ اسکے بعد قدرتی طور پر اعلیحضرت کو اس کا جواب دینا تھا۔ ایسے موقعہ پر جبکہ دل غم پدری میں نڈھال ہو اور حکومت برطانیہ کا نمائندہ اور ارکان دولت آصفیہ موجود ہوں اور آپ کو پہلی پبلک تقریر کا موقعہ ملا ہو۔ اور تقریر بھی ایسے موضوع پر جو آپ کے نظام عمل اور طریق حکومت کے لئے گویا

مرغ باد نما ہو

تقریر کرنا آسان نہیں تھا مگر آپ پورے سکون اور شاہانہ وقار کے ساتھ کھڑے ہوئے گو قلب مجروح اور محزون تھا مگر تقریر کے دوران میں آپ کے چہرہ کے آثار نے اس کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس موقعہ پر پہلی مرتبہ یہ ثابت ہوا کہ حیدر آباد کا موجودہ سلطان اپنے جذبات پر بھی حکومت کرتا ہے۔ یہ آپ کی بہ حیثیت بادشاہ

پہلی پبلک تقریر تھی

آپ نے ریزیڈنٹ کو اسطرح خطاب کیا۔

کرنل پینے! میں ممنون ہوں کہ آپ نے آج میری ملاقات کے لئے مہربانی کی ہز مجسٹی ملک معظم قیصر ہند نے جو شفقت آمیز اور کریمانہ پیغام دیا ہے میں از بس ممنون ہونگا اگر آپ اسکے لئے میرا مخلصانہ شکریہ ملک معظم کی خدمت میں پہونچا دیں گے۔

میں آپ سے یہ بھی کہونگا کہ وائسرائے ہند نے میرے والد محترم کی وفات پر جو ہمدردی اور تعزیت کا تار مجھے بھیجا ہے اس کے لئے بھی آپ مہربانی کرکے میرا بہترین شکریہ ہز اکسلنسی تک پہونچا دیں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں حتی الامکان یہی کوشش کرونگا کہ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل کر

اپنی رعایا اور ملک کو فائدہ پہونچاؤں

اور ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ کا خیر خواہ رہونگا۔ موقعہ کی اہمیت اور مناسبت کے لحاظ سے یہ تقریر نہایت اہم اور جامع تھی۔ آصف جاہ ہفتم نے اپنی اس تقریر میں اپنی آئندہ زندگی کا جو پروگرام پیش کیا اور جس کا وعدہ انگریزی حکومت کے نمایندے اور دولت آصفیہ کے عماید و ارکین کے سامنے کیا وہ نہایت مہتم بالشان اور سلطان دکن کے نصب العین کو لئے ہوئے ہے اور وہ

اپنی رعایا اور ملک کو فائدہ پہونچانا ہے

میں اس مقصد عظیم میں ممالک محروسہ اور ہندوستان دونوں کو شامل سمجھتا ہوں اپنی رعایا کے لفظ میں دولت آصفی کی رعایا ہے اور ملک سے ہندوستان مراد ہے اور اسکے بعد دولت برطانیہ سے اپنے تعلقات کو بھی صاف الفاظ میں واضح کردیا

ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ کا خیر خواہ رہونگا

اور یہ دونوں باتیں آپ کی عملی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہیں جیسا کہ میں اس کتاب کے تیسرے حصہ میں اور دوسری جلد میں خصوصیت کے ساتھ تصریح کرونگا۔ اعلیحضرت کی تقریر کے بعد دربار تعزیت ختم ہوگیا اور رزیڈنٹ صاحب اور انکے اسٹاف کے لوگ رخصت ہوگئے لیکن اعلیحضرت حسب دستور آصفی تشریف فرما رہے۔ اس موقعہ پر امرا و عماید سلطنت نے آئین آصفی کے موافق نذریں پیش کیں۔ نذور کے بعد اعلیحضرت موٹر میں سوار ہوکر تشریف لے گئے۔

مسند نشینی کا دربار اور عثمانی جلوس

اعلیٰحضرت آصفجاہ ہفتم کے سلطانِ دکن کا اعلان ۲ ر رمضان ۱۳۲۹ھ بروز دوشنبہ ہی دن کے تین بجے ہو چکا تھا جیسا کہ دولت آصفیہ کا آئین قدیم ہے لیکن اس کے لئے حسب دستور ، ر رمضان ۱۳۲۹ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۱۱ء بروز جمعہ دن کے چار بجے آپ کی مسند نشینی کا

انگریزی دربار ہوا

انگریزی دربار میں اسے اسلئے کہتا ہوں کہ اس دربار میں رزیڈنٹ صاحب نے حکومت برطانیہ کی طرف سے آصفجاہ ہفتم کو انکی تخت نشینی کی مبارکباد دی اور یہ دربار اسی غرض سے منعقد کیا گیا تھا۔ کرنل پینے معہ اپنے اسٹاف کے موجود تھے اور آصفجاہ ہفتم کی دولت آصفیہ کے عماید و ارکان بھی اس تقریب میں حاضر تھے۔ یہ دربار چو محلہ میں منعقد ہوا۔ کرنل پینے نے اعلیٰحضرت کو سریر آرائے دولت آصفیہ ہونے پر حکومت انگریزی کی طرف سے

مبارکباد دی

اور اس موقعہ پر ایک رسمی تقریر کی اعلیٰحضرت نے مناسب موقعہ رزیڈنٹ کا شکریہ ادا کیا۔ (یہ تقریریں ایک جائی طور پر دوسری جگہ درج ہونگی۔)

اس موقعہ پر ۲۱ ضرب اتواپ کی سلامی نے پھر آصفجاہ ہفتم کے تخت نشین ہونے اور حکومت برطانی کے اعتراف کا اعلان کیا۔

عطر و پان حسب معمول دربار تقسیم ہو کر دربار برخاست ہوا اور اس تقریب پر کنگ کوٹھی سے ۲۱ قیدی رہا کیے گئے۔

جلوس عثمانی

اگرچہ اعلیٰحضرت کا قلب والد محترم کی وفات کے صدمہ سے مجروح اور محزون تھا لیکن مجبوراً غم اور رنج کے جذبات پر قابو پا کر آپ پبلک تقریبوں میں شریک ہوتے تھے۔

۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ کو حیدرآباد میں اعلیٰحضرت کی سواری کا جلوس نکلا۔ یہ جمعہ کا دن تھا ساڑھے دس بجے یہ شاہانہ جلوس اس غرض سے نکلا کہ

آصفجاہ ہفتم کی مسند نشینی کا اعلان ہو

اور حیدرآباد کی رعایا اپنے بادشاہ کو دیکھ لے۔ اعلیٰحضرت اپنے بلند بالا اور نہایت مزین ہاتھی کی عماری میں سوار تھے ہاتھی کو اس تقریب پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا اسکے مستک پر اور جسم کے تمام اعضا پر عجیب و غریب رنگ برنگ کے پھول اور بیلیں بنادی گئی تھیں اور اسپر طلائی عماری رکھی گئی تھی جو نہایت شوخ اور چمکدار تھی۔ عماری طلائی تو تھی ہی اسپر اسے ریاست کے شاہی رنگ میں ایسا نمایاں پالش کر دیا تھا کہ

آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں

جب یہ جلوس حویلی قدیم سے روانہ ہوا تو راستہ میں رعایائے دکن اپنے بادشاہ کے دیدار فرحت آثار کے لئے دورویہ کھڑی تھی اور جوان بخت سلطان کو دیکھکر شادمانی و مسرت کے جذبات سے بے قابو ہو کر لگاتار حرز دے رہی تھی اور ہر طرف سے دعاؤں کی اتقا صدائیں اٹھ رہی تھیں کہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا اعلیٰحضرت اپنی رعایا کی اس گرم جوشی۔ اخلاص اور شاہ پرستی کے جذبات کو دیکھ کر بے حد متاثر تھے اور اپنی شاہانہ ذمہ داریوں کا احساس فرمارہے تھے۔

اعلیٰحضرت کا لباس اسوقت نہایت قیمتی تھا۔ اور دستار شاہانہ پر موتیوں کی متعدد مالائیں تھیں۔ اور دونوں بازوؤں پر بیش قیمت بازوبند تھے۔ غرض آپ شاہانہ لباس میں ملبوس تھے اور آفتاب کی کرنیں پڑھکر اس شاندار لباس کی ضیا کو اور بھی تیز کر رہی تھیں یہ جلوس شہر کے بازاروں میں نہایت خوش اسلوبی اور آہستہ خرامی کے ساتھ جارہا تھا اعلیٰحضرت اپنے دونوں ہاتھوں سے روپیوں کی مٹھیاں بھر کر دونوں طرف خیرات کے طور پر پھینک رہے تھے یہ جو کچھ بھی تھا شاہی آئین اور خاندانی رسم کے طور پر تھا ورنہ اعلیٰحضرت خیرات کے صحیح

طریق کو سمجھ رہے تھے۔ رعایا کے جذبات اخلاص کے اعتراف میں آپ دونوں طرف اپنے ہاتھ سے رعایا کے سلام کا جواب بھی دیتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ بے حد موثر تھا چار گیارہ سے ساڑھے بارہ بجے چو محلہ رونق افروز ہوئے۔

سیر یمین السلطنتہ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اعلیٰحضرت کی خواصی میں مورچل لئے حاضر تھے۔ اعلیٰحضرت کے ہاتھی کے عقب میں کرنل افسر الملک کا ہاتھی تھا اور اسکے بعد ۴۵ ہاتھی سجے سجائے شریک جلوس تھے جس پر عمائد اور مجاز عمائد سوار تھے۔ امراء بسواری اسپ شریک جلوس تھے۔

ساڑھے تین بجے دربار منعقد ہوا جس میں تمام امراء جاگیرداروں اور منصبداروں و جمعداروں نے نذریں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی پونے چھ بجے تک یہ دربار منعقد رہا۔ اور پھر برخاست ہوا۔

سیر یمین السلطنتہ کی عزت افزائی

قبل اسکے کہ جلوس مبارک کی سواری روانہ ہو۔ اعلیٰحضرت نے مہاراجہ بہادر کو حویلی قدیم میں جواہرات سرفراز فرمائے اور اسطرح اپنے عمل سے بتایا کہ حیدر آباد کا سلطان

اپنے وفادار ارکان دولت کا قدر شناس ہے

اس مسند نشینی کے دربار کی تقریب پر پہلا کام بندگان عالی نے یہ کیا کہ

بارہ ہزار روپیہ سالانہ کے یومیئے جاری کیے

یہ یومیہ مختلف لوگوں کے نام پر اجرا ہوئے جن میں بلا امتیاز و تخصیص ہر قوم کے لوگ داخل تھے۔

سر مہاراجہ کو جو جواہرات اس تقریب پر دئے گئے انکی تفصیل یہ ہے۔

ایک کنٹھہ مروارید۔ ایک گھڑی طلائی معہ زنجیر طلائی مرصع کار۔ دو انگشتری جواہر نگار اس داد و دہش کیساتھ یہ جلوس اور دربار ختم ہوا۔

طاعون کا اشتداد اور رعایا میں پریشانی

اعلیٰحضرت آصفجاہ ہفتم جب سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے تو طاعون کی وارداتیں شروع تھیں چنانچہ ۲۷ اگست ۱۹۱۱ء سے محلہ نامپلی میں اسکا حملہ شروع ہوا حکومت کی طرف سے انسدادی کارروائی فوراً شروع ہو گئی۔ اور جو انتظامات علاقہ انگریزی میں اس وبا کے روکنے کے لئے بطور حفظ ما تقدم ضروری سمجھے گئے تھے وہی یہاں بھی اختیار کئے گئے اور جسطرح انگریزی علاقہ میں لوگ اپنی جہالت اور قدیم رسم و رواج کی پابندیوں کی وجہ سے ان انتظامات سے متنفر تھے یہاں بھی وہی حالت تھی۔ طاعون ترقی کر رہا تھا کہ اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات کا واقعہ پیش آ گیا اور نئے سلطان کو اپنی رعایا کے بچانے کا فکر دامنگیر ہونا قدرتی امر تھا۔ چنانچہ ۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کو مسٹر جے۔ ٹی براکمین ناظم طبابت کو انتظام طاعون کے لئے پلیگ کمشنر مقرر کیا اور انہوں نے انسدادی تدابیر میں سیگریگیشن کیمپ قائم کیا اور متاثرہ رقبہ کے گھروں کو خالی کرانا شروع کیا۔ اور یہ تجویز پرانے رسم و رواج کے پابند اور جہلا کو ناپسند ہوئی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اڈیک منڈ۔ دلاور گنج اور مسلم باغ کے لوگوں نے انتظام طاعون کے خلاف بلوہ کر دیا۔ اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات پر ابھی چند ہی روز گذرے تھے۔ آصفجاہ ہفتم اپنے سوگوار دل کو اطمینان بھی نہ دے سکے تھے رعایا کی اس مصیبت کا احساس تو تھا ہی اس پر اسکی اس قسم کی حرکات نے سخت صدمہ دیا مگر ایسے ہی مواقع پر استقلال و ہمت کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۱ء کو دن کے گیارہ بجے لودھے واڑی اور دھول پیٹھ کے لودھوں نے انتظام طاعون سے ناراض ہو کر بلوہ کر دیا اور چار ہزار کے قریب آدمیوں کا مجمع اکٹھا ہو کر کنگ کوٹھی کو فریاد لیکر چلا گیا ایسے جوش اور ہیجان کے وقت جو کچھ بھی نتائج پیدا ہوں وہ ممکن ہیں پنجاب کے مختلف مقامات پر خطرناک فساد انہیں انتظامات کے سلسلہ میں ہو گئے۔ لیکن اس جوان بخت کے اقبال اور اس کے استقلال کو دیکھو کہ یہ مجمع کنگ کوٹھی کی طرف بڑھا۔ آپ نے کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا بلکہ رعایا کی تسلی کے سامان کئے۔ اور حوصلہ اور شجاعت سے انتظام کو قائم رکھا۔ کسی قسم کی بدنظمی پیدا نہیں ہونے دی رفتہ رفتہ لوگ اس انتظام کی خوبیوں سے واقف ہونے لگے اور عملہ انتظام کو بھی آسانیاں میسر آنے لگیں یہ ایسا نازک وقت تھا کہ اگر حکمت و دانش سے

کام نہ لیا جاتا تو نہ صرف حکومت کے وقار کو صدمہ پہونچتا بلکہ ممکن تھا کشت و خون تک نوبت پہونچ جاتی میں تو سمجھتا ہوں اعلیحضرت کے لئے یہ

پہلا امتحانی پرچہ تھا جس میں عمدگی سے کامیاب ہوئے

انسداد طاعون کے لئے کیا انتظامات کئے گئے اسوقت اس بحث میں نہیں جاتا اس واقعہ کو ترتیب واقعات کے زیر نظر درج کردیا گیا ہے اور اس خیال سے کہ یہ اعلیحضرت کی ہمت بلند اور تدبیر صحیح کو ظاہر کرتا ہے

بحیثیت بادشاہ رزیڈنسی میں ورود

سریر آرائے دولت آصفیہ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ آپ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو رزیڈنٹ کی ملاقات کے لئے رزیڈنسی تشریف لے گئے۔ شنبہ کا دن تھا ۵ بجے آپ بسواری موٹر کنگ کوٹھی سے روانہ ہوئے رزیڈنسی میں سلطان دکن کی شان کے موافق استقبال ہوا۔ رزیڈنٹ صاحب سے بے تکلفانہ اور دوستانہ ملاقات ہوئی ایک گھنٹہ تک اعلیحضرت رزیڈنسی میں قیام فرما رہے اور پھر واپسی عمل میں آئی۔ کرنل پنہے کو اعلیحضرت کے ساتھ خصوصیت سے محبت تھی اور اعلیحضرت بھی ہمیشہ ان سے خوش رہے۔

پہلا جمعہ | سلطان دکن ہونے کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے آپ ۲۸ رمضان ۱۳۲۹ھ کو مکہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ جمعۃ الوداع تھا اور اس خبر نے کہ اعلیحضرت مکہ مسجد میں نماز کے لئے تشریف لائیں گے بے انتہا مخلوق کو جمع کردیا تھا۔ اعلیحضرت حسب معمول سادگی کے ساتھ اخلاص سے خدا کے گھر میں داخل ہوئے اور بادشاہوں کے بادشاہ کے حضور

نذر عقیدت پیش کی

عید الفطر کا پہلا دربار | باپ کی وفات اور اورنگ نشین دولت آصفیہ ہونے کے بعد پہلی عید آئی۔ رنج و راحت کے متضاد جذبات کے ہجوم میں چومحلہ میں یکم شوال بروز شنبہ رات کو مغلائی دربار منعقد ہوا۔ اس تقریب پر عمایدو اراکین کے علاوہ وہ تمام لوگ موجود رہتے جو

ہمیشہ اس تقریب پر

اپنے بادشاہ کے حضور نذریں پیش کرتے ہیں

اعلیٰحضرت کنگ کوٹھی سے روانہ ہوکر دس بجے دربار میں رونق افروز ہوئے۔ اور دربار کے قدیم طریق کے موافق سلسلہ نذور شروع ہوا۔ اس تقریب پر سریمین السلطنتہ بہادر کو انکی خدمات کے اعتراف کے طور پر سلطان دکن کی طرف سے جواہرات سرفراز ہوئے۔
جنکی تعداد نو تھی۔ وسط شوال میں بھی ایک انگشتری سرفراز ہوئی۔ یہ دربار رات کے ۱۲ بجے تک جاری رہا اور بارہ بجے برخاست ہوا۔

وائسرائے ہند کی آمد | اسوقت لارڈ ہارڈنگ ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل تھے اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات پر انہوں نے نہایت ہمدردی سے تعزیت کا تار روانہ کیا تھا۔ اور وہ خود بھی جلد آنے والے تھے چنانچہ ۲۳ ر شوال ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۱۱ء بروز دوشنبہ سوا آٹھ بجے صبح کے وائسرائے کی اسپیشل حیدرآباد پہونچی۔ اعلیٰحضرت نے پہلی مرتبہ بحیثیت سلطان دکن دولت برطانیہ کے نائب السلطنت کو اپنے دارالخلافہ میں خیر مقدم کہا۔ دستور کے موافق وائسرائے بہادر کا استقبال ہوا۔ توپوں کی سلامی ہوئی۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ جو پروگرام اس تقریب کے متعلق قبل از وقت رزیڈنسی کے مشورہ سے طے ہوچکا تھا۔ اور ۱۴ ر شوال ۱۳۲۹ھ کے جریدہ اعلامیہ میں پھر بترمیم ۱۷ ر شوال ۱۳۲۹ھ شایع ہوچکا تہا۔ اسپر پورا عمل ہوا بجز اس کے کہ روانگی ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۱۱ء بروز چہارشنبہ شب کو مقرر تھی لیکن دوسرے روز ۱۹ ر اکتوبر کی شبکو گیارہ بجے ہوئی اسطرح وائسرائے بہادر نے ایک روز زاید قیام فرمایا۔ وائسرائے بہادر کا قیام رزیڈنسی میں تہا۔ اعلیٰحضرت کی ملاقات سے وائسرائے کو طبعی طور پر بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے نوجوان سلطان دکن میں قابلیت کے تمام صفات کو نمایاں دیکھا۔ اور اعلیٰحضرت کو بھی سب سے پہلا موقعہ ملا کہ آپ برطانی سلطنت کے نمایندے کو اپنے دارالخلافہ میں اپنے مہمان عزیز کی حیثیت میں قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

گلبرگہ کو روانگی | ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ کو گلبرگہ شریف کے عرس میں شمولیت کے لئے بندگانعالی معہ محلات شاہی شام کے ساڑھے چھ بجے بذریعہ اسپشل ٹرین روانہ ہوئے اس سفر میں آپکے اسٹاف کے علاوہ مدیر المہام سلطنتہ بھی ہمرکاب تھے۔ گلبرگہ میں بھی آپ بادشاہ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ تشریف لیجارہے تھے۔ مگر آپ کے اس سفر کی غرض محض گلبرگہ کی خاک میں سونے والے اللہ کے ولی کے حضور

اظہار اخلاص تھا

گلبرگہ کی رعایا تو اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتی تھی کہ ممالک محروسہ میں سے سب سے پہلے انکا بادشاہ انکے گھر میں آیا اور وہ خوشی سے یہ شعر پڑھتے تھے۔

وہ آئیں ہمارے گھر میں خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اعلیٰحضرت کو دربار گلبرگہ سے ہمیشہ سے عقیدت و اخلاص ہے اور علی العموم آپ عرس پر تشریف لے جاتے ہیں۔

دربار قیصری کی شمولیت | اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات کے بعد برابر آپ کی مصروفیت روایتی اور آئینی درباروں اور تقریبوں کی صورت میں رہی اور ابھی ایک بہت بڑی مصروفیت آپکے لئے اس سال کے ختم ہونے سے پہلے باقی تھی۔ اور یہ

ملک معظم کے دربار دہلی میں شمولیت تھی

اس دربار میں شریک ہونے کے لئے اعلیٰحضرت مرحوم تیاریاں کر رہے تھے لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ دربار قیصری میں شمولیت کے لئے کس کے نام قرعہ پڑیگا۔ اعلیٰحضرت مرحوم زندہ ہوتے تو ہونے والا سلطان بہ حیثیت ولیعہد اس دربار میں شریک ہوتا مگر مشیت ایزدی نے یہی مقدر کیا تھا کہ وہ اس دربار میں

بہ حیثیت سلطان دکن شریک ہوں

آپ کے اس سفر کا پروگرام ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۳ ذی ۱۳۲۱ف جریدہ میں

شایع کیا گیا جسکے رو سے غرہ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو روانگی اور ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو مراجعت مقرر ہو چکی تھی اور اسطرح عید الضحیٰ آپ بلدہ میں نہیں بلکہ دہلی میں کرنے والے تھے۔ یہ دہلی دربار ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہونے والا تھا جس میں خود ملک معظم قیصر ہند جارج پنجم معہ ملکہ معظمہ تشریف لاکر تاجپوشی کے دربار کو رونق دینے والے تھے اس تقریب پر اعلیٰحضرت خود توبہ نفس نفیس دہلی تشریف لیجارہے تھے مگر حیدرآباد میں بھی اس تقریب پر اظہار مسرت کا پورا اہتمام فرمایا گیا اور اس کے لئے آپ نے روانگی سے پیشتر ایک جریدہ غیر معمولی میں یہ اعلان فرمایا:

خلاصہ جریدہ مورخہ ۳۰ ذیعقدہ ۱۳۲۹ھ

کہ اس مسرت بار موقع پر ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام دفاتر کو ۱۰ دسمبر ۱۹۱۱ء م ۲۳ بہمن ۱۳۲۱ف روز پنجشنبہ سے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۱ء م ۲۶ بہمن ۱۳۲۱ف روز سہ شنبہ تک جملہ دفاتر کو تعطیل دی جاوے منجملہ ان ایام کے ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء یعنی ۲۵ بہمن ۱۳۲۱ف کو دفاتر سرکاری بالکل بند رہیں گے اور بقیہ ایام مشروطی تعطیل کے ہونگے کہ ضروری سرکاری کام جاری رہے اور بغرض ادائی رسم تاجپوشی دس ہزار روپیہ کی منظوری دی گئی جسکے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے ارکان ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب رائے بالمکند صاحب اور مسٹر وکفیلڈ مقرر ہوے۔ اس رقم سے طلبا مدارس کو شیرنی اور مساکین کو کھانا کھلایا گیا حسب قرار داد شاہی اعلان پڑھا گیا۔ بعد مغرب روشنی ہوئی ۱۰۱ توپوں کی سلامی سر ہوئی۔ الغرض پروگرام مقررہ و مشتہرہ کے موافق یکم ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بروز پنجشنبہ موکب ہمایونی بغرض شرکت دربار قیصری ساڑھے چار بجے دن کے بذریعہ اسپشل ٹرین روانہ ہوا۔ سلطان دکن کا بہ حیثیت سلطان یہ پہلا سفر تھا حیدرآباد سے روانگی پبلک تھی اسلئے بہت بڑا اژدہام رعایائے آصفی کا آپ کو خدا حافظ کہنے کے لئے موجود تھا۔ اس سفر میں خاندان شاہی کے بہت سے افراد ہمراہ تھے۔ اعلیٰحضرت کے محلات کے علاوہ بیگمات شاہی حضرۃ بیگم صاحبہ والدہ ماجدہ حضرۃ دادی صاحبہ قبلہ صاحبزادگان بلند اقبال برادران گرامی قدر لیڈی وقار الامراء بہادر اور انکی صاحبزادی اور

نواسیاں بھی اس سفر میں ہمرکاب تھے۔ جیسا کہ پروگرام میں مشتہر ہو چکا تھا ٹھیک وقت پر ۹؍ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بروز سہ شنبہ دن کو ۵ منٹ کم ۱۲ بجے موکب ہمایونی

فائز دہلی ہوا

اسٹیشن پر رزیڈنٹ حیدرآباد اور فارن آفس کے عہدہ داروں اور امرائے حیدرآباد نے جو پہلے سے پہونچ چکے تھے شاندار استقبال کیا اسٹیشن پر

یوروپین گارڈ آف آنر موجود تھا

حسب دستور و مراسم شاہی آپ کے ورود دہلی پر ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر ہوئی اس موقع پر دہلی تو عروس البلاد بنا ہوا تھا۔ اعلیٰحضرت کے فروکش ہونے کے لئے

جہانگیر مینشن

میں انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضور اسٹیشن سے اتر کر بسواری موٹر فرودگاہ کو تشریف لیگئے۔ دربار دہلی اور قیام دہلی کے واقعات اور حالات کو میں یہاں بیان نہیں کرونگا اسلئے کہ مستقل تصانیف اس خصوص میں شایع ہو چکی ہیں۔ یہ ایام نہایت مصروفیت کے تھے اس موقعہ پر تمام والیان ریاست جمع تھے اور ملک کے تمام حصوں سے ممتاز اور سربرآوردہ لوگ آئے تھے اور اہل حاجات۔ صناع۔ تاجر و سوداگر بھی بکثرت آئے ہوئے تھے۔ اعلیٰحضرت کے حضور سے بھی ہر شخص نے

اپنی قسمت کے موافق حصہ لیا

ملک معظم سے غیر رسمی ملاقات | ۱۰؍ دسمبر ۱۹۱۱ء کو بروز شنبہ اعلیٰحضرت حسب دعوت پولو کے میدان میں تشریف لے گئے تھے جہاں ملک معظم قیصر ہند بہ نفس نفیس موجود تھے اعلیٰحضرت کے پہونچنے پر ملک معظم نے نہایت گرمجوشی۔ محبت اور اخلاص سے **سلطان دکن** کو خیر مقدم کہا اور اسطرح نہایت بے تکلفی سے **قیصر ہند** اور **سلطان دکن** میں ذاتی اور محبت آمیز ملاقات نے

عہد دوستی کو استوار کردیا

عطائے خطاب | ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو بہ تقریب دربار تاجپوشی ملک معظم نے اعلیحضرت کو جی سی ایس۔ آئی (گرانڈ کمانڈر آف دی اسٹار آف انڈیا) کا خطاب دیا۔

واپسی حیدرآباد | غرض ۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ تک اعلیحضرت بے انتہا مصروف رہے اور آخر دہلی سے واپسی کا دن آپہونچا چنانچہ ۲۸ر ذوالحجہ ۱۳۲۹ھ بروز یکشنبہ دہلی کی درباری مصروفیتوں سے فارغ ہوکر آپ نے حیدرآباد کو مراجعت فرمائی۔ واپسی کیوقت بھی حکومت کی طرف سے مشایعت کیلئے سرکاری عہدہ دار موجود تھے۔ اسطرح یہ سفر خیر و خوبی سے ختم ہوا اور پروگرام کے مواقق ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو دن کے دو بجکر پچاس منٹ پر آپکا اسپیشل وارد بلدہ ہوا۔ اس موقعہ پر رعایائے آصفی نے اظہار عقیدت کیا۔ نظام کالج کے قریب کنگ کوٹھی کے راستہ میں

ایک شاندار کمان تیار کی گئی تھی

جس میں سے سلطان دکن کی سواری گذری اور رعایا کے اخلاص و محبت کا ایک گہرا نقش آپ کے دل پر چھوڑا۔

اسطرح آپ کے عہد سلطنت کے پہلے چار مہینے اس قسم کی غیر معمولی مصروفیتوں میں بسر ہوئے

عطایائے سلطانی

اس چار مہینے کے عرصہ میں آپ کو بہت کچھ داد و دہش کا موقعہ ملا۔ اسلیئے کہ متعدد تقاریب پیدا ہوتی چلی گیئں خصوصاً دہلی کے سفر میں بہت سے حاجت مند حاضر ہوتے رہے اور جو جسکی قسمت تھا پاتا رہا۔ اس قسم کے عطایا کی تفصیل ممکن نہیں مگر میں بعض خاص رقوم کا ذکر کرنا بے محل نہیں سمجھتا حج بدل کے لئے آپنے پانچہزار روپیہ عنایت فرمایا اور آخر ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ کو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے لئے پانچ لاکھ کا گران قدر عطیہ دیا۔ ان دو نو باتوں کا ذکر میں نے اسلیئے ضروری سمجھا کہ پہلی چیز شعائر اسلام کے احترام کو ظاہر کرتی ہے آپ امور سلطنت کی نگہداشت کیوجہ سے حج کو نہ جا سکتے تھے اسلیئے

حج بدل کا اہتمام فرمایا

گو حج کے لئے جانے کا خیال آپ کو ہمیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے بلکہ بہت ممکن تھا اگر سیمین جوبلی کی

تاریخوں میں تبدیلی نہ ہوتی تو اس سال

حج کو تشریف لیجاتے

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا عطیہ آپ کی علم نوازی کا مظہر ہے اور یہ مبارک فال تھا کہ آپ نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلے جو کام کئے ہیں وہ مذہب کی عظمت اور علوم کی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

قدر دانی عہدہ داران | پھر اس عرصہ میں بعض عہدہ داران دولت آصفیہ کی خصوصیت سے آپ نے قدر فرمائی۔ یمین السلطنتہ سرمہاراجہ بہادر کو چار مرتبہ جواہر سرفراز ہوئے۔ بہ تقریب جلوس۔ بہ تقریب دربار عید الفطر۔ وسط شوال اور ماہ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ میں اور نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی مبارک کو ایک جواہر نگار انگشتری عطا ہوئی۔

راجہ فتح نواز ونت راجہ مرلی دہر بہادر صدر المہام صرف خاص ومال کو اوایل ماہ شوال ۱۳۲۹ھ کو ایک جواہر انگشتری سرفراز ہوئی۔

مرزا عبد الرحیم بیگ صاحب کو آخر ماہ ذی قعدہ میں ایک تلوار عطا ہوئی۔ اور نواب فصاحت جنگ بہادر کو اوایل شوال ۱۳۲۹ھ میں ایک جواہر کی انگشتری اور ایک تلوار عطا ہوئی۔ اس داد ودہش اور ان مصروفیتوں میں آصفجاہ ہفتم نے ۱۳۲۹ھ کو ختم فرمایا۔ میں اسے آپکی تخت نشینی کا پہلا سال قرار دونگا گویہ چار ہی مہینے ہیں۔ اسلئے کہ واقعات کی ترتیب میں آسانی رہے۔

پائیگاہوں کی انتظامی اصلاحات

امرائے پائیگاہ کا دولت آصفیہ میں بہت بڑا اعزاز و امتیاز رہا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ امرائے پائیگاہ نے دولت آصفیہ کی تعمیر میں بہت بڑی قربانیاں کی ہے اور دولت آصفیہ نے بھی اس خاندان کو یہ عزت و رفعت دی کہ انہیں شاہی خاندان کیساتھ تعلقات صہری کا امتیاز بخشا۔ مجھے یہاں پائیگاہ کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ پائیگاہ جاگیرات دولت آصفیہ میں بہت بڑی ممتاز جاگیرات تھیں اور ہیں۔ لیکن شاہی عواطف اور اکرام کے سبب سے امرائے پائیگاہ نے اپنی

اسٹیٹس کے انتظام کو کلیتہً اپنے عہدہ داروں کے سپرد کر رکھا تھا جسکی وجہ سے بعض انتظامی اصلاحات کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ میں لکھ چکا ہوں کہ اعلیٰحضرت اپنے ایام ولیعہدی میں تمام حکومت کے نظام کا نہایت غور سے مطالعہ کر رہے تھے اور آپ کے سامنے

اصلاحات کا بہت بڑا کام تھا

جاگیرات کی اصلاحی اسکیم میں آپ نے سب سے پہلے پائیگاہوں پر توجہ کی۔ ۱۹۱۱ء یا سال جلوس کے پہلے سال کے واقعات میں پائیگاہوں کی اصلاح کے سوال کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پائیگاہ کے امرا کی پوزیشن ایسی تھی کہ خاندان آصفی کے ساتھ رشتہ کے تعلقات کی وجہ سے سلاطین آصفیہ بھی انکے معاملات میں دخل دینا کچھ پسند نہ فرماتے تھے دوسری طرف یہ چشم پوشی حالات میں اصلاح کی مزید ضرورت کا احساس پیدا کر رہی تھی۔
اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان خلد اللہ ملکہ نے تمام حالات پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ

اصلاحات کے بغیر چارہ نہیں

چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اعلیٰحضرت نے ۲۹ ر شوال المکرم ۱۳۲۹ھ م ۲۳ ر اکتوبر ۱۹۱۱ء ایک فرمان جاری فرمایا۔ یہ فرمان سر برائن ایجرٹن کے نام تھا جس میں اسکے انسپکٹر جنرل پائیگاہ کی حیثیت سے تقرر کا ذکر تھا اور اسکے دائرہ عمل کی تفصیل تھی۔
اعلیٰحضرت کے تخت نشین ہونیکے ایام میں سر برائن ایجرٹن (جو اسوقت تک سر نہوئے تھے) ۶ ماہ کی رخصت پر ولایت گئے ہوئے تھے اور وہ ابھی رخصت سے اوایل اکتوبر میں واپس ہوئے تھے۔ اعلیٰحضرت کا یہ اقدام معمولی نہ تھا۔ ابھی آپ کو تخت نشین ہوئے دو ماہ بھی نہ گذرے تھے۔ سر برائن ایجرٹن کے تقرر کے متعلق جریدہ کی اشاعت نے قدرتی طور پر امرائے پائیگاہ کے ساکن سمندر میں ایک لہر پیدا کر دی۔ اور انہیں اپنی حالت کا احساس ہوا۔
اعلیٰحضرت کا مقصد پائیگاہوں کی حالت کی اصلاح تھی۔ اور یہ تجویز آپ نے نہیں کی تھی بلکہ اعلیٰحضرت مرحوم کے زیر نظر تھی اور اگر آپ کی زندگی وفا کرتی تو آپ اسپر عمل کرتے البتہ

اعلیٰحضرت مرحوم کی تجویز کا آصفجاہ ہفتم نے عملی پہلو بدل دیا مرحوم یہ چاہتے تھے کہ یہ کام ایک کمیٹی کے ذریعہ ہو مگر آصفجاہ ہفتم نے سمجھا اور خوب سمجھا کہ کمیٹیوں کے کام میں غیر ضروری تعویق ہوتی ہے کبھی انکا قورم نہیں ہوتا اور کبھی اسکے ممبر اپنے اصل فرایض منصبی کیوجہ سے فارغ نہیں ہوتے اسلئے آپ نے ایک ذمہ دار شخص کو مخصوص کر دیا۔ چنانچہ اعلیٰحضرت نے اس خصوص میں جو فرمان سر براہ ایڈمنسٹریٹر کے نام جاری فرمایا اس میں لکھا کہ

"آپکے سپرد جو کام میں نے اب کیا ہے وہی کام صرف خاص کے عہدہ داروں کی ایک کمیٹی سے لینے کی تجویز حضرت غفرانمکان علیہ الرحمتہ نے کی تھی یہ تجویز جاری نہ ہوئی تھی کہ انکا انتقال ہو گیا۔

اب میں وہی تجویز فقط اس قدر ترمیم سے جاری کرتا ہوں کہ کمیٹی کے تقرر کے عوض آپ کو بہ حیثیت انسپکٹر جنرل پائیگاہ مقرر کیا کیونکہ مجھے مناسب پایا گیا یہ کام متعدد عہدہ داروں کی کمیٹی سے بہتر ایک ہی آدمی جلد اور اچھا کر سکتا ہے اور چونکہ میں آپکو ایک عرصہ دراز سے بخوبی جانتا ہوں۔ لہٰذا مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے کہ آپ اس اہم کام کو قابل تحسین طور سے انجام دیں گے۔"

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ اصلاحات کے لئے جب قدم اٹھایا جاوے تو ایسی تحریک اور تجویز کو خوش آمدید کہنے والے بہت کم ہوتے ہیں پائیگاہ کے عہدہ داروں اور والیان پائیگاہ میں اس جدید نظام سے ایک قسم کی حرکت کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اس اصلاحی اقدام کے متعلق مختلف قسم کی رائیں اور تبصرے ہونے لگے۔ ابتداً اعلیٰحضرت کا خیال یہی تھا کہ موجودہ حالت دریافت کرکے آئندہ کے لئے ایک بہترین نظام عمل تجویز کیا جاوے لیکن جب سر براہ نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا تو بعض اندرونی پیچیدگیاں پیدا ہونے لگیں اور بعض نقائص کی اہمیت نمایاں ہونے لگیں جب یہ پائیگاہوں کا انتظام کلی طور پر سر براہ ایڈمنسٹریٹر کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اسطرح

والیان پائیگاہ کے اختیارات لے لئے گئے

یہ ایک وقتی انتظام تھا انکو محروم کرنا مقصود نہ تھا اصلاح مدنظر تھی۔ اس انتظام جدید کے ماتحت سر برائن ایجرٹن کا لقب بھی "کنٹرولر جنرل پائیگاہ" مقرر ہوا۔ اور اسطرح کچھ عرصہ کے لئے سر برائن ایجرٹن ہی عملی صورپر پائیگاہ نوبل بن گئے اصل پائیگاہ نوبلز کو جو کچھ ملتا تھا وہ جاری رہا پائیگاہوں کی اصلاحی اسکیم کا سلسلہ بہت مباہو گیا یہانتک کہ یہ سلسلہ ۱۳۴۸ھ تک چلا گیا جبکہ پائیگاہیں اصل والیان پائیگاہ کے سپرد کر دی گئیں بجز سر وقارالامراء مرحوم کی پائیگاہ کے کہ اسکا نامزد والی نواب سلطان الملک بہادر دماغی عوارض کیوجہ سے اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ وہ اپنے فرائض کو سرانجام دے سکیں۔ اٹھارہ سال کے اس عرصہ میں متعدد کمیشن ہائے کا تقرر ہوا۔ جو کبھی پائیگاہ اور صرف خاص کے باہمی تنازعات یا مطالبات کے طے کرنے کے لئے ہوئے اور کبھی پائیگاہوں کے اندرونی تنازعات کے تصفیہ کے لئے ان کمیشنوں کے تقرر پر پائیگاہوں اور صرف خاص کی ایک کثیر رقم خرچ آئی جو حفاظت حقوق کے لئے قانونی مشیروں اور پیروکاروں کو دینی پڑی۔

ابتداً ان کمیشنوں کے تقرر میں اعلیحضرت کی حکومت ہی کے عہدہ داروں کا عنصر تھا لیکن بعد میں اعلیحضرت نے یہ مناسب سمجھا کہ اغراض انصاف کے لئے بعض باہر کے قابل اور ممتاز آدمیوں کو جو اپنی قانونی حیثیت اور علمی امتیاز سے ممتاز ہوں شریک کمیشن کیا جاوے چنانچہ گاہے کمیشن میں لکھنو سے مولوی نبی اللہ صاحب مرحوم مشہور ایڈوکیٹ اور جسٹس طیب جی کو شریک کیا گیا اور بالآخر ریلی کمیشن میں جسٹس ریلی جج ہائیکورٹ مدراس کو صدرالصدور اور رائے مرلی دہر صدرالمہام صرفخاص کے ساتھ شریک کیا۔ جسٹس ریلی کا تقرر بمشورہ گورنمنٹ آف انڈیا ہوا تھا اور انہیں اس کمیشن میں صدر کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ جو فرمان مبارک اس خصوص میں ۲۹ رجمادی الاول ۱۳۴۵ھ کو شرف صدور لایا اس میں تحریر فرمایا کہ۔

چونکہ ہر سہ پائیگاہ کا تصفیہ میرے پیش نظر ہے اور حقوق کا بین الورثہ اطمینان بخش طریقہ پر تصفیہ ہونا ضروری ہے لہٰذا اس غرض سے میں نے ایک کمیشن سہ اراکین کا مقرر کیا ہے جس میں۔ مسٹر جسٹس ریلی جج مدراس ہائیکورٹ بہ حیثیت پریسیڈنٹ شریک رہیں گے (جن کا تقرر بہ مشورہ

گورنمنٹ آف انڈیا ہوا) "اس کمیشن کا تقرر آخری تھا کیونکہ اسکی رپورٹ کے بعد اعلیحضرت نے وہ مشہور اور تاریخی جریدہ شائع کیا جو

پائیگاہون کے متعلق قول فیصل ہے

تاریخی جریدہ میں اسلئے کہتا ہوں کہ اسکو بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے اور اسلئے بھی کہ دولت آصفیہ میں آجتک اتنا بڑا جریدہ جو اپنی تفاصل اور احکام کی نوعیت کے لحاظ مع اپنے ضمیمہ توضیحی کے ایک جزو سے کم نہیں۔ انھیں کمیشنون کے سلسلہ میں ہندوستان کے مایہ ناز قانون دان بھی ایک یا دوسری جانب سے حصہ لیتے رہے چنانچہ سر راش بہاری گھوش مشہور و معروف بنگالی قانون دان بہت بڑی فیس لیکر پائیگاہ کی طرف سے پیروی کرتا رہا صرفخاص کیطرف سے مسٹر عبد اللہ یوسف علی نے پیروی کی اور ضمنی کمیشنون میں جو پائیگاہ کے اندرونی معاملات کے متعلق قائم رہے۔ مثلاً لیڈی وقار الامراء اور پائیگاہ سر وقار الامراء کے ذ نگی مطالبات کے سلسلہ میں سر برائن کی کمیشن اور صدر الصدور کی کمیشن مین کلکتہ کے مشہور و ممتاز بیرسٹر اردٹی نارٹن نے لیڈی وقار الامراء بہادر کے مطالبات کو پیش کیا اور لیڈی وقار الامراء بہادر کے خلاف پائیگاہ کے مطالبات مین آنریبل مسٹر سچدانند سہا (سابق ڈپٹی پریسیڈنٹ اسمبلی اور سابق ممبر گورنمنٹ بہار حال ایم۔ایل۔سی) بیرسٹر پٹنہ نے ڈیفنس کیا اسکے ساتھ لیڈی وقار الامراء بہادر کی طرف سے بعض دوسرے وکیل اور بیرسٹر بھی تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ حیات عثمانی کے ایڈیٹر کو بھی اس تمام جنگ میں شریک رہنے کا موقع حاصل تھا۔

غرض

یہ جنگ برابر اٹھارہ سال تک مختلف صورتون میں جاری رہی اور لیڈی وقار الامراء بہادر کی ذات تک تو اب بھی جاری ہے۔ اس جنگ میں صرف خاص اور پائیگاہ اور اسکے متعلقین کا بلا مبالغہ لاکھون روپیہ خرچ ہوا۔ آخر ان تمام کمیشنون کی رپورٹون کو مدنظر رکھکر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے وہ تاریخی جریدہ جاری فرمایا جسکا میں اوپر ذکر کر آیا ہون۔ اور اس پر عمل بھی ہوگیا یا اسکی تکمیل

اپنے وقت پر ہو جائیگی۔

ان تمام کمیشنوں کی تحقیقات کی بنا پر صرف خاص کا مطالبہ پانچ تعلقات کی واپسی کا چونکہ ثابت نہ ہوا اعلیحضرت نے اسے خارج قرار دیا۔ اور جن مواضعات پر صرف خاص کا حق ثابت ہوا وہ دلادے اور انتظامی اخراجات ۲ ر فی روپیہ وضع کر کے انکی آمدنی کی ڈگری دیدی اسیطرح صرف خاص کے جن ایسے مواضعات کا حق ثابت ہوا وہ معہ واصلات واپس کردینے کے احکام جاری ہو گئے۔ ان کمیشنوں کی تحقیقات کے دوران میں نواب امام جنگ بہادر خورشید الملک کے دو صاحبزادوں سکندر الدین خان اور رحیم الدین خان کی طرز و روش کو رئیس وقت کی ذات کے متعلق ناقابل اطمینان پایا گیا اس خصوص میں اعلیحضرت کو ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ کو ایک فرمان جاری کرنا پڑا۔ اعلیحضرت چاہتے تو تادیبی سزا کا قانونی رنگ اختیار کرتے مگر آپ نے جوش کی بجائے اپنے رحم کا اظہار فرمایا۔ یہ لوگ خاندان شاہی سے تعلقات کیوجہ سے زیادہ قابل پرسش ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ بالآخر ختم ہو گیا اور پائیگاہوں کی واپسی عمل میں آگئی اور پائیگاہوں کے متعلقین کے گذارے اور حصص شریعت کے فیصلہ کے موافق مقرر ہو گئے۔ اس سلسلہ میں اعلیحضرت کے فرامین کا ایک مبسوط سلسلہ ہے جو پائیگاہ کی تاریخ میں مفصل درج ہو سکتا ہے میرا کام صرف واقعات کو جمع کرنا ہے انپر کریٹی سزم مقصود نہیں اسلئے پائیگاہوں کے اس اصلاحی اقدام میں کیا فروگذاشتیں ہوئیں یا آئین کو نسے پہلو مزید اصلاح اور توجہ چاہتے ہیں ان پر بحث کرنا میرے مقصد کا حصہ نہیں۔ اگرچہ پائیگاہوں کی اصلاح کا مضمون اٹھارہ سال کے لمبے عرصہ کی داستان ہے مگر میں نے اسے ایک ہی جگہ بیان کر دینا ضروری سمجھا۔

سر برائن ایجرٹن آخر اس کام کو ختم کر کے چلے گئے اعلیحضرت نے انکی خدمات کا اعتراف بذریعہ فرمان مبارک مترشحہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کیا اور انکی خدمات صلہ میں اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے اکیس ہزار روپیہ کا انعام دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا سر برائن کے جانے کے بعد نواب عقیل جنگ بہادر صدر المہام پائیگاہ مقرر ہوئے۔ اور اب جبکہ

پائیگاہیں واگذاشت ہوچکی ہیں اور صرف نواب سلطان الملک بہادر کی پائیگاہ کا انتظام ایک بورڈ آف ٹرسٹ کے سپرد ہے نواب عقیل جنگ بہادر اسکے صدر ہیں۔

ایک مختصر تبصرہ

واقعات کے سلسلہ میں آگے چلنے سے پیشتر میں ان حالات پر ایک مختصر سا تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ظاہر ہے کہ اعلیحضرت مرحوم کی وفات کے بعد معاً آپ پر حکومت کی ذمہ داریوں کا ایک نازک اور بہت مشکل بار تھا۔ عمائد سلطنت اور اراکین دربار کی حالت بھی اعلیحضرت مرحوم کے عہد کے آخری ایام میں جس قسم کی تھی اسکا بھی کسیقدر اشارہ میں اوپر کر آیا ہوں۔ پھر بعض نہایت اہم سفر آپکے سامنے تھے اور اسی عہد میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے نائب (وائسرائے ہند) کو حیدرآباد آنے کا موقعہ ملا۔ اور طاعون کے شیوع کی وجہ اور اسکی انسدادی تدابیر میں بعض وقتوں نے شہر کے امن کو بعض اوقات خطرہ میں ڈالدینے کی دہمکی دی۔ مگر آپ نے ان تمام مشکلات اور خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور کسی موقعہ پر کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا۔ پھر اسی سلسلہ میں پائیگاہوں کی اصلاح کا اقدام معمولی چیز نہ تھی۔ احتمال تھا کہ پائیگاہ امرا شاید اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کردیں لیکن اعلیحضرت نے اصلاحی اقدام کرتے وقت اپنا انقطاعی فیصلہ کرلیا تھا اور چونکہ اقدام اصلاحی تھا تخریبی نہ تھا اسلئے گو مختلف قسم کے خیالات کا ادہر ادہر چرچا ہوا لیکن بالآخر سب کو معلوم ہوا کہ پائیگاہوں کی واگذاشت کے وقت قابل اطمینان حالت تھی وہ قرضوں سے نجات پاچکی تھیں اور انکے خزانہ میں ایک پس انداز رقم موجود تھی۔ ان تمام امور پر یکجائی غور سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ آصف جاہ ہفتم اپنے عزم کا پکا۔ اور اصلاحی اقدام میں خطرات سے بے پروا اور مشکلات سے نہ گھبرانے والا سلطان ہے اور یہی اسکی کامیابی کا راز ہے۔

یہ خصوصیت اسکی ابتک کی زندگی میں نمایاں ہے کہ جس کام کیلئے اسنے ارادہ کیا اسکی راہ میں آنیوالی مشکلات نے اسکو اپنے مقام سے ہٹنے پر مجبور نہیں کیا وہ ان مشکلات میں بھی ثابت قدم رہا چنانچہ مسئلہ برار میں اسکا اندازہ بآسانی ہوجاتا ہے۔ بہرحال پائیگاہوں کے متعلق جو قدم اٹھایا تھا اسمیں پیچھے نہ ہٹا۔

دوسرا سال جلوس عثمانی

(۱۹۱۳ء کے واقعات)

۱۳۳۱ھ کے آغاز کے ساتھ ہی حضرت آصفجاہ ہفتم نے ایک مختصر سے سفر کا بجانب اورنگ آباد عزم فرمایا۔ اس سفر کے کئی وجوہ تھے اول تو اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات کے بعد لگاتار تھکا دینے والی مصروفیت رہی تھی اور آپ چاہتے تھے کہ آئندہ کے پروگرام پر غور کرنے کے لئے کچھ دن باہر چلا جاؤں اور آرام کروں۔ اصل مقصد تو یہی تھا لیکن طاعون بھی شدت سے پھیل رہا تھا اسلئے طبی مشورہ کے ماتحت نقل مکانی بھی احتیاطاً ضروری تھی دوسرے اس طرح سے رعایا کے حالات معلوم کرنیکا بالراست موقعہ ملیگا۔ ان تمام امور کے مدنظر اعلیٰحضرت نے معہ محلات و سرپین السلطنة مہاراجہ بہادر عزم اورنگ آباد فرمایا چنانچہ ۸ محرم ۱۳۳۱ھ کو آپ کی اسپیشل ٹرین اورنگ آباد پہونچی۔ رعایائے آصفی اور عہدہ داران حکومت نظام نے اپنے نئے بادشاہ کا مخلصانہ استقبال کیا۔ ۸ صفر ۱۳۳۱ھ تک آپ کا قیام وہاں رہا پھر واپسی عمل میں آئی مگر یہ واپسی بھی ایک چھوٹے سے دورہ مملکت کے اغراض کے لئے تھی۔ راستہ میں ایک روز منوہر آباد قیام فرمایا اور ۱۲ صفر ۱۳۳۱ھ کو آپ کی اسپیشل ٹرین بروز اتوار رات کو ۱۲ بجے قاضی پیٹھ پہونچی اور ۴ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ تک حضور نے وہاں قیام فرمایا اور دوسری ربیع الاول بروز چہارشنبہ وہاں سے روانہ ہوئے اور سکندرآباد کے راستے سے ۱۳۳۱ھ پھر اورنگ آباد تشریف لیگئے اور ۴ ربیع الثانی تک وہاں قیام فرمایا اور ۵ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ شام کو ۵ بجے حضور معہ محلات وحشم و خدم و مدارالمہام سرکار عالی حیدرآباد تشریف لے آئے۔ اس سفر میں آپ کے قیام اورنگ آباد نے وہاں عمال اور عہدہ داروں میں ایک خاص چستی اور مصروفیت پیدا کردی۔ اعلیٰحضرت کو اپنی رعایا کی واقعی اور حقیقی ضرورتوں کا صحیح احساس ہوا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ

رفتہ رفتہ دور اصلاحات شروع ہوگیا

دربار عید نوروز | ۲۵ رجادی الثانی ۱۳۳۰ھ روز دوشنبہ شام کے ۶ بجے چو محلہ میں عید نوروز کا دربار منعقد ہوا یہ دربار نہایت پر شوکت وشان تھا اس دربار میں اعلیحضرت نے اپنے بعض افسران اور راجہ صاحب گدوال اور راجہ صاحب دوم کنڈہ کو بیٹھنے کی اجازت دی یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا اس عزت افزائی پر انھوں نے

نذر پیش کر کے اظہار تشکر کیا

چوتھا صاحبزادہ پیدا ہوا | ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو محل سرائے عثمانی میں چوتھے صاحبزادے کی ولادت ہوئی جنکا نام نواب میر احمد علیخان بہادر رکھا گیا اور ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے جریدہ اعلامیہ کے ذریعہ اس تقریب پر ایک یوم کی تعطیل ہوئی مگر افسوس ہے کہ صاحبزادہ میر احمد علیخان چھوٹی عمر میں فوت ہوگئے۔ ۱۰ رجادی الثانی ۱۳۳۳ھ کو انکا انتقال ہوا اور وہ حضرت برہنہ شاہ کی درگاہ میں مدفون ہوئے۔ اولاد کی وفات کا صدمہ ہر شخص کو ہوتا ہے۔ اعلیحضرت ان جذبات رنج والم سے خالی نہیں لیکن اسکے ساتھ ضبط وصبر کی قوتوں سے بھی بہرہ وافر ملا ہے۔

ایک سازش کا انکشاف اور عتاب سلطانی | اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی تخت نشینی جیسا کہ میں شروع ہی میں لکھ آیا ہوں ایسے حالات میں ہوئی تھی کہ تمام انتظام ریاست ایک تجدید کا تقاضا کر رہا تھا۔ اوایل ۱۳۳۰ھ میں آپکے نوٹس میں ایک سازش کے جراثیم آئے جس کا راس رئیس محی الدولہ صدر الصدور ناظم امور مذہبی سمجھا گیا صدارت کا عہدہ دولت آصفیہ میں نہایت ممتاز اور واجب الاحترام منصب ہے اور لوگوں کے دلوں میں مذہبی اعمال وعقائد کا احترام اسے اپنے نمونہ اور عمل سے پیدا کرنا چاہیئے لیکن محی الدولہ کی بعض کارروائیاں نہایت مشکوک اور مضرت رساں معلوم ہوتیں اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر پوری طرح غور کرنے کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ پوری قوت اور عقد ہمت کے ساتھ اس قسم کے فتنوں کا شروع ہی میں سدباب کر دینا چاہیئے چنانچہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کو مندرجہ ذیل فرمان نافذ فرمایا

مہاراجہ مدار المہام پیشکار حسامین السلطنۃ

انٹریگ جو محی الدولہ بہادر نے حال میں کی جبکا حملہ میری ریاست اور میرے مدار المہام کی ذات پر تھا اور جبکا ثبوت مجھے مل چکا ہے اور اسکا اعتراف بھی انہوں نے کیا ہے اس کی سزا میں محی الدولہ بہادر خدمات صدر الصدوری ناظم امور مذہبی سے معطل کئے گئے اور انکے تمام خطابات منسوخ کئے گئے آئندہ سے انکا ڈیوڑھی دربار میں آنا بھی موقوف کیا گیا۔ یہ حکم جریدہ اعلامیہ میں اطلاع کے لئے شائع کیا جاوے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو فقط

شرعد ستخط مبارک بندگان عالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ جمعہ

اس اعلان اور عتاب کا مقصد محض اصلاح تھی۔ اور اسنے بہت سے فتنوں کا سد باب کردیا۔ اہلکاروں کو بروقت تنبیہ ہوگئی اور وہ ہوشیار ہوگئے کہ انکا حکمران آنکھیں بند کرکے مصروف عشرت نہیں بلکہ وہ اپنے فرائض ملکداری کو پوری سرگرمی اور کھلی آنکھ سے سرانجام دیرہا ہے اور وہ کسی ایسے فعل یا حرکت کو کبھی معاف نہیں کریگا جو

کسی پہلو سے انتظام ریاست کیلئے مضر ہو

اس واقعہ نے حیدرآباد میں احتساب عثمانی کا سکہ بٹھادیا اور کوئی متنفس بھی ایسا نہ رہا جس میں احتیاط اور سلامت روی کی روح نہ پیدا ہوگئی ہو۔ لوگوں پر اس بات کا بھی بڑا اثر ہوا کہ اعلیحضرت کے وسایل وخبر رسانی نہایت زبردست ہیں اور وہ اپنی رعایا اور عہدہ داروں کے حالات سے پورے باخبر رہتے ہیں۔ اس عتاب شاہی کا مقصد محض اصلاح تھی محی الدولہ کی ذات سے کوئی عناد نہ تھا۔ اسلیئے ۱۳ رمضان ۱۳۳۱ھ کے فرمان مبارک کی روسے یادگار تخت نشینی کی تقریب پر انکا مسلوب خطاب انکو واپس دیدیا گیا۔ اور اسطرح عتاب شاہی اور عفو شاہی کے دونوں نمونے نمایاں ہوئے اور قدرتی طور پر رعایائے آصفی میں خوف اور امید کے جذبات پیدا ہوگئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا بادشاہ ایسے قصور کو کبھی نظر انداز نہیں کریگا۔ جو امور مملکت کیلئے خطرہ کا موجب ہو۔ اور آئین درگذری اور خطا بخشی کا بھی بے انتہا جذبہ کارفرما ہے۔

مسند نشینی کی تقریب اور رعایا کا ایڈریس | مسند نشینی و سالگرہ کی تقریب پر یوم ۲۵ و ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۳۰ھ بروز چہارشنبہ و ایکشنبہ جملہ دفاتر سرکار عالی میں تعطیل دی گئی اور اسکا اعلان حسب دستور جریدہ اعلامیہ مورخہ ۱۹ رجمادی الثانی کیا گیا اس موقعہ پر ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۳۰ھ بروز چہارشنبہ رات کے ۲ بجے باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں رعایائے آصفی نے اپنے بادشاہ کے حضور جذبات عقیدت کا اظہار بذریعہ ایک اڈریس کیا۔ اسوقت تک دربار شاہی کے انعقاد کا طریق قدیم ہی تھا اور ایسے دربار رات ہی کو ہوتے تھے شاہ ذیجاہ کے برآمد ہونے میں بعض اوقات مقرر وقت کا خیال رکھا نہیں جاتا تھا۔ اور گھنٹوں درباریوں کو انتظار کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اعلیحضرت آصفجاہ نے اس عمل کو جو گو بعض حالات اور اسباب ہی کے ماتحت ہوتا ہو پسند نہیں فرمایا اور اپنے عمل سے

اس رسم قدیم کی اصلاح کردی

اس موقعہ پر رعایائے آصفی نے اپنے اخلاص و وفاداری کا یقین دلایا اور آصفجاہ سابع نے رعایا کی بہتری اور رفاہ عامہ کے مستقل پروگرام کا اظہار کیا دربار نہایت شان وشوکت کا تھا اور رعایا کا اخلاص و وفاداری اس سے ظاہر ہے کہ وہ رات کے دو بجے تک استقلال اور خوشی سے ہوشیار اور بیدار تھی۔ اور تمام حیدرآباد میں اس یوم سعید کا نہایت شوق سے انتظار کیا جارہا تھا۔

دوسرا دربار سالگرہ | ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۳۰ھ کو اعلیحضرت کی سالگرہ مبارک کا دربار مغلائی چو محلہ میں منعقد ہوا۔ اور دستور آئین آصفی کے موافق عماید و ارکان دولت نے نذریں پیش کیں تخت نشینی کے بعد یہہ

پہلا دربار سالگرہ تھا

اس دربار میں بھی اعلیحضرت کی بعض خصوصیات کا نمایاں ظہور ہوا۔ خان بہادر عبدالکریم خان کوتوال کو بیٹھنے کی اجازت عطا ہوئی اور یہ بہت بڑا امتیاز اور اعزاز تھا۔ اس سے بھی رعایا پر بہت اچھا اثر طبعاً ہوا۔ اہلکاروں نے سمجھا کہ خدمات حسنہ کا اعتراف ہمارا بادشاہ نہایت وسیع الحوصلگی سے کرنے کو ہر وقت آمادہ ہے۔

نواب میر کاظم علیخان بہادر کی ولادت | ۵ رشعبان المعظم ۱۳۳۰ھ کو حرم سرائے عثمانی میں ایک اور مولود کی ولادت نے اولاد عثمانی میں اضافہ کیا۔ اس تقریب ولادت پر بذریعہ جریدہ اعلامیہ ایک یوم کی تعطیل عام ہوئی۔

اس شاہزادہ کا نام میر کاظم علیخان کاظم جاہ بہادر رکھا گیا۔ شہزادہ کاظم جاہ بہادر خدا کے فضل و کرم سے اپنی علمی ترقی میں مصروف ہیں۔ شاعرانہ مذاق و راشعار کہتے ہیں اور کاظم تخلص فرماتے ہیں۔ انکا کلام علی العموم سالگرہ مبارک کی تقریب پر صحایف بلدہ کی خصوصی اشاعتوں میں شایع ہوتا ہے۔ اس سال کی سالگرہ کے موقعہ پر آپ نے اعلیحضرت کی غزل پر ایک خمسہ لکھا تھا جس کا آخری بند یہ ہے۔

عرض کاظم ہے بصد عجز و ادب اے عثمانؔ　　تم کو یہ فخر سزاوار ہے سب اے عثمانؔ
بارک اللہ یہ ارشاد ہوا اب اے عثمانؔ　　بخت میرا بھی شناور ہے عجب اے عثمانؔ
پیرتا جاتا ہے جو قلزم ذخار کے ساتھ

اس تقریب پر ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ کو جمعرات کے دن بوقت مغرب چو محلہ میں ایک دربار منعقد ہوا۔ اور اس موقعہ پر خاندان آصفی کی رسوم و آئین کے موافق عہدہ داران دولت و منصبداروں اور دوسرے لوگوں نے نذریں پیش کیں آٹھ بجے تک یہ دربار منعقد رہا۔ ولادت فرزند پر آپ نے بادشاہ ہوکر

پہلی مرتبہ دربار منعقد فرمایا اور نذروں کو قبول کیا

مسند نشینی کی تقریب کا پہلا سالانہ دربار | ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ کو بروز چہار شنبہ دن کے ساڑھے نو بجے آپ نے مسند نشینی کی سالگرہ کا پہلا دربار چو محلہ میں منعقد فرمایا اور دستور قدیم کے موافق اس تقریب پر بھی نذریں پیش ہوئیں اور آپ نے انکو شرف قبولیت بخشا۔

ایک اتفاق عجیب | قدرتی طور پر اس سال یہ متعدد مواقع ایسے پیش آئے کہ دودمان آصفی کی قدیم روایات کے موافق دربار منعقد ہوئے اور المنین و البستگان دولت آصفیہ نے نذریں پیش کیں۔

بدبین اور حاسد طبع لوگ جو ہر ملک اور قوم میں پائے جاتے ہیں اونہوں نے ان بار بار کی نذور کو کسی اور نظر سے دیکھا اور محل اعتراض ٹھیرایا یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس خصوص میں مخالفانہ خیالات کا خفیف سا چرچا ہوا۔

اشرفی کیس اوایل ماہ شوال ۱۳۳۰ھ میں ریلوے پولیس نے واڑی جنکشن پر اشرفیوں کے کچھ صندوق گرفتار کئے جو صاحبزادی لیاقت النسا بیگم صاحبہ بنت نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم بمبئی بھیج رہی تھیں اس مقدمہ نے ایک خاص دلچسپی پیدا کرلی قانونی حیثیت سے یہ مقدمہ ریلوے مجسٹریٹ علاقہ رزیڈنسی میں پیش ہوا۔ کلکتہ کے مشہور و معروف بیرسٹر مسٹر ارڈلی نارٹن اسکی پیروی کے لئے آئے پائیگاہ نواب سر وقار الامرا بہادر ان اشرفیوں کو اپنی ملکیت قرار دیتی تھی مگر وہ اپنے مقدمہ کو ثابت نکر سکی اور رزیڈنسی مجسٹریٹ نے ان اشرفیوں کو صاحبزادی لیاقت النسا بیگم صاحبہ کو واپس دئے جانے کا حکم دیدیا۔

انقلاب وزارت

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی سلطنت کے ابتدائی سال بڑے معرکہ کے سال تھے اور نہایت عظیم الشان امور پر آپ کو بڑی جرأت اور مستقل مزاجی سے فیصلہ دینا پڑا۔ پائیگاہوں کے جدید انتظام کیوجہ سے جو چرچا ہو رہی تھی وہ ابھی جاری ہی تھی کہ ایک اور بڑے انقلاب کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ

انقلاب وزارت تھا

دولت آصفیہ کی وزارت عظمیٰ بجائے خود ایک تاریخی حیثیت رکھی۔ اس وقت مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت وزیر اعظم دولت آصفیہ تھے۔ انکے خلاف ایک سازش ہی کیوجہ سے نواب محی الدولہ بہادر ناظم امور مذہبی

مغضوب و موقوف ہوئے

تھے مگر اب بعض حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ اعلیحضرت نے وزارت میں تبدیلی

کو ضروری سمجھا۔ میں ان حالات اور واقعات کی تفصیل یا تبصرہ کی نہ تو ضرورت سمجھتا ہوں اور نہ
اس کتاب کا یہ موضوع ہے بلکہ مجھے اس حصہ حیات عثمانی میں صرف واقعات کو بیان کرنا ہی
خواہ میرا ذاتی زاویہ نگاہ ان کے متعلق کچھ بھی ہو۔ اور تاریخ کا ایک دور رس طالب علم واقعات
کے سلسلہ سے ہی اصل اسباب اور انکے صحیح نتائج کو بآسانی سمجھ سکتا ہے غرض خواہ کچھ بھی
ہو۔ اعلیحضرت نے اسوقت وزارت عظمیٰ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ۲۵ رجب
۱۳۳۰ھ مطابق ۵ شہر یور ۱۳۲۱ف کو ایک جریدہ شائع ہوا جس میں سمین السلطنتہ
مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کی سبکدوشی از خدمت مدار المہامی کا اعلان ہوا۔ اور اسی
جریدہ کے ذریعہ سے منصرانہ تقرر

نواب سر سالار جنگ بہادر ثالث

کا خدمت مدار المہامی پر ہوا۔ سمین السلطنتہ ۱۰ ر جمادی الاول ۱۳۱۹ھ کو
عہدہ جلیلہ مدار المہامی پر فائز ہوئے تھے اور ۲۵ رجب ۱۳۳۰ھ کو مستعفی ہوئے۔
سر سالار جنگ کے خاندان میں وزارت عظمیٰ کا عود کرنا عہد عثمانی کی قدر دانی
کا ایک نمایاں اظہار تھا مگر افسوس ہے یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہا نواب یوسف علیخان
سر سالار جنگ ثالث ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ کو اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اور تقریباً پانچ سال تک
آصف جاہ ہفتم نے بہ نفس نفیس اس ذمہ داری کے کام کو بھی سر انجام دیا اور حضرت آصفجاہ ششم
کی طرح اپنے عمل سے دکھا دیا کہ

میں دونوں کام کرنے کا اہل ہوں

اس انقلاب وزارت پر بھی دور و نزدیک مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہوئیں اور
اور ایک عرصہ تک مخالف و موافق خیالات کا اظہار ہوتا رہا لیکن اعلیٰ حضرت ایک کوہ وقاری
اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان تمام امور کو دیکھتے رہے۔ آپ کے مد نظر ایک نصب العین اور
منزل مقصود تھا اور وہ ضمنی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے۔ اس

انقلاب وزارت کے مسئلہ نے شاہانہ قوت و شوکت کا اظہار کر دیا جو لوگ صرف یہ سمجھتے تھے کہ حکومت کی عنان وزارت ہی کے ہاتھ میں ہے انپر کھل گیا کہ یہ خیال لغو اور غلط ہے ۔ حکومت بادشاہ ہی کی ہے اور وہ چاہے تو

ایک وزیر اعظم کو الگ کر کے دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے،

اب سر سالار جنگ ثالث وزیر اعظم مقرر ہوئے ۔ اور سر مہاراجہ یمین السلطنت اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے ۔ نواب سالار جنگ ثالث کے سپرد قلمدان وزارت ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ تک رہا ۔

اور پھر حالات میں تغیر ہوا ۔ اور

سالار جنگ ثالث بھی سبکدوش ہو گئے

اور جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں پانچ سال تک اعلیحضرت خود اس کام کو کرتے رہے اور کام میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا بلکہ تھوڑے وقت میں ہوتا رہا ۔ لیکن وزیر اعظم کے متعلق صرف اندرونی نظم و نسق کے معاملات نہیں ہوتے بلکہ دولت برطانیہ کے ساتھ تعلقات میں بھی اسکے فرایض منصبی کو ایک اہمیت حاصل ہے اسلئے

وزارت عظمیٰ کے سوال نے نئی صورت پیدا کر لی

جسکا ذکر میں ۱۳۳۵ھ کے واقعات میں کرونگا ۔

شملہ اور بمبئی کے سفر

نواب سالار جنگ ثالث کے عہد وزارت عظمیٰ کے آغاز ہی میں اعلیٰ حضرت کو سفر شملہ اور بمبئی پیش آیا ۔ پہلے سفر یعنی شملہ کے سفر کے متعلق غرہ شوال ۱۳۳۰ھ کے جریدہ میں اعلان کیا گیا اور ضروری امور کی اس میں صراحت فرمائی گئی ۔ اس اعلان کے موافق بندگان عالی کی سواری معہ اسٹاف بروز جمعہ رات کے گیارہ بجے شملہ کو بذریعہ اسپیشل ٹرین روانہ ہوئی ۔ رزیڈنٹ حیدر آباد آنریبل مسٹر پن ہے بھی اس سفر میں اعلیحضرت کے ہمرکاب تھے اس سفر کا مقصد وایسرائے ہندلارڈ ہارڈنگ سے ملاقات تھی ۔ لارڈ ہارڈنگ حیدر آباد میں اعلیحضرت مرحوم کا پرسہ اور آصفجاہ ہفتم کو

مسند نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے ۲۲ شوال ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۱ء حیدرآباد آچکے تھے۔ اس لئے یہ سفر قدرتی طور پر اس سلسلہ کی ایک زنجیر تھا۔ اور رسمی حیثیت سے ایک ملاقات بازدید اور اظہار شکریہ کی نوعیت رکھتا تھا لیکن ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے والی ریاست اور دولت برطانیہ کے نائب ہند کی ملاقات میں بہت سے سیاسی امور بھی غیر رسمی طور پر طے ہوجایا کرتے ہیں۔ قطع نظر سفر کے اغراض و مقاصد کے یہ سلسلہ واقعات و حالات یہ سفر شملہ رزیڈنٹ صاحب کی معیت میں ہوا۔ روانگی حیدرآباد سے بالکل پرائیویٹ تھی رات کی خاموشی میں ٹرین روانہ ہوئی۔ شملہ پر حکومت کی طرف سے مقررہ قواعد کے موافق آپ کا استقبال ہوا۔ اور ملاقات سے فارغ ہوکر اعلیحضرت نے زیادہ دیر تک شملہ کا قیام پسند نہ فرمایا اور پروگرام مقررہ کے موافق ۱۱ شوال کو بندگانعالی کی اسپیشل بروز دوشنبہ صبح کے ساڑھے چار بجے حیدرآباد پہونچی یہ داخلہ بھی پرائیویٹ تھا تاہم عہدہ داران اور ارکان دولت اپنے بادشاہ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ رزیڈنٹ صاحب اپنے منصبی فرایض کے سلسلہ میں کچھ دنوں کے لئے وہیں قیام فرما رہے۔

حیدرآباد میں واپسی کے گیارہویں روز بعد یعنی ۲۲ شوال ۱۳۳۰ھ کو اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے عزم بمبئی فرمایا جمعہ کا دن تھا اور رات کے گیارہ بجے مع محلات شاہی و اسٹاف حضور اسپیشل ٹرین بمبئی کو روانہ ہوئی اس موقعہ پر بھی آپ کی روانگی پرائیویٹ تھی یہ سفر صرف بمبئی تک محدود نہ تھا بلکہ جیسا کہ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۲۹ آبان ۱۳۲۱ف ظاہر ہوتا ہے گلبرگہ شریف اور اجمیر شریف بھی اس سفر میں داخل تھے۔ یہ سلسلہ سفر ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ تک رہا جبکہ بندگانعالی واپس فائز المرام بلدہ ہوئے بمبئی پہونچکر آپ مع حشم و خدم مالا بارہل کے ایوان آصفی میں فروکش ہوئے اور یکم ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ تک وہاں قیام رہا اس سفر میں قیام بمبئی کے ایام میں اعلیحضرت از بس مصروف رہے۔ اس سفر کا اصل مقصد درگاہ خواجہ اجمیری کی حاضری تھی۔

بمبئی کے اس قیام نے وہاں کے پریس اور پبلک میں بڑی دلچسپی پیدا کردی اور اعلیحضرت کی تشریف آوری کے متعلق مختلف مضامین اور فوٹو اخبارات نے شایع کئے۔

مسلمانان بمبئی اپنے ایک ممتاز فرمانروا کی آمد پر بے حد نازاں تھے۔ قیام بمبئی میں اعلیحضرت کی مصروفیت بیحد تھی ان ایام میں جواہرات کے تاجروں اور دوسری اشیاء کے تاجروں کا بھی ایک جمگھٹا رہتا تھا۔

اجمیر کو روانگی

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ کو موکب ہمایونی بروز یکشنبہ رات کے ۱۲ بجے بذریعہ اسپشیل ٹرین اجمیر کو روانہ ہوا۔ اعلیحضرت کو ان بزرگان دین اور ائمہ اسلام سے ارادت اور عقیدت ہے اسلئے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال

عقیدت کے پھول چڑھانے کو حاضر ہوئے

ظاہر ہے کہ اجمیر میں کس وسیع پیمانہ پر آپ کے لئے تیاریاں اور اہتمام ہوگا۔ حکومت انگریزی کے مقامی افسران کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اور وہ دولت برطانیہ کے یار وفادار کی آسائش و آرام اور حفاظت کے مکمل انتظام میں مصروف تھے۔ وہاں اعلیحضرت نے چالیس ۴۰ ہزار روپیہ تقریباً نیازات میں صرف کیا اور دوسرے مصارف خیر میں بھی کچھ صرف ہوا۔ درگاہ کے متوسلین بھی مالا مال ہوگئے۔ ۱۳ ذیقعدہ تک آپ کا قیام وہاں رہا۔ ۱۳ کی شام کو بروز جمعہ رات کے ۱۲ بجے آپ کا اسپشیل گلبرگہ کے عزم سے روانہ ہوا

اعلیحضرت علی العموم ان سفروں میں یہ اہتمام فرماتے کہ رات کی خاموشی میں سفر شروع ہو تاکہ پبلک کے اژدہام اور ہجوم سے بچیں اور آپ جمعہ کی رات کو سفر کے لئے پسند فرماتے یعنی جمعہ کا دن گزار کر شب درمیانی جمعہ و ہفتہ غرض ۱۳ ذی قعدہ کو وہاں سے روانہ ہوئے اور ۱۵ ذیقعدہ کو گلبرگہ داخل ہوئے یہ اتوار کا دن تھا جبکہ ساڑھے پانچ بجے شام کو آپ کا اسپشیل پہونچا۔ مقامی عہدہ داران اور دوسرے ممتاز لوگوں نے رسمی استقبال کیا آپ نے اپنے اخلاص و عقیدت کے پھول

گلبرگہ کے ولی اللہ کی درگاہ پر حاضری

اور اس کے بعد ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ بروز جمعہ دن کے دو بجے آپ فائز حیدرآباد ہوئے آپ کے اس سفر سے واپسی پر مسرت کی ایک لہر حیدرآباد میں حرکت کر رہی تھی اور استقبال کیلئے بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

بظاہر یہ سفر آپکا ایک دینی سفر تھا بمبئی کا سفر تو ایک ضمنی چیز تھی۔ اعلیحضرت کو اولیاء اللہ سے بہت محبت ہے خصوصاً دربار گلبرگہ اور اجمیر کے ساتھ ایک خاص ارادت ہے۔ اسطرح یہ سفر بخیر و خوبی ختم ہوا۔

حویلی قدیم میں تعمیرات کا سلسلہ

حویلی قدیم کے متعلقہ محلات میں ضروری ترمیم و تعمیر کا سلسلہ جاری تھا اس کے معائنہ کیلئے آپ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو بسواری اسپ تشریف لے گئے اور تمام کاموں کو بہ نظر غایر معائنہ کیا اور ضروری مشورے اور اصلاحی تدبیریں افسران متعینہ تعمیرات کو دیتے رہے جس سے آپ کا مذاق آرٹ نمایاں ہوتا تھا۔

اب یہ سال ۱۳۳۰ھ کا آخری حصہ تھا اور وہ اپنی ترقیات کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے ختم ہو رہا تھا چنانچہ آخری ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ م اوایل دسمبر ۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت ملک معظم قیصر ہند کی طرف سے سلطان دکن کو برٹش افواج کا

اعزازی کرنل بنا دیا گیا

اور آپ نواب کرنل میر عثمان علیخان بہادر بالقابہ کے نام سے موسوم ہوئے۔

چھٹے فرزند کی ولادت | اسی سال ۱۳۳۰ھ کی ۱۲ ذی الحجہ کو صاحبزادہ میر رضا علیخان پیدا ہوئے۔ اور بذریعہ جریدہ اعلامیہ اس تقریب پر ایک دن کی تعطیل دی گئی۔ مگر افسوس ہے کہ نواب میر رضا علیخان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور موصوف حضرت برہنہ شاہ صاحب کی درگاہ میں دفن ہوئے اور ان کے ماتم میں بذریعہ جریدہ اعلامیہ، ۱۳ محرم ۱۳۳۱ھ

ایک یوم کی تعطیل ہوئی۔ یہی انکی تاریخ وفات ہے۔

عطا و سخا | اس سال بھی دولت آصفیہ کے عماید وارکین دولت اور وفادار و مخلص خدام کی قدردانی ہوئی اور وقتاً فوقتاً انکو جواہرات اور دوسری اشیا ربطور انعام وعطا ملتی رہیں انکی تفصیل طویل ہے میں صرف ان صاحبان کے اسمائے گرامی ہی کو درج کر دیتا ہوں۔

سر یمین السلطنۃ[۱] مہاراجہ بہادر۔ نواب ولی الدولہ[۲] بہادر۔ نواب لطف الدولہ[۳] بہادر۔ نواب افسر الملک[۴] بہادر۔ نواب ناصر الدولہ[۵] بہادر۔ نواب عثمان یار الدولہ[۶] بہادر۔ خان بہادر[۷] نظام خان صاحب سابق کوتوال و ناظم کروڑگیری۔ نواب عزیز الدولہ[۸] صاحب بہادر۔ ڈاکٹر نواب[۹] شاہ میر خنگ بہادر[۱۰] نواب خسرو جنگ بہادر۔ بغدادی[۱۱] صاحب۔ اور بہت سے لوگوں کو مختلف اوقات میں نوازش خسروی سے حصہ ملا۔ رفاہ عام کے کاموں اور مختلف قسم کے اداروں کے لئے یکمشت نقد رقم کے عطایا بھی دے گئے۔ چنانچہ بعض ان میں سے یہ ہیں۔

(۱) مسافر خانہ کی تیاری کے لئے حضرت بنی شاہ صاحب کو (۱۲۰۰۰)

(۲) میموریل فنڈ ملباری کے لئے (۵۰۰۰) پانچ ہزار

(۳) ریاست بہاؤنگر کی قحط زدہ خواتین کے لئے (۵۰۰۰)

(۴) درگاہ حضرت شاہ صوفی بابا صاحب کی سرائے کی تعمیر کیلئے (۱۰۰۰۰)

(۵) اسٹیشن ماسٹر اورنگ آباد (۵۰۰) اسٹیشن ماسٹر منماڑ (۱۲۰۰)

(۶) درگاہ جات اورنگ آباد۔ (۱۳۶۰۰)

(۷) حیدر آباد کی فری میسن سوسائٹی کو (۱۰۰۰)

(۸) سکندر آباد کی ریس گراؤنڈ کے لئے (۳۰۰۰)

(۹) مجاورین اجمیر شریف کو غربا کو کھانا کھلانے کے لئے (۵۰۰۰)

اور دو مرتبہ خود مجاورین کو (۱۰۰۰۰)

(۱۰) لارڈ ہارڈنگ کے حادثہ بم سے محفوظ رہنے کے صدقہ کیلئے (۱۰۰۰) کلدار

لیڈی ہارڈنگ کو بھیجا گیا۔

(۱۱) ہلال احمر کے چندہ میں پندرہ ہزار (ﷲ ــــــ) دیا

(۱۲) جنوبی افریقہ کے ہندوستانی مصیبت زدون کی امداد میں (ﷲ ــــــ)

یومیہ و ماہوارات کی اجرائی اسکے علاوہ ہے۔ ان عطایا کو دیکھکر یہ باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ اعلیحضرت کی داد و دہش کا رخ مفید عام امور اور ادارون کی طرف ہے فضول اور لایعنی اخراجات کی طرف آپ کی توجہ کبھی نہیں ہوئی۔ جب بھی اس قسم کی داد و دہش کی تفصیل دیکھی جاویگی تو انمین اہل علم و فن کی قدردانی ہے یا پبلک اوارون کی سرپرستی یا مذہبی مقامات کی درستی اور قیام کے لئے اظہار اخلاص ہے۔

پچیس سالہ عہد حکومت کے واقعات

اب میں مناسب سمجھتا ہون کہ سالوار واقعات کو بیان کرنے کی بجائے پچیس سال کے واقعات کو یکجائی طور پر بیان کر دون میں ان واقعات کے بیان میں اختصار کو مدنظر رکھونگا اس لئے کہ تفصیلات تو سالانہ ایک مجلد ضخیم کا تقاضہ کرتی ہیں اور میں محدود صفحات میں پچیس سالہ عہد حکومت کے واقعات کو لے آنا چاہتا ہون اسی مقصد کے لئے میں مختلف عنوانون کے تحت ان واقعات کو جمع کرنے کی کوشش کرونگا۔ وباﷲ التوفیق

ذاتی حالات و واقعات

سالگرہ مبارک کے دربار سالگرہ کی رسم تو قدیم سے چلی آتی ہے اور مختلف رنگوں اور صورتون میں اسکا ظہور ہوتا ہے۔ میں اس رسم کی تاریخ اور اس تقریب کے فلسفہ پر بحث نہیں کرونگا۔ سلاطین اور بڑے آدمیون کی سالگرہ کی تقریب دنیا کے ہر حصہ میں منائی جاتی ہے اس موقعہ پر وابستگان دولت اور احباب مختلف قسم کے ہدایا پیش کرتے ہیں خاندان مغلیہ میں جسکا بقیہ اور آثار اس

دولت آصفیہ میں نظر آتے ہیں

سالگرہ کی تقریب پر بڑے عظیم الشان دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ سلامت دربار میں تشریف لاتے اور راجگان ہند اور وابستگان دولت نذریں پیش کرتے تھے۔ ان درباروں کی مختصر کیفیت بھی چشم عقل کو محو حیرت و تماشا کر جاتی ہے۔ اسی اصل پر حیدر آباد میں یہ رسم جاری ہے اور اس تقریب پر شاہ ذیجاہ اپنی افواج و عساکر کی پریڈ لیتے ہیں۔ دربار ہوتا ہے جس میں بعض اوقات رعایا کی طرف سے ایڈریس پیش ہوتے ہیں اور نذریں دی جاتی ہیں اعلیٰ حضرت آصفجاہ ہفتم سے پہلے سالگرہ یا دوسرے درباروں کا گو وقت مقررہ ہوتا تھا لیکن بادشاہ سلامت اپنے وقت کے بادشاہ ہوتے تھے لیکن اعلیٰ حضرت

وقت کی پوری پابندی فرماتے ہیں

آصف جاہ ہفتم کی اس ربع صدی کی سالگرہوں کی تقریب میں بھی ارتقائی اور اصلاحی رنگ موجود ہے۔ شروع میں سالگرہ کے دربار بڑے اہتمام اور شان سے ہوئے تھے لیکن اب انہیں بالکل سادگی اور اختصار ہوتا چلا جاتا ہے۔ حویلی قدیم میں دربار ہوئے ۱۳۳۱ھ کے دربار سالگرہ کی تقریب بزنگ ڈنر کنگ کوٹھی میں منائی گئی اسلئے کہ حویلی قدیم میں تعمیرات کا سلسلہ شروع تھا اور "خلوت" تیار نہوا تھا۔ اسلئے بذریعہ جریدہ اعلامیہ ۳۰ تیر ۱۳۲۲ف مطابق ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ یہ اعلان ہوا کہ سالگرہ کا ڈنر کنگ کوٹھی میں ہوگا جو لوگ ڈنر میں مدعو ہوں وہ اپنی نذریں وہاں ہی پیش کردیں اور دوسرے لوگ دوسرے دن پیش کر سکتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مگر ۱۹ رجب ۱۳۳۱ھ کو سالگرہ مبارک کی تقریب کے سلسلہ میں باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں رعایائے حیدر آباد کی طرف سے جلسہ مبارکباد منعقد ہوا۔ اس میں تقریب پر اعلیحضرت کے حضور ایک ایڈریس پیش کیا گیا جس میں رعایائے حیدر آباد نے اپنے

اپنے اخلاص و وفا کی عقیدت کا اظہار کیا

اور ان توقعات کو پیش کیا جو وہ ذات شاہانہ سے رکھتی ہے۔ اعلیحضرت نے اپنی پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ غرض سالگرہ مبارک کی تقریب دولت آصفیہ میں ایک مستقل تقریب عید ہے اور ہر سال وہ ارتقائی منزلین طے کر رہی ہے۔ اس تقریب پر شعرا تو پہلے بھی قصیدے وغیرہ کہتے تھے لیکن صحایف و جراید میں کوئی خصوصیت اس موقعہ پر نہوتی تھی۔ اس عہد عثمانی میں صحایف و جراید نے بہت بڑی ترقی کی ہے اور ریاست نے بھی انکی فیاضانہ اعانت میں کبھی مضایقہ نہیں کیا اور اب اس تقریب پر کثرت کے ساتھ

سالگرہ نمبر

شایع ہوتے ہیں اور ہر اخبار کا سالگرہ نمبر بہت محنت اور کوشش سے تیار کیا جاتا ہے ملک کے اس علمی مذاق کی سرپرستی کے لئے

ذات شاہانہ نے بھی ہاتھ بڑھایا

ان سالگرہ نمبرون کی کاپیان بکثرت خرید کر شائع کی جاتی ہیں اور اعلیحضرت شاہزادگان عالی مقام اور اعیان دولت اس علمی دربار میں آتے ہیں۔ اعلیحضرت بہ نفس نفیس فارسی اردو زبان کے شعرا کے لئے مصرعہ ہائے طرح عطا فرماتے ہیں اور کافی وقت پیشتر انکا اعلان ہوتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شاعران شیرین مقال اس زمین میں اپنی نازک خیالیون اور بلند پروازیون کے گلہائے گوناگون پیش کرتے ہیں۔ اور ذات شاہانہ شہزادگان بلند اقبال بھی اس مشاعرہ تقریب مسرت میں بذریعہ جراید شریک ہوتے۔ اور شاہی کلام شایع ہوکر نہ صرف علمی اور شاعرانہ مذاق کو ترقی دینے کا موجب ہوتا بلکہ اس سے رعایا میں وفاداری اور اخلاص کے جذبات میں ترقی ہوتی ہے۔

سالگرہ کی مسرتون کا سلسلہ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں پھیلا اور اضلاع میں بھی اس تقریب پر جلسے ہونے شروع ہوئے اور ان جلسون میں رقص و سرود کی محفلین بھی گرم ہونے لگین اعلیحضرت نے اس نقص کو دیکھا اور اس دلنواز مرض کے بڑھنے کے آثار

محسوس کئے تو فوراً اسکی اصلاح کے لئے ایک خاص جریدہ شایع کیا جسکا مضمون حسب ذیل۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر سال میری سالگرہ کی خوشی میں رعایا چندہ جمع کر کے خوشیاں مناتی ہے اسکا صرف بیجا ہوتا ہے جس سے اسکی علت غائی مٹ جاتی ہے حالانکہ اسکا مصرف ایسا ہونا چاہیئے جس سے ایک طرف غریبوں کو فائدہ پہونچے اور دوسری طرف پبلک پر اچھا اثر ہو۔ لہذا ان امور کو مدنظر رکھکر میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ سے جہاں کہیں اس قسم کا چندہ جمع ہو اس سے غریبوں کو کپڑا اور غلہ دیا جاوے اور وظائف تعلیمی جاری کئے جاویں یا بحصول اجازت کوئی رفاہ عام کا کام کیا جاوے۔ بہرحال ایٹ ہوم یا رقص و سرور کے جلسے یک قلم موقوف رہیں جس سے بعوض فائدہ کے اس کا اثر سوسائٹی اور پبلک پر برا پڑتا ہے" (جریدہ جلد ۵۳ ص ۳ نمبر ۳ مورخہ ۱۹ اسفندار ۱۳۴۱ ف)

اس جریدہ کی اشاعت نے غیر معمولی اثر پیدا کیا اور عمال حکومت کے اعمال و افعال کی درستی اور اصلاح کے لئے وہ ایک زبردست محرک ہوا۔ سالگرہ کی خوشی کے بہانے سے جو اعمال اور بدعنوانیاں ہونے لگی تھیں وہ یک قلم دور ہوگئیں۔ کچھ شک نہیں کہ آصف جاہ ہفتم کی بلند نظری دوراندیشی اور قوت تدبیر نے اس حکم کے نافذ ہونے پر اپنا سکہ منوالیا اور عام طور پر اس امر کا اعتراف کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت کو فرسودہ اور نازیبا رسوم اور مصارف کی اصلاح میں کمال حاصل ہے۔

اس کے بعد سالگرہ کے درباروں اور جلسوں کے اہتمام میں نمائش اور تکلف جاتا رہا اور سادگی اور حقیقی خوشی کے اظہار کی صورتوں نے جگہ لیلی بلکہ میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ خوشی وخورمی کا فلسفہ بدل دیا اور لہو ولعب اور رقص و سرود کی محفلوں کو

علمی مذاق سے تبدیل کردیا

ایک جنبش قلم سے تمام ممالک محروسہ میں علمی لہر پیدا کردی۔ اس تقریب پر شایع ہونیوالے

جرائد میں مضامین نظم و نثر لکھنے والے پیدا ہو گئے اور ہر سال تاریخ آصفیہ کے قیمتی اور گم شدہ اوراق اس تقریب پر جرائد میں شایع ہونے لگے چونکہ سلطنت کی عظمت کے اظہار کے لئے بعض رسوم بھی ضروری ہوتی ہیں اسلئے اس حدتک سالگرہ کے موقعہ پر

پریڈ وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے

اور ایک ڈنر بھی دیا جاتا ہے اور وابستگان دولت آصفیہ نذرین بھی پیش کرتے ہیں۔

سالگرہ کی نذور کے متعلق انسدادی تدابیر — سالگرہ اور اسکے متعلقہ دربار ون اور نذور کے سلسلہ میں ایک اور امر کا بیان کرنا بھی موقع کی مناسبت سے ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس تقریب پر نذور پیش کرنے کا طریق قدیم الایام سے چلا آتا تھا لیکن آصف جاہ ہفتم کے عہد میں اسکا سلسلہ بقدر وسیع ہوا اور یہ کوئی جبری اور قہری امر نہ تھا بلکہ محض ارادت اور اخلاص پر مبنی تھا البتہ بعض عہدہ داران اور امرا آئین آصفی کے رو سے پابند تھے لیکن جب یہ جذبہ عام ہوا اور اضلاع کے عہدہ داران نے اس میں کسی قدر غلو کیا تو اعلیحضرت کو اسکی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اس خصوص میں آپ نے مندرجہ ذیل فرمان مبارک بذریعہ جریدہ اعلامیہ شایع کیا۔

جریدہ غیر معمولی مورخہ ۶ / تیر ۱۳۳۴ ف فصلی

فرمان

چونکہ میری سالگرہ کے موقع پر ممالک محروسہ سے بجانب رعایا جو نذور پیش ہوتے ہیں اسکی وجہ سے ہر سال کچھ نہ کچھ بدعنوانی تھوڑی بہت پیدا ہوتی ہے لہذا میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ سال سے یہ طریقہ قطعاً موقوف رہے تاکہ بدعنوانیوں کا ہمیشہ کے لئے سد باب ہو جائے البتہ جب کبھی میں بطور تبدیل مقام یا تفریح ممالک محروسہ کے کسی مقام پر جاؤں تو صرف اس ضلع صوبہ یا متعلقہ کے عہدہ داران و سربرآوردہ اشخاص مقامی نذور بالمشافہ پیش کر سکتے ہیں اور اس حد تک کچھ قباحت نہیں ہے۔ میرے اس حکم سے تمام سابقہ فرامین کی جو کہ خاص اس باب میں جاری ہوئے تھے انکی تنسیخ ہو گئی ہے اور آئندہ جو شخص اسکی خلاف ورزی کریگا وہ بعد

تحقیقات سرکار کے ہاں جواب دہ قرار پائے گا۔ آخر میں یہ کہنے کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میری رعایا نے زمانہ سابقہ سے ایں دم ملک و مالک کے ساتھ خیر خواہی وفاداری کا جو ثبوت دیا ہے وہ ہر طرح قابل ستائش ہے۔ اور یہی ایک چیز ہے جو کہ حاکم و محکوم کے تعلقات کو دن بدن مستحکم و خوش گوار بناتی ہے فقط

شرح دستخط اعلیحضرت بندگان عالی متعالی مدظلہم العالی"

اس فرمان کے اجرا کا باعث وہ بدعنوانیاں تھیں جو نذور کے جمع کرنے کے لئے بعض اوقات عہدہ داروں کی طرف سے ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ایک قسم کی جبری نذر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ جب اعلیحضرت کے علم میں ایسی بدعنوانیاں آئیں تو آپ نے فوراً اسکے انسداد کی طرف توجہ فرمائی لیکن چونکہ کلی انسداد بغیر اسکے نہیں ہو سکتا تھا کہ اس سلسلہ کو بند ہی کر دیا جاوے اس لئے آپ کو بالآخر یہ فرمان جاری کرنا پڑا۔

میں نے اوپر دکھایا ہے کہ سالگرہ کی تقریب پر اظہار مسرت کے نام سے اور ریلف فنڈ میں ایسی حرکات شروع ہو گئی تھیں جو عہدہ داروں کے وقار اور خود دولت آصفیہ کے وقار کے ہی خلاف نہ تھیں بلکہ اخلاقی طور پر بھی انکا زہریلا اثر ملک کی ہونہار اور نوجوان نسل پر پڑتا تھا اس لئے آپ نے ان کی اصلاح کے لئے بھی ایک جریدہ غیر معمولی شایع کیا۔ اور بھی مختلف اوقات میں جب کبھی کوئی امر آپ کے نوٹس میں آیا آپ نے اسپر فوراً مناسب وقت احکام نافذ فرمائے اور اسکی اصلاح کی طرف توجہ کی۔

نذور کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں بعض شورہ پشت لوگوں نے پیدا کرنی چاہی تھیں اور اخبارات میں بھی اس طریق کے خلاف کچھ پروپیگنڈہ ہوا لیکن یہ طریق اظہار اخلاص و وفاداری کا مشرقی اور قدیم آئین ہے اسلئے یہ کسی صورت میں کلیتہً بند نہیں ہو سکتا تھا تاہم اعلیحضرت نے اس میں ایک حد تک اصلاح کر دی۔ گو اس ممانعت اور انسدادی احکام نے رعایا کے ان افراد کو جو اپنے اخلاص کے اظہار کا یہ ایک مستقل ذریعہ سمجھتے تھے اور وہ شوق سے اس موقعہ کا انتظار کرتے رہتے تھے موقع نہ رہا۔ لیکن اس قسم کے احکام کی غرض عام شکایات کا

سد باب ہوتا ہے اور اعلیحضرت نے یہی پسند فرمایا کہ اس طریقہ جاریہ کو مسدود کر کے اس حد تک اس میں استثنا رکھدیا کہ جب بہ تقریب دورہ اعلیحضرت کسی مقام پر تشریف لیجائیں تو خاص لوگ بالمشافہ نذر پیش کر سکتے ہیں اس طریق سے عہدہ داروں کے دامن کو بھی پاک رکھنے کا سامان ہو گیا۔

الغرض

سالگرہ کی تقریب بدستور سال بسال ایک مقررہ آئین پر منائی جاتی ہے اور اس میں کسی قسم کے اسراف کو دخل نہیں۔

اس تقریب کا آغاز ہمیشہ دوگانہ شکر گذاری سے ہوتا ہے اور کوئی پبلک تقریب اس سے پہلے نہیں ہوتی۔ اعلیحضرت مسجد میں تشریف لیجاتے ہیں اور

دو رکعت نماز پڑھتے ہیں

اسطرح اپنے محسن و مولیٰ کے حضور سب سے پہلے نذر نیازمندی و عبودیت پیش کرتے ہیں جسنے اپنے محض تفضل اور رحم سے گذرنے والے سال کو بخیر و عافیت گذارنے کا موقعہ دیا۔

عطائے خطابات آصفیہ

سالگرہ کی تقریب پر علی العموم شاہان دولت آصفیہ کی طرف سے عمال و ارکان دولت کی حسن خدمت کے اعتراف میں خطابات کے دئیے جانے کا سلسلہ قدیم الایام سے چلا آتا ہے اور حقیقت میں یہ شاہان مغلیہ اور دوسرے سلاطین کا ایک معروف طریق عمل ہے۔ انگریزی اور دوسری یورپی حکومتوں میں بھی یہ دستور موجود ہے۔ البتہ بعض جدید انقلابی حکومتوں میں اس سلسلہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔

دولت آصفیہ میں پہلے خطابات کی نوعیت سلطنت مغلیہ کے خطابات کی سی تھی۔ اور جو خطاب کسی خاندان کے مورث اعلیٰ کو ملتا تھا وہی اسکی نسل میں بھی جاری رہتا تھا اور مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ تلاش وفادار اور خدمتگذار حکومت کے خاندانوں میں بھی

اسی جذبۂ عقیدت و اخلاص کو ترقی ہو مگر رفتہ رفتہ خطابات کی نوعیت کے اس دستور میں تبدیلی ہو گئی۔ آصف جاہ ہفتم نے خطابات کے سلسلہ میں بھی بعض اصلاحات فرمائی ہیں اب خطابات کثرت سے نہیں دئے جاتے عام طور پر فہرست بہت ہی محدود ہوتی ہے۔ اعلیحضرت مرحوم نے یہ بھی فرمان جاری فرمایا تھا کہ جن لوگوں کو خطابات دئے جاویں انکے نام کے ساتھ نوابؔ کا لفظ استعمال کیا جاوے۔ اسلئے نوابؔ کا خطاب گویا ہر اس شخص کو ملجاتا ہے جو خطابِ آصفی سے ممتاز ہو۔ حکومت برطانیہ میں نواب کا خطاب بجائے خود ایک مستقل خطاب ہے۔

ایک وقت تھا کہ دولت آصفیہ کے سلاطین رزیڈنٹ کو بھی خطاب دیتے تھے چنانچہ مسٹر جی۔ اے کرک پٹرک جو سنہ ۱۷۹۸ء سے سنہ ۱۸۰۵ء تک رزیڈنٹ تھے اور بعد کو ''تہ'' انکو دولت آصفیہ کی طرف سے

حشمت جنگ موتمن الملک افتخار الدولہ

کا خطاب دیا گیا تھا۔ انکے زمانہ ہی میں حشمت گنج آباد ہوا تھا۔ ایسا ہی مسٹر مایچ رسل کو ثابت جنگ کا خطاب دیا گیا اور مسٹر مٹکاف کو منتظم الدولہ کا خطاب ملا یہ سنہ ۱۸۲۰ء سے سنہ ۱۸۲۵ء تک رزیڈنٹ تھے اسکے بعد یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

خطابات کی تقسیم میں شاہی خاندان کے خطابات مخصوص ہیں۔ شاہی خاندان کے ممبروں سے ''جاہ'' کا خطاب مخصوص ہے۔ جیسے شاہزادہ اعظم جاہ بہادر، معظم جاہ بہادر علیٰ ہذا القیاس دوسرے خطابات میں ''جنگ'' ابتدائی درجہ کا خطاب ہے۔ اس پر اضافہ ہو تو ''دولہ'' کا خطاب ہے اور اس پر مستزاد ہو تو ''ملک'' کا خطاب ہے آخری درجہ میں خطاب پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ بہرحال اعلیحضرت ہفتم نے اپنے عہد سلطنت میں عطائے خطابات کے سلسلہ میں بھی تدریجا اصلاح فرمائی۔ پائیگاہ نوبلز علی العموم اپنے خاندانی اعزازات کے بھی وارث ہی ہوتے تھے گو وہ

خطابات بارگاہ خسروی سے انہیں از سر نو عطا ہوتے تھے۔ نواب سلطان الملک بہادر اسوقت ہرسہ پائیگاہوں میں "ملکی" خطاب سے ممتاز ہیں اور یہ خطاب اعلیحضرت مرحوم کے عہد سلطنت میں دیا گیا تھا۔ آسماں جاہی اور خورشید جاہی پائیگاہوں کے والیان پائیگاہ علی الترتیب نواب معین الدولہ بہادر و نواب لطف الدولہ بہادر کو "دولائی" کے خطابات اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم نے سرفراز فرمائے نواب ولی الدولہ بہادر مرحوم بھی اس خطاب سے ممتاز تھے۔ شہزادگانِ عالی تبار سب کے سب "جاہی" خطاب سے مخاطب ہیں اور ریاست کے بہت سے وفادار اور ممتاز عہدہ داروں کو "جنگی" خطاب سے مخاطب فرمایا گیا ہے۔

ہندو اعلیٰ عہدہ داروں میں سے بھی بعض ممتاز عمّال کو "راجہ بہادر" کے خطاب سے معزز فرمایا گیا ہے۔ میں اس موقعہ پر کوئی فہرست ان خطاب یافتگان کی نہیں دینا چاہتا اسلئے کہ یہ اس تالیف کے موضوع میں داخل نہیں۔ اس مقام کی مناسبت سے مجھے اسیقدر ہی بیان کرنا تھا کہ سالگرہ کی تقریب پر اعلیحضرت بھی دستور قدیم کے مطابق خطابات عطا فرماتے ہیں۔

سنہ ۱۳۳۱ھ کے واقعات

سنہ ۱۹۱۳ء میں اعلیحضرت بدستور امور ملکداری کی تنقیح و اصلاح کے کاموں میں مصروف رہے اسوقت تک محرم میں بہت بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ اعلیحضرت خود بھی لنگر کے معائنہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے چنانچہ سنہ ۱۳۳۱ھ کا لنگر آپ نے مبارک بنگلہ (جو محلات مبارک کی کچہری میں جدید عمارت تعمیر ہوئی تھی) سے ملاحظہ فرمایا۔ اس سال کے واقعات میں سے ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ نواب صادق جنگ بہادر کے ہاں ۲۰ رجب سنہ ۱۳۳۱ھ کی درمیانی شب کو بیٹا پیدا ہوا اور ہفتہ کی صبح کو انہوں نے بارگاہ خسروی میں نذر پیش کی اعلیٰحضرت اپنے ایک وفادار اور مخلص کارکن کی مسرت سے اسقدر خوش ہوئے کہ آپنے اس نوید مسرت پر

پانچ توپوں کی سلامی کا حکم دیا۔ ممالک محروسہ میں شاید یہ پہلا مولود تھا جسکی ولادت پر اسطرح اظہار مسرت ہوا اور وہ شاہی خاندان کا فرد نہ تھا۔

لارڈ ہارڈنگ پر بمب اندازی کا واقعہ

لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند پر دہلی میں جبکہ عین جلوس کے وقت بمب پھینکا گیا تو اس حادثہ کی اطلاع نے حیدرآباد کو بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا لیکن چونکہ وائسرائے ہند خدا تعالیٰ کے فضل سے اس حادثہ سے سلامت بچ گئے اعلیحضرت سلطان دکن نے حکم اس خوشی کی تقریب میں باغ عامہ میں ایک عظیم الشان جلسہ مسرت ترتیب دیا گیا جسمیں اعلیحضرت بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ اس تقریب پر مدارس بلدہ کے تمام طلبہ کو مٹھائی اور تمغے تقسیم ہوئے۔ جریدہ غیر معمولی کے ذریعہ تمام ممالک محروسہ میں ایک یوم کی تعطیل دیگئی اور بچوں کی ضیافت کے لئے دس ہزار منظور کیا گیا۔

بمبئی کا ایک اور سفر

اسی سال بمبئی کا ایک مختصر سا سفر اور ہوا۔ ۵ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ بروز دوشنبہ اعلیحضرت معہ محلات شاہی دو بجے اسپشل ٹرین سے عازم بمبئی ہوئے اور وہاں جاکر احمد منشن میں بندگانعالی نے قیام فرمایا یہ سفر دو ہفتہ کا تھا چنانچہ ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ بروز دوشنبہ بعد دوپہر ۳ بجے آپ کا اسپشل عازم بلدہ ہوا۔ اور بخیر و عافیت فائز بلدہ ہوئے۔ یہ سفر محض تفریحی تھا۔

دکن ہارس کے آنریری کرنل کا عہدہ

ماہ ذیحجہ ۱۳۳۰ھ کے اواخر میں ملک معظم نے سلطان دکن کو برٹش افواج کا اعزازی کرنل مقرر کیا گیا۔ اور آخر ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ کو اعلیحضرت دکن ہارس کے آنریری کرنل کے عہدہ پر ممتاز ہوئے اور ۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو اس اعزاز کی تقریب پر رسالہ مذکور نے اپنے ہیڈ کوارٹرز میں اعلیحضرت کو ڈنر دیا

چنانچہ خسرو جنگ رسالہ مذکور کے آنریری کرنل کی حیثیت سے اس ڈنر میں شریک ہوئے اور اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتے رہے۔

اجمیر کا دوسرا سفر ۱۳۳۱ھ کے آخر میں پھر آپ نے ایک مختصر سا سفر اجمیر و آگرہ کا کیا۔ چنانچہ ۱۰ ذیحجہ ۱۳۳۱ھ بروز دوشنبہ رات کے گیارہ بجے اعلیحضرت معہ محلات شاہی بذریعہ اسپشل ٹرین اجمیر کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں کے ایک مشہور ساہوکار امید مل کو یہ عزت بخشی کہ اسکی کوٹھی میں آپ نے قیام فرمایا۔ دوران قیام میں روزانہ دیگیں پکواکر بٹائی جاتی تھیں اور صدقات وخیرات کا سلسلہ جاری تھا ۲۳ ذیحجہ تک آپکا قیام وہاں رہا ۲۴ کو آگرہ کو روانہ ہوئے وہاں ایک روز قیام کرکے مراجعت عمل میں آئی اور راستہ میں ایک روز گلبرگہ میں قیام فرمایا اور ۲۹ ذیحجہ بروز شنبہ دن کے ۹½ بجے داخل بلدہ ہوئے۔

حیدرآباد میں پہلی ہڑتال

رمضان ۱۳۳۱ھ میں دفتر کروڑگیری میں ایک مخبری ہوئی کہ سوداگران پارچہ محصول کروڑگیری سے بچنے کے لئے غلط بیجک پیش کرکے سرکار کو دھوکا دیتے ہیں اور سرکاری محصول غبن کرجاتے ہیں اس مخبری نے عہدہ داران کروڑگیری میں ایک تعجب خیز سنسنی پیدا کردی اور اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ تاجران پارچہ کے بہی کھاتے ضبط کرلئے جاویں اور انکی پڑتال ہو چنانچہ اس مقصد کے لئے پولیس بلدہ کی امداد سے افسران کروڑگیری نے تاجران پارچہ کے گذشتہ دس سال کے بہی کھاتے ضبط کرلئے یہ ۲ شوال ۱۳۳۱ھ روز چہار شنبہ کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے قدرتی طور پر تاجران پارچہ میں ایک گھبراہٹ اور بےچینی پیدا ہونا ضروری تھا چنانچہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے باہم اتفاق کرکے

ہڑتال کردی

تاجران غلہ نے بھی انکا ساتھ دیا۔ اور اپنی دوکانوں کو بند کردیا حیدرآباد میں اس قسم کی ہڑتال کا یہ سب سے پہلا واقعہ تھا مگر کچھ شبہ نہیں کہ گو پہلے سے کوئی منظم تحریک تھی

مگر یہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی تاجران پارچہ وغلہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس کے خطرات کا اندازہ کرکے محکمہ مالگزاری میں ایک کمیٹی حالات پر غور کرنے کے لئے مقرر ہوئی اور سر اکبر حیدری (جو اس زمانہ میں معتمد عدالت وکوتوالی تھے) نے دوکانداروں کو سمجھایا کہ وہ دوکانات کھولدیں لیکن انہیں اسی امر پر اصرار تھا کہ انکے بہی کھاتہ خلاف ضابطہ ضبط کئے گئے ہیں اور یہ امر انکی دیانت اور تجارت پر ایک خطرناک حملہ ہے اسلئے وہ اپنی دوکانوں کو نہیں کھولیں گے جبتک انکے بہی کھاتے واپس نہ دئے جاویں۔ سر اکبر حیدری اور انکے رفقا نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور انہوں نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ

بہی کھاتے واپس کردئے جاویں

چنانچہ اسپر عمل کیا گیا اور تاجروں نے اتوار کے دن ۵ر شوال ۱۳۳۱ھ کو دوکانات کھولدیں اسطرح

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

کا معاملہ ہوگیا۔

اس ہنگامہ میں سر اکبر حیدری کے تدبر و دانش نے ایک نتیجہ خیز ثبوت پیش کیا اور ایک سلگتی ہوئی چنگاری کو بجھادیا۔ جو کمیٹی اس مقصد کے لئے مقرر ہوئی تھی اسنے یہ فیصلہ کیا کہ افسران سررشتہ کروڑگیری کو صرف ۱۳۰ف کے کھاتہ کی تنقیح کی اجازت ہے۔

علمی فیاضان اور علمی اداروں کی سرپرستی دولت آصفیہ ہمیشہ سے علمی فیاضیوں اور علمی سرپرستیوں میں ممتاز و شہرۂ آفاق رہی ہے کوئی دور اس دولت آصفیہ کا ایسا نہیں گذرا کہ صاحبانِ علم وفضل نے اسکے دامن سے وابستہ ہوکر فکر معاش سے بےفکر خدمت علم نہ کی ہو اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کا عہد تو اس سلسلہ میں ترقی یافتہ اور لانظیر عہد ہے۔ ہر قسم کے علمی اداروں اور فنی شعبوں نے نہ صرف اندرون ممالک محروسہ ترقی کی بلکہ باہر کے علمی اداروں کی ترقی اور اعانت کے لئے بھی

دست عثمانی کھلا رہا

بعض مصنفین کو یکمشت اور ماہانہ امداد دی گئی اور بعض کی کتب کے متعدد نسخے خرید کرکے شوق تالیف وتصنیف بڑہایا گیا۔ بعض تعلیم گاہوں اور مدارس کے نام گرانقدر امدادی رقوم یکمشت اور ماہوار اجرا ہوئیں۔ اور یہ سلسلہ صرف ہندوستان کے اندر ہی نہیں ہندوستان سے باہر تک وسیع ہوا۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے ایک مدرسہ کے نام دوسو روپیہ ماہوار کلدار کی امداد دی گئی یہہ فہرست اسقدر طویل ہے کہ اسکے لئے بجائے خود ایک مستقل اور مبسوط جلد کی ضرورت ہے ٭

مولانا شبلی نعمانی۔ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مسلم مشنری۔ منشی دین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ۔ حکیم مولوی یعقوب خان صاحب مترجم قرآن مجید بزبان گجراتی وغیرہ مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر بانی اسلامیہ اسکول اٹاوہ وغیرہم کثیر التعداد لوگوں کے نام معقول وظائف جاری ہوئے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے

مفلوک الحال لوگوں کی اعانت ودستگیری دولت آصفیہ کے عملی پروگرام میں یہ امر بھی ہمیشہ داخل رہا ہے کہ مفلوک الحال اور حاجت منداصحاب کی مدد کرنے میں خوشی محسوس کیجئے آصف جاہ ہفتم نے اپنے عہد مبارک میں اس سلسلہ کو بھی بہت بڑی وسعت دی۔ یہہ دیکھا نہیں گیا کہ کوئی اہل حاجت جو واقعی قابل امداد ہو آستانہ عثمانی تک پہونچا ہو اور پھر محروم رہا ہو۔ عالمگیر مصائب جو قدرتی آفات ارضی وسماوی کے ماتحت آتے ہیں انمیں بھی ہمیشہ آپ مخلوق الٰہی کی ہمدردی اور دفع مصائب میں شرکت کرتے ہیں۔ اپنی ریاست میں تو آپ کو اسکا خیال قدرتی طور پر رہتا ہی ہے مگر ریاست کے باہر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ایسے مواقع پر آپ نے ہمیشہ اپنے

دست اعانت کو دراز فرمایا ہے

٭ حاشیہ۔ مرتب حیات عثمانی کے زیر غور ہے (عرفانی)

بھاؤنگر کا قحط ۱۳۳۰ھ کے آخر میں ریاست بھاؤنگر میں قحط کی آفت نمودار ہوئی۔ اس موقعہ پر ریاست مذکور کی قحط زدہ عورتوں کی امداد کے لئے آپ نے پانچہزار کی رقم عطا فرمائی۔

ہندی مصیبت زدگان جنوبی آفریقہ کی امداد اسی طرح جنوبی آفریقہ میں مقیم ہندوستانی جب ۱۳۳۲ھ میں مبتلائے الام و مصائب ہوئے اور ہندوستان میں انکی مصیبت کی داستان عام ہوئی تو اعلیحضرت نے بغیر کسی درخواست کے ان کی امداد کے لئے دس ہزار روپیہ کلدار کی رقم عطا فرمائی۔ اسی طرح جب جنگ بلقان میں وہاں کے مسلمانوں پر مصیبت آئی تو آپ نے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے برٹش ہلال احمر کو دو ہزار پونڈ کا گرانقدر عطیہ دینے میں سبقت کی لیکن یہ رقم چونکہ کافی نہ تھی آپ نے چند ماہ کے وقفہ سے مزید دو ہزار پونڈ دئے اور پھر احساس ضرورت پر پانچسو پونڈ کی مزید اعانت بھیجی۔

متفرق امدادی کارنامے ۱۳۳۳ھ کے ذی قعدہ میں لکھنؤ میں دریا کی طغیانی نے ستم ڈھادیا۔ اور بہت سے خاندان بے خانماں ہو گئے۔ اور وہاں کے مصیبت زدوں کی آہ و زاری کو دولت آصفیہ کے صاحب تاج و تخت نے یہ کہتے ہوئے سنا ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اور انکی مصیبت میں عملی شرکت کے لئے دس ہزار کلدار کا عطیہ دیا۔

لیڈی ولنگڈن جبکہ ان کے شوہر لارڈ ولنگڈن بمبئی کے گورنر تھے (اور بمبئی کے گورنر کو سیاسی حالات و تعلقات کے لحاظ سے حیدرآباد سے کوئی تعلق نہیں) بمبئی میں ۱۳۳۴ھ میں زنانہ ریلیف کی ایک شاخ قائم کی تھی جو مصیبت زدگان کی امداد کے لئے تھی اس کار خیر میں شریک ہونے کے لئے پانچہزار کی گرانقدر رقم آپ نے روانہ کی

ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ میں غربائے اہل اسلام کی امداد کے لئے اکیس ۲۱ ہزار چار سو روپیہ دئے اور اسی ماہ میں لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج ہسپتال واقعہ دہلی کی امداد کے لئے

ایک لاکھ روپیہ دیا۔

۱۳۳۵ھ کے آغاز کے ساتھ ہی مصیبت زدگان بیکن پلی کی امداد کا سوال آپ کے سامنے آیا اور آپ نے نہایت فیاضی اور فراخدلی سے دس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا۔

اسی مہینے میں نادار حاجیوں کی اعانت کے متعلق تحریک ہوئی جو بوجہ افلاس جدہ میں پڑے رہتے تھے انکی واپسی کے لئے ایک فنڈ کی تجویز ہوئی تو اعلیحضرت نے دس ہزار کلدار سے ان کی دستگیری کی۔

ماہ صفر ۱۳۳۶ھ میں مصیبت زدہ مسلمانان بہار کی امداد کے لئے ایک لاکھ روپیہ دیا۔ ۱۹۲۰ء میں ہز اکسلینسی لیڈی چمسفورڈ کی مجوزہ یتیم بچوں اور ماؤں کے فنڈ میں پچاس ہزار دیا۔

وسط فبروری ۱۹۲۲ء میں لیڈی ریڈنگ کے خواتین کے فنڈ میں پچیس ہزار عطا فرمایا۔

مالابار میں جب مصیبت پیش آئی اور یتامیٰ اور بیوگان کے علاوہ بہت سے لوگ پریشان ہوگئے تو انکے امداد کے لئے اوائل ماہ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ میں مصیبت زدگان مالابار کی اعانت کے لئے پچاس ہزار دیا۔

آخر ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ میں پچاس ہزار کلدار کا فیاضانہ عطیہ مصیبت زدگان موپلاؤں کی امداد کے لئے دیا گیا اور اس رقم سے مالابار میں یتیم خانہ اور صنعتی کارخانجات قائم کر کے موپلا بیوگان اور یتامیٰ کی پرورش کا سامان کیا گیا۔ پھر اوائل محرم ۱۳۴۳ھ میں پچیس ہزار اور مالابار سے طغیانی زدہ لوگوں کی اعانت کے لئے دیا۔

اسی ۱۳۴۳ھ کے ربیع الاول میں کلکتہ کے مسلم یتیم خانہ کی امداد کے لئے دس ہزار اور پھر جمادی الاول میں دس ہزار دیا۔

مصیبت زدگان بیرون ہند کی امداد | اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کی داد و دہش کا ہاتھ جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں صرف حیدرآباد یا ہندوستان تک ہی نہیں پہونچتا بلکہ ہر ملک اور

ہر قوم کے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے آپ ہمیشہ سابق بالخیرات ثابت ہوئے ہیں میں ذیل میں چند واقعات کا تذکرہ کرتا ہوں اور اسی سے عام ہمدردی کا اندازہ ہو جائے گا جو خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ آپ کو ہے۔

(۱) ماہ نومبر ۱۹۱۳ء میں مصیبت زدگان جاپان کی اعانت کا سوال آپ کے سامنے آیا جاپانیوں کو مذہب و ملت کے لحاظ سے اور سیاسی حیثیت سے کسی قسم کا تعلق دولت آصفیہ یا اعلیحضرت سے نہ تھا۔ لیکن انسانی ہمدردی کے قانون میں ملک و قوم و مذہب کا کوئی سوال نہیں ہوتا آپ نے ان مصیبت زدگان کی امداد کے لئے فوراً تین ۳ ہزار کا عطیہ عطا فرمایا

(۲) اوائل شعبان ۱۳۴۳ھ میں مراکو کی جنگ میں مقتولوں اور مجروحین کی بیواؤں اور بچوں کی امداد کے لئے پانچسو پونڈ عطا فرمائے۔

(۳) وسط ماہ شوال ۱۳۴۳ھ میں ترکی کے غریب اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد و اعانت کے لئے انجمن ہلال احمر کو پچاس ہزار روپیہ عطا فرمایا۔

(۴) آخر ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں فلسطین کے زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے ایک ہزار پونڈ عطا فرمایا۔

(۵) اوائل ماہ رجب ۱۳۴۸ھ کو بیت المقدس کے زاویہ الہنود (جو ہندوستانی مسافرین اور زائرین کے لئے بمنزلہ سرائے ہے) کی مرمت کے لئے پانچہزار روپیہ عطا فرمایا

(۶) جنوری ۱۹۳۱ء میں ملک معظم کے نام سے موسوم ہسپتال کیلئے ۲ لاکھ پونڈ تقریباً تین ۳ لاکھ روپیہ دیا اور اس رقم کے خرچ کے متعلق اعلیحضرت نے یہ تجویز فرمایا کہ اسے ملک معظم (آنجہانی) کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاوے۔

یہ ایک مختصر سی فہرست ہے ورنہ ہر ملک اور قوم کے لئے آپ کا دستِ شفقت دراز ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں میں ایک اور عظیم الشان واقعہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں اگرچہ اسلامی حیثیت رکھتا ہے لیکن اگر وسعت نظر سے کام لیا جاوے تو ایسے اسلامی

نقطہ نگاہ سے الگ کر کے دیکھنا چاہیئے۔

معزول سلطان ٹرکی کی اعانت یہہ واقعہ سلطان ٹرکی (معزول خلیفۃ المسلمین) کی امداد و اعانت کا ہے۔ کچہہ شک نہیں کہ مذہب کے لحاظ سے اسے سلطان دکن سے تعلق ہے اور اب تو حضرت ولیعہد بہادر اور شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے تعلقات صہری کی وجہ سے اس شاہی خاندان سے دوہرا تعلق ہے لیکن جسوقت اعلیحضرت سلطان دکن نے انکی اعانت کا خیال فرمایا اوسوقت رشتوں کا تو وہم وگمان بھی نہ تھا آپ نے محض اس خیال سے کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا بادشاہ تھا اور عزل کے بعد اسکی قوم نے اسے ایسے حالات میں چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی بسر کرنے کے بھی قابل نہیں رہا اسکی ذاتی جائداد و املاک پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہہ حالات نہایت جگر دوز تھے۔ اور روئے زمین کے مسلمانوں میں سے کسی کو یہہ خیال نہ آیا کہ وہ شخص جو کل تک خلیفۃ المسلمین کھلاتا تھا اور مسلمان اسے اپنا مذہبی اور سیاسی پیشوا سمجھے ہوئے تھے آج ایسے حالات سے گذر رہا ہے کہ

عرصہ حیات اسپر تنگ ہو رہا ہے

اس مصیبت کا احساس دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے صرف

سلطان دکن کو ہوا

اور اونہوں نے فوراً انکی آسایش سے زندگی بسر کرنے کے لئے ایک گرانقدر وظیفہ مقرر کر کے کل اسلامی دنیا پر احسان کیا

یہہ واقعات اور حالات بہت قریب کے ہیں اور عام طور پر مشہور ہیں اس لئے میں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور علاوہ بریں یہ نہایت دردناک کہانی ہے کہ نوجوان ترکوں نے جنگ یورپ کے بعد کس طرح اپنے سلطان اور خلیفہ کو معزول کیا اور کن حالات میں اسے اپنے محبوب شہر (قسطنطنیہ) سے نکال دیا۔ میں یہاں صرف ان مراسلات کو درج کر دیتا ہوں جو اعلیحضرت اور معزول سلطان ٹرکی

درمیان ان کے **وظیفے کے تقرر پر ہوئیں**

اس کے ساتھ ہی میں انگلستان میں اس موقعہ پر رائے عامہ کا جو اظہار وہاں کے ایک مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریویوز میں کیا گیا اسے بھی درج کرونگا۔

اعلیحضرت کا فرمان مبارک متعلق تقرری وظیفہ

فرمان واجب الاذعان مورخہ ۲۵ ذی قعدہ الحرام ۱۳۴۲ھ جو معزول خلیفہ عبدالمجید خان کے نام تاحیات وظیفہ جاری کرنے کے بارے میں شرف صدور لایا ہے وہ پبلک کی اطلاع کیلئے ذیل میں شایع کیا جاتا ہے فقط شرحد ستخط

مہدی یار جنگ (معتمد سیاسیات)

فرمان مبارک

چونکہ آجکل معزول خلیفہ عبدالمجید خان کی مالی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے اور وہ ان دنوں یورپ میں قیام کئے ہوئے ہیں جہاں کے مصارف بے انتہا بڑھے ہوئے ہیں۔ لہذا اس آیتہ کے بموجب المومن اخوۃ المومن (میرے خیال میں اعلیحضرت کا منشأ کل مومن اخوۃ ہے۔ عرفانی) انکی سقیم حالت کے مدنظر میں اپنی استطاعت کے موافق انکی تائید کرنا اپنا مذہبی فرض خیال کرتا ہوں چنانچہ انہیں وجوہات کی بنا پر ماہ جولائی ۱۹۲۴ء سے تاحیات تین سو پونڈ کا ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں اور قریب میں ان کا ایڈریس معلوم ہونے پر رقم کے ایصال کا انتظام عمل میں آئیگا۔ پبلک کی اطلاع کی غرض سے میرا یہ حکم جریدہ غیر معمولی میں طبع کرادیا جائے فقط شرحد ستخط مبارک اعلیحضرت

۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ یوم پنجشنبہ

اس فرمان کی اطلاع معزول خلیفہ عبدالمجید خان صاحب کو نواب سر موید الملک علی امام (جو اس وقت حیدرآباد کے وزیر اعظم تھے) نے بذریعہ تار دی اسکے جواب میں بطور اظہار امتنان ایک تار بھیجا جسکا اردو ترجمہ ایک فرمان مبارک مشتہرشدہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کی تعمیل میں شایع کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

معزول خلیفہ عبدالمجید خان نے وظیفہ کی خبر سنکر (جسکو کہ میں نے حال ہی میں انکے نام جاری کیا ہے) جو ٹیلیگرام میرے نام بھیجا ہے اسکا اردو ترجمہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے تاکہ اسکی اطلاع تمام عالم اسلامی کو ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ اسکا اثر انکے قلب پر کسی طرح ہوکہ۔ اور کن الفاظ میں اسکا اظہار انہوں نے لیا ہے اور اس تحریر سے میں کس قدر متاثر ہوں فقط شرحد ستخط مبارک

ترجمہ ٹیلگرام

ہزاگزالٹیڈ ہائنس دی نظام آف حیدر آباد

السلام علیکم امو ید الملک سرعلی امام کا تار برقی مجھے ابھی وصول ہوا جسکے ذریعہ سے اونہوں نے مجھے اس فیاضانہ اعانت کی اطلاع دی ہے جو میرے لئے حضور نے تجویز فرمائی ہے۔

حقیقی اخوت واتحاد اسلامی کا یہ ثبوت جو آپ نے از خود اور اس ممتاز طریقہ سے دیا ہے وہ میرے لئے باعث تشکر وافتخار ہے۔ شرحاد ستخط عبدالمجید خان (معزول خلیفہ)

اس فیاضی اور اخوت واتحاد اسلامی کی شاندار نظیر نے نہ صرف ہندوستان میں اور نہ صرف عالم اسلام میں بلکہ کل دنیا میں ایک غلغلہ بلند کیا۔ اسلامی اخبارات اور انجمنوں نے اسپر خراج تحسین ادا کیا مسٹر سید رحمٰن گیلانی رکن مجلس وضع قوانین پنجاب نے ترکوں کو عبرت دلانے والا اعلان شایع کیا اور اعلیحضرت کا شکریہ ان الفاظ میں کیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی جانب سے ہزاگزالٹیڈ ہائینس کا دلی شکریہ خدا انکی عمر دراز کرے آمین۔ اس مسرت آگین خبر نے کہ ہز مجسٹی خلیفہ کے لئے تین سو پونڈ ماہانہ کا وظیفہ تاحیات جاری کیا گیا ہے مجھے حسب ذیل سطور لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے جو بطور ناچیز

شکریہ کے ہیں حضرت اقدس واعلیٰ نے ہندوستانی مسلمانوں کی جانب سے حضرت خلیفہ کی معاونت فرمائی ہے جنہیں انکے ہم مذہبوں نے انہیں کے بہائیوں انہیں کی رعایا نے جلاوطن کر دیا اور اغیار غیر مسلموں اور اعدائے اسلام کے حوالہ کر دیا کہ وہ انہیں اپنے ہوکے باز کا شکار بنائیں۔ میں ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام دکن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مسلمانوں کو دنیا کے غیر مسلموں کے حملہ سے بچالیا اور اسطرح ساری مسلم قوم کا دائمی شکریہ حاصل کرلیا۔

اس وظیفہ پر ولایت کے مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریویو نے ایک زبردست مضمون خلیفہ اسلام کے عنوان سے ایک آرٹیکل میں شایع کیا جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

خلیفہ اسلام

اس لمحہ دنیائے اسلام سیاسی یا علاقی مسائل کے علاوہ ایک اور مسئلہ کی جانب سے پریشان خاطر و پراگندہ دل ہے۔ سلطان عبد المجید خان کو جلاوطن کرنے اور انہیں خلافت سے محروم کرنے پر اس نے ابھی تک مصطفیٰ کمال کو معاف نہیں کیا ہے۔ ترکی جمہوریت پسندوں نے خانوادہ عثمانی کے رئیس کو قسطنطنیہ سے نکالتے ہوئے جسکی ذات میں ایک عرصہ سے مومنین کی خلافت یا سرداری کی قوت جمع تھی جس خطرہ کا اندازہ کیا تھا انہیں اس سے کہیں عظیم تر خطرہ کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اگرچہ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ فتوحات کے ذریعہ ایک خاندان سے خلافت دوسرے خاندان میں منتقل ہوئی ہے۔ فقہائے اسلام نے علی العموم اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ ایک خلیفہ محض اسی صورت میں خلافت کی حیثیت میں گرجائیگا۔ جب کہ وہ مرتد ہوگیا ہو یا وہ اطاعت اختیار کرکے اور اپنے آپ کو اغیار کے حوالہ کردے یا مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دے۔

جلاوطن خلیفہ عبد المجید خان نے نہ تو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا اور نہ وہ مرتد ہیں نیز امیر المومنین کی حیثیت سے ایک خلیفہ کے تسلیم کئے جانے کا انحصار سنی مسلمانوں کی

کثرت آرائے پر منحصر ہے لہذا اس اصول کے موافق عبدالمجید خان کو خلیفہ تسلیم کیا گیا سارے ممالک کی مساجد میں بلا امتیاز نسل و قومیت مثلاً دہلی۔ حیدر آباد۔ کابل۔ بخارا۔ قاہرہ اور دیگر مقامات کی عبادت گاہوں میں عبدالمجید کے نام سے بہ حیثیت خلیفہ دعا کی جاتی ہے۔ لہذا یہ امر صاف ہے کہ قسطنطنیہ سے جلاوطنی انہیں اپنے منصب سے علیحدہ نہیں کر سکتی ہے۔ اور وہ بھی اسلام کے مذہبی سردار ہیں۔ اور مصطفیٰ کمال کے فیصلہ سے انکی خلافت کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہوا۔ اور یہ ایک کھلا مسئلہ ہے کہ سنی مسلمانوں کی عالمگیر کانفرنس میں انکی پوزیشن کس حد تک متاثر ہوگی ترکی کے جمہوریت پسند یہ انکار کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے اندر کوئی خلافت نہیں رکھیں گے۔ لیکن باقی عالم اسلام کے دلوں میں انہیں اپنے جذبات کو بھڑنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

نظام کا وظیفہ

باایں ہمہ جلاوطنی نے عبدالمجید خان کو مفلس بنا دیا ہے۔ یہ مذہب اسلام کا کوئی رکن نہیں ہے کہ انکا خلیفہ "ہم بغل افلاس" رہے اور اس نظارے نے کہ امیر المومنین سوئٹزرلینڈ میں بے یار و مددگار بسر کر رہا ہے اکثر مسلمانوں کو ندامت و نفرت سے معمور کر دیا ان میں سے ایک سب سے زیادہ رفیع المرتبت یعنی نظام حیدر آباد گزشتہ ماہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنے روحانی* رئیس کی امداد و اعانت کریں اور تین سو پونڈ ماہانہ انکے وظیفہ کے لیے مقرر کریں ایک اسلامی رئیس کے لئے ایک سنی پادشاہ کیطرف سے یہ وظیفہ فی الفور

نظام کو ایک ایسی ہمدرد و فیاض ہستی ظاہر کرتا ہے

جس کی وجہ سے ہر جگہ ان کے ہم مذہب مسلمان انکی قدر کریں گے اور اسکی وجہ سے یہ قابلیت پیدا ہو جائے گی کہ برطانیہ حکومت سے صوبجات برار کے متعلق جو بحث چھڑی ہوئی ہے اسکو ایک مذہبی رنگ میں بدل دیں (یہ امداد اس خیال سے نہیں پیش کی (عرفانی)

حاشیہ* (روحانی بھائی۔ (عرفانی)

اسلام کا یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ خلیفہ کسی غیر مسلم طاقت پر منحصر نہ رہے۔ نظام حیدرآباد
ایک مستقل حکمران ہیں اور حکومت برطانیہ کے یار وفادار لیکن گذشتہ سال انہوں نے
استرداد برار پر حیدرآباد کا دعویٰ نہ کیا ہوتا (یہ وہ دعویٰ ہے جسکو تسلیم کرنے میں
حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہند نے عجلت سے کام نہیں لیا ہے بلکہ اس پر اخلاق کا
اظہار بھی نہیں کیا ہے) تو ضرور عالم اسلام ان پر شبہ کرتی کہ یہ بعض برطانیہ عظمیٰ کے
ایک حکمبردار کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ بحالات موجودہ ایسا کوئی شبہ پیدا نہیں
ہو سکتا اور نظام نے سنّی مسلمانوں کے تشکّر و امتنان پر جن کا ایک کثیر حصہ برطانوی
شاہنشاہیت میں بسر کرتا ہے ایک ایسے وقت

اپنے فیاضانہ عمل سے اپنا حق قائم کر دیا ہے

جبکہ ان کے اور برطانوی حکومت کے مابین ایک مقدمہ منفصل شدنی ہے اسطرح
نظام کو جو عزّ و وقار حاصل ہوا ہے وہ حدود ہند سے نکلکر افریقہ اور ایشیا کے کئی دیگر قطاع
تک جائے گا۔ المختصر یہ کہ

نظام کو قوّت متخیلہ کا بڑا حصّہ ملا ہے

اور یہ وہ عطیہ الٰہی ہے کہ جسکا مشرق سے مقابلہ کرتے ہوئے مغربی اقوام
اور مغربی حکومتوں میں فقدان ہوتا ہے ورنہ وہ ضرور ان خارج الفہم عناصر کو موجودہ سے
زیادہ تیز نظری سے بھانپ لیا کرتیں جو کروڑوں انسانوں پر موثر ہوا کرتے ہیں،،

جنگ عظیم اور آصف جاہ ہفتم

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کے گذشتہ پچیس سال ایک حیرت انگیز انقلاب اور
جد و جہد کے سال گزرے ہیں۔ آپ نے جیسا کہ میں نے کسی دوسری جگہ بیان کیا ہے
تاج آصفی کو زینت دی تو دولت آصفیہ مختلف قسم کی سازشوں اور دیرینہ بندیوں کا
مرکز تھا۔ اور ملک کی اصلاح و مرفع الحالی کی تدابیر کے لئے ایک عظیم الشان پروگرام جو ان سال

وجوان بخت سلطان کے سامنے تھا ابھی آپ کو سریر آرائے دولت آصفیہ ہوئے
تین سال ہی ہوئے تھے کہ

جنگ عظیم کی آگ بھڑک اٹھی

اس جنگ کے اسباب اور تفصیلات اور نتائج پر بحث کرنے کے لئے یہاں
موقعہ نہیں اس موضوع پر مختلف زبانوں اور مختلف ممالک میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں
شایع ہو چکی ہے مجھکو صرف اس حصہ کا تذکرہ کرنا ہے جسکا تعلق اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی
ذات اور سلطنت سے ہے یہ جنگ دول یورپ کی عموماً اور دولت برطانیہ کی خصوصاً

زندگی اور موت کا سوال تھا

میرے نقطۂ نظر سے تو یہ موقع غدر ۱۸۵۷ء سے بھی نازک ہو گیا تھا۔ ایسے موقعہ پر
بڑے تدبر اور فراست کی ضرورت تھا۔ نوجوان سلطان نے اپنی آبائی روایات کے
احترام میں دولت برطانیہ کی اعانت و رفاقت میں

اپنے تمام وسایل کو وقف کر دیا

اور جس طرح غدر کے ایام میں دولت آصفیہ ہی ایک ایسی سلطنت تھی جو حکومت برطانیہ
کے بقا کا موجب ہوئی اور جسکے متعلق اسوقت کے انگریزی ذمہ دار حکام نے اس اس حقیقت
کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا اسیطرح اس موقعہ پر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کی امداد نے دولت
برطانیہ کے وقار اور عظمت کو قائم رکھنے میں شاندار قربانی کی۔ اور آغاز جنگ ۴ اگست ۱۹۱۴ء
سے لیکر ۲۸ جولائی ۱۹۱۹ء تک جبکہ عملاً جنگ صلح نامہ پر دستخط ہو کر ختم ہوئی) سلطنت آصفیہ
نے سرکاری، غیر سرکاری۔ مالی و مادی۔ فوجی ہر قسم کی امداد دیکر ثابت کر دیا کہ گو اس حرب عظیم
میں یورپ کی حکومتوں نے معاہدات کو ردی کے ٹکڑے اور کاغذ کے پرزے کہکر پس پشت
ڈالدیا مگر دولت آصفیہ کے مسلمان سلطان نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ

مسلمان نازک سے نازک اوقات میں بھی عہد ناموں کی پابندی کرتا ہے

اور حکومت برطانیہ کی امداد کے لئے اپنی افواج اپنے کارخانہ اور اپنے خزانے کھول دیئے اور ہر ممکن طریق سے حق دوستی اور شرط تعاون کو پورا کیا۔ اگرچہ اس اعانت وامداد کی پوری تفصیل میں اس جگہ نہیں دیسکتا تاہم مختصر سا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) آغاز جنگ ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ اسکے ساتھ ہی گورنمنٹ ہند نے امپیریل سروس ٹروپس کا مطالبہ کیا دولت آصفیہ نے پہلی رجمنٹ فوراً بھیجدی۔ اور حکومت ہند نے اسے مصر بھیجدیا۔ مصر اور فلسطین میں اس نے کارہائے نمایاں کئے دوسری رجمنٹ ریزرو میں رہی۔ سرکاری مراسلات میں حیدرآباد امپیریل سروس ٹروپس کے کارناموں کو سراہا گیا۔ اور تفصیل کے ساتھ انکے کارناموں کا ذکر کیا گیا۔ معرکوں میں جو خدمات حیدرآباد امپیریل سروس ٹروپس نے سرانجام دیں۔ انکی اور اس رجمنٹ کے افسروں اور عہدہ داروں کی انفرادی طور پر تعریف کی گئی۔ جسکی تفصیل پندرہویں امپیریل سروس کویلری برگیڈ کی تاریخ میں درج ہے جو مالک معظم کے حکم سے لندن میں طبع ہوئی۔ ان افواج کے تمام اخراجات دولت آصفیہ کے خزانہ سے دئے گئے جسپر دو کروڑ کے قریب خرچ ہوا۔

(۲) رکروٹوں کی بھرتی میں ہر قسم کی آسانیاں بہم پہونچائی گئیں۔ سرکار آصفیہ کے عہدہ دار سرکاری خرچ پر اس مقصد کے لئے متعین کئے گئے۔ اور پانچ ہزار کے قریب رکروٹ بھرتی کئے گئے۔

(۳) سرکار عالی کے سول ملازمین میں سے جن یوروپین اور اینگلو انڈین کو گورنمنٹ برطانیہ کی افواج میں شریک ہونے کا موقعہ دیا گیا ان کے تمام حقوق کا بدرجہ احسن تحفظ کیا گیا اور دوسرے جن ملازین کو جمعیت تحفظ ہند میں عام ترتیب کی غرض سے طلب کیا گیا ان کی رخصتوں اور تنخواہوں کے متعلق بھی خاص رعایات ومراعات عمل میں لائی گئیں۔

(۴) رسالہ ۲۰ دکن ہارس کو اعلیحضرت کے اعزازی کرنل ہونے کا شرف حاصل ہے

اس رسالہ کے سواروں کے لئے جدید نمونہ کی تلواریں جنگ پر روانہ ہونے سے پیشتر بصرف دس ہزار خرید کر دی گئیں اور اس رسالہ کے کمانڈنگ افسر اور دوسرے افسران کے لئے گھوڑے مہیا کئے گئے

(۵) دیسی والیان ملک کی جانب سے جولائیٹی نام ایک ہسپتالی جہاز تیار کرکے پیش کیا گیا اعلیحضرت نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔

(۶) امریکہ سے چاندی آنے تک اعلیحضرت نے پچاس لاکھ روپیہ کی خام چاندی انگریزی سکہ مسکوک کرنے کے لئے دی۔ علاوہ بریں اپنی دارالضرب میں سکہ کی ریزگاری دوقی۔ چونی۔ اٹھنی۔ کی کثیر تعداد مسکوک کرکے دی۔

(۷) دارالضرب کی شاخ کاغذ مہور نے مدراس وار فنڈ اسٹامپ اور حیدرآباد لیڈیز وار ریلیف اسٹامپ مفت چھاپ کر دیئے۔

(۸) سرکار عالی کے ورک شاپ میں کثیر تعداد میں سامان جنگ تیار کرکے دیا گیا جسکی مالیت کسی صورت میں دس لاکھ روپیہ سے کم نہ تھی اہم ترین کام جو ورک شاپ میں تیار ہوا وہ ٹوٹوں کے صندوق۔ گولے باربرداری کی گاڑیاں۔ اس تمام سامان کی تیاری میں دولت آصفیہ نے کوئی منافع حکومت برطانیہ سے نہ لیا۔

(۹) گھاس کے بہت بڑے ذخائر مفت دیدیئے گئے جن پر ریاست کے بائیس ہزار سالانہ خرچ کرتی رہی۔

(۱۰) جمعیت سرکار عالی نے ۶۱۲ خچر ۱۵۰ گھوڑے اور توپ خانہ کے ۳۵ بڑے گھوڑے حکومت ہند کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اور اس کے راستہ میں سہولتیں پیدا کرنے کیلئے دیدیئے۔ اور نقد مالی امداد میں بھی کسی قسم کا تامل نہ کیا گیا مختلف جنگی قرضوں میں شمولیت اختیار کی گئی۔ اور مالی امداد ایسے موقوں پہ کیگئی جبکہ ملک معظم کی گورنمنٹ سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اور خطرہ تھا کہ دولت برطانیہ کے وقار اور

مالی امتیاز میں تزلزل نہ پیدا ہو جاوے ایسے موقعہ پر اعلیحضرت کی امداد اپنے رنگ میں

بے نظیر ہے

اور سچ تو یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر بنک آف انگلینڈ کی مالی امداد کی جبکہ اکی ساکھ خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

غرض

دوران جنگ میں دولت آصفیہ کی اعانت و رفاقت کا عملی مظاہرہ ہوتا رہا۔ جب لڑائی ختم ہوگئی اور ان نقصانات کا درد محسوس ہونے لگا جو اس جنگ میں سپاہیوں کے مرتے یا مجروح ہوکر نکمے ہو جانے سے ہوئے تو اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے عساکر آصفیہ کی جان بازی کے صلے میں کمال کر دیا۔ مقتولین کے پس ماندان کو وظائف دئے گئے انکی اولاد کی فوجی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داریاں حکومت نے لیں۔ قابل ملازمت نوجوانوں کو ملازمت کے معاملہ میں مقدم کیا وہ لوگ جو مجروح ہوکر ناکارہ ہو چکے تھے۔ ان کو وظائف معذوری سے سرفراز کیا گیا اور یا سول ڈیپارٹمنٹ میں ان کے لئے موزوں ملازمتیں دی گئیں اور جن فوجیوں کے کارہائے نمایاں ان کو پیش کیا گیا۔ ان کے لئے مختلف قسم کے انعامات نقد و زراعتی رقبوں کے عطایا کی صورت میں دے گئے۔ یہی نہیں بلکہ افواج کینٹجنٹ (جو برٹش انڈیا کے ماتحت ہے) کے سپاہیوں کو بھی ممالک محروسہ کے متعدد اضلاع میں زرعی رقبے بطور انعام دئے گئے۔

اس قسم کی امداد مادی اور مالی امداد کے علاوہ میرے نقطہ خیال سے سب سے بڑی وہ امداد ہے جو

آصفجاہ ہفتم نے اخلاقی امداد کے رنگ میں دی

اس اخلاقی امداد کی کیفیت بہت دلچسپ اور طویل ہے مگر میں اسکا بھی

بالاختصار ذکر کرونگا جنگ کا بازار جوں جوں گرم ہوتا گیا اور مختلف طاقتیں اور حکومتیں شریک ہوتی گئیں اور بعض ایسے موقع آگئے جو

مذہبی حیثیت سے نہایت نازک تھے

انمیں سے ایک ترکوں کا جنگ میں شریک ہونا تھا ترکی حکومت کا رئیس اس وقت خلیفۃ المسلمین سمجھا جاتا تھا اور خلافت کا اثر تمام اسلامی دنیا پر پڑ سکتا تھا اعلیحضرت نے اپنے اخلاقی اور اسلامی اثر سے کام لیکر ترکون کو شریک جنگ ہونے سے روکنا چاہا مگر یہہ ممکن نہ تھا۔ ترکوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا اور ان کے لئے بجز شریک جنگ ہونے کے چارہ نہ تھا۔ اس کا نتیجہ عربوں میں مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا وہ کن حالات اور اسباب کے ماتحت ہوا اس کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں واقعہ یہ ہے کہ اختلاف ہوا اور اس اختلاف نے ہندوستان کے مسلمانوں پر اثر ڈالا۔ قریب تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت ہند کے خلاف مخالفت کا طوفان برپا ہو جاتا مگر ایسے موقعہ پر

آصفجاہ ہفتم نے اٹھتے ہوئے طوفان میں سکون پیدا کر دیا

اعلیحضرت نے ہندوستان کے مسلمانون کو اپنے اخلاقی اثر سے برطانیہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی اور ایسے نازک وقت میں انکو وفادار رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس تحریک کا اثر اسقدر غالب اور قوی تھا کہ

ہندوستان کے مسلمانوں نے ہزار ہا رنگروٹ بہم پہونچائے

اور مسلمانوں کی اس خدمت کا لفظی اعتراف انگلستان اور ہندوستان کے تمام حکام نے کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جنگ عظیم کو کامیاب بنانے کے لئے برطانیہ کی ہر تحریک میں کامل حصہ لیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیحضرت نظام دکن کی تحریک زیادہ موثر اور غالب رہی ورنہ مختلف قسم کے خطرات کا احتمال تھا۔

اس وقت اس امداد کی تعریفوں میں انگلستان کے سیاسی مشاہیر اور اخبارات بے انتہا مصروف تھے مگر مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ

یہ لسانی اعتراف تھا عملی نہیں تھا

جنگ ختم ہوگئی اور ملکِ معظم آنجہانی نے اعلیحضرت کو ہز اگزالٹڈ ہائینس کے خطاب اور یار وفادار دولتِ برطانیہ کے القاب سے اپنے دستخطی خط میں مخاطب فرمایا۔ انگریزی اعلیٰ احکام متعینہ ہند اور شہزادہ ویلز (حال ملکِ معظم) نے ان خدمات کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت آصفجاہ ہفتم کی نہ صرف تعریف و تحسین کی بلکہ اخلاص کے جذبات میں ان خدمات کا شکریہ ادا کیا۔

اختتام جنگ پر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے مبارکبادی کا تار جو ملک معظم کو دیا اور جو جواب ملک معظم نے بھیجا اس میں ان جذبات کا اعتراف ہے اس لئے میں اسے یہاں دیکر اس حصہ کو ختم کر دیتا ہوں۔

اعلیحضرت کا پیام مبارک

حکومت برطانیہ کے یار وفادار کی حیثیت سے یورامپریل مجسٹی کی خدمت میں برطانیہ عظمیٰ اور اس کے حلیفوں کی نمایاں فتح پر نیز تمام دنیا پر مسلط جنگ عظیم کے دلخواہ خاتمے پر گرم جوشی کے ساتھ اپنی عقیدت مندانہ و مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں خدا کرے کہ سارے عالم میں غیر متزلزل امن قائم ہو جاوے اور ان برکات میں اضافہ ہو جاوے جن سے ساری سلطنت برطانیہ آپ کی درخشاں فرمانروائی میں مستفید ہو رہی ہے

حضور ملک معظم کا جواب

اس ہولناک جنگ کے خاتمہ پر آپ نے جو محبت آمیز اور موثر پیام بھیجا ہے میں اسکی بڑی قدر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ایمپائر کو آئندہ بہ توفیق الٰہی دیرپا امن نصیب ہو۔ مجھے اس پر فخر و ناز ہے کہ جنگ میں میری ہندوستانی افواج نے ایسی

شاندار خدمات انجام دیں اور یور اگزالٹڈ ہائنس اور دیگر والیان و سرداران ہند نے ہمیشہ غیر متزلزل اور موثر طور پر امداد دی ہندوستان اسکے روسا اور اسکے اقوام کی شجاعت کی یاد امپائر میں تا ابد تازہ رہیگی میری تمنا ہے کہ افواج حیدرآباد کی گراں بہا خدمات پر

آپ کو بذات خود مبارکباد دوں

اُن خدمات کا اعتراف لفظوں سے آگے نہیں گیا گو آصفجاہ ہفتم نے تجارتی رنگ میں کوئی سودا حکومت برطانیہ سے نہ کیا تھا بلکہ اونہوں نے ان عہود و مواثیق کو عملی رنگ میں پورا کیا جو آپ کے دودمان آصفی نے دولتِ برطانیہ کے نمائندوں سے کیئے تھے۔

اعلیحضرت کی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کے ایک مظاہرہ کا تعلق اس جنگ سے اور بھی ہے۔ اور میں اسکو اسی جگہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنگ عظیم کامیابی کے ساتھ ختم ہوگئی مگر اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں ایک اندرونی خلفشار جنگ عظیم میں کئے ہوئے وعدوں کے ایفاء کے لئے شروع ہوگئیں اور کانگریس اور خلافت کی تحریک میں ایک شدت پیدا ہوگئی۔ مختلف تحریکیں ترک موالات اور ستیاگرہ۔ سودیشی وغیرہ کے رنگ میں ملک کے مختلف حصوں میں شروع ہوگئیں۔ اور بعض حصص ملک میں تو خطرناک رنگ پیدا ہوگیا جیسے پنجاب میں مارشل لا جاری کرنا پڑا جہاں خطرناک ہنگامے ہوئے اور انہیں ایام میں افغانستان نے اپنی آزادی کی جنگ شروع کردی اعلیحضرت نے ایسے موقع پر بھی ایسی حزم و احتیاط سے کام لیا اور حکومت برطانیہ سے اپنے حقوق طلب کرکے حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ کرنا پسند نہیں کیا۔ اگرچہ بعض سیاسی مدبر اسے آصفجاہ ہفتم کی سیاسی غلطی کہتے ہیں اور ان کا نقطۂ نظریہ ہے کہ وہی وقت اپنے حقوق کے مطالبات کے لئے موزوں تھا مگر

آصفجاہ ہفتم نے اسوقت بھی اپنی بلند حوصلگی کا اظہار کیا

اور جس حکومت کو ان کے یار وفادار ہونے پر اعتماد ہے اس اعتماد کو متزلزل نہ ہونے دیا۔ اور سیاسی اخلاق کی بجائے اسلامی اور حقیقی اخلاق کو بتایا۔ کسی قسم کا مطالبہ اس تمام زمانے میں نہیں کیا گیا بلکہ اس قسم کے فتنوں کے فرو کرنے اور ممالک محروسہ کو اس قسم کی تحریکوں سے پاک رکھنے میں

پوری قوت سے کام لیا

وہ چاہتے تو برار کا سوال اسوقت اٹھا سکتے تھے مگر نہیں اسے اس وقت تک ملتوی کر دیا گیا جبکہ حکومت برطانیہ ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی جھگڑوں پر قابو پا چکی تھی۔ مجھے یہاں برار کے مسئلہ پر بحث نہیں کرنا بلکہ صرف آصفجاہ ہفتم کی اولوالعزمی کا ایک پہلو بیان کرنا تھا۔

غرض

اس جنگ عظیم میں اعلیحضرت سلطان دکن نے آصفی ہاؤس کی تمام روایات وفاداری اور عہد ناموں کی پاسداری کے متعلق اپنا عملی نمونہ پیش کیا۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں پرنس آف ویلز ہمارے موجودہ شاہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم جب حیدرآباد آئے تو انہوں نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہی دعوت کی تقریب پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا چونکہ اب وہ قیصر ہند ہیں۔ میں انکی اس تقریر کو ایک تاریخی تقریر کی حیثیت سے اس موقع پر درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اسلئے بھی کہ اس تقریر میں سلطان دکن کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔

"یور اگزالٹڈ ہائنس، لیڈیز و جنٹلمن!

"میں یور اگزالٹڈ ہائنس کا ان پر اثر الفاظ کے لئے جن سے میرا جام صحت تجویز کیا گیا ہے اور شاہانہ دعوت کے لئے جو آپ نے مجھے دی ہے۔ نہایت شکرگزار ہوں۔

میں حیدر آباد آنے کا خواہشمند تھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ جو دوستی و رشتۂ اتحاد ہمارے خاندان اور حیدر آباد کے حکمرانوں کے درمیان قائم ہے میرے ذاتی تعارف کی وجہ سے وہ مستحکم ہو جائے۔

"تاریخ میں حیدر آباد اور حکومت برطانیہ کے باہمی رشتۂ اتحاد و دوستی کو صاف صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جب سے ہندوستان میں حکومت برطانیہ قائم ہوئی ہے حیدر آباد اور اس کے حکمرانوں نے یکساں طور پر ہمارے مقاصد کے مطابق کام کیا ہے۔ ٹیپو سلطان، مرہٹوں اور پنڈاریوں کے برخلاف اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ابتدائی معرکے اس رشتے کے استحکام کا بین ثبوت ہیں اور جن عہد ناموں اور اتحادِ باہمی کی بنا پڑی وہ تاریخ ہند میں بہت بعد کے واقعات ہیں، زیادہ قریب کے واقعات اس مبارک ابتدار کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جو واقعات، یعنی ہندوستان کا غدر اور حالیہ جنگ عظیم حکومت برطانیہ پر اثر انداز ہوئے ہیں ان دونوں اہم واقعوں اور ان دونوں مشکل واقعات کے رونما ہونے پر اپنی قدیم روایات برقرار رکھتے ہوئے حیدر آباد نہایت ہی ثابت قدم رہا ہے۔"

"۱۸۵۷ء کے غدر میں حیدر آباد کی مسلمہ وفاداری نے سلسلہ ست پڑا سے اقصائے جنوب تک سارے ہندوستان کو عالمگیر فسادات سے۔ جس نے ہمارے اضلاع شمالی کو پریشان کر رکھا تھا، پاک و مامون رکھنے کے لئے بہت کچھ مدد کی۔ جنگ عظیم میں جواب ختم ہو چکی ہے (جس سے مجھ کو مسرت ہوئی ہے) موجودہ نیک نام حکمراں کی زیر حکومت حیدر آباد نے ایسی اخلاقی اور مادی امداد دی ہے جس سے بلا شبہ یہ پایا جاتا ہے کہ یوراگزالٹڈ ہائینس نے وفادار دوست سلطنت برطانیہ کے القاب کے مفہوم کو جسے حال ہی میں حضور ملک معظم نے باضابطہ طور پر تسلیم فرمایا ہے، بڑی ثابت قدمی کے ساتھ صحیح طور پر عملی جامہ پہنایا ہے۔ میرے دائرۂ تقریر میں غالباً یہ

ناممکن ہوگا کہ جو امداد یور اگزالٹڈ ہائنس نے دی ہے اُن سب کا اعادہ یہاں کرسکوں
میں صرف مشہور مشہور واقعات کا ذکر کرونگا۔ سب سے اوّل تو یہ کہ امپریل سروس لانسرز
اور بسویں دکن ہارس کو آغاز جنگ سے اس کے ختم تک تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے ذاتی
صرف سے میدانِ جنگ میں موجود اور تیار رکھا گیا۔

" امپیریل سروس لانسرز کے قابل تعریف کارنامے یور اگزالٹڈ ہائنس کے لیے
باعث فخر ہیں۔ دکن ہارس کے متعلق میں صرف یہ کہونگا کہ بلحاظ اس کی خدمات جنگیہ
کے ہز مجسٹی ملک معظم نے سال گزشتہ اس کے نام کے ساتھ "رائل" کا لقب ایزاد فرمادیا
اس فوج کے کرنل ہونے کی حیثیت سے آپ نے اُن کو جدید قسم کی تلواریں اور افسروں کو
گھوڑے دے کر اپنی دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے، مالی امداد غیر محدود طور پر دی ہے منجملہ
دیگر رقومات کے میں ان چیزوں کا ذکر کرونگا۔ ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ بطور قرضۂ جنگ
اور دو لاکھ پونڈ آبدوز لڑائی اور بم رسائی ٹینک و ہوائی جہاز، وغیرہ میں آپ نے دیئے
۲۵ ہزار پونڈ سلور ویڈنگ فنڈ میں برائے امدادِ پس ماندگان ذاکارگان، ۲½ لاکھ روپے
امپیریل انڈیا ریلیف فنڈ کے لیے اور ایک لاکھ میرے اپنے فنڈ میں آپ نے اور
عنایت کیے۔ کسی معاملے میں بھی خفیف سے خفیف تعلق ہم سے کیوں نہ ہوا ور
خواہ کوئی ضرورت ہو، مثلاً سروین ریلیف فنڈ، بلجین ریلیف فنڈ، یا جنگ کے آفت
زدہ افسروں کا امدادی فنڈ ہو، یور اگزالٹڈ ہائنس سے جو اپیل کیا گیا وہ کبھی خالی نہیں
گیا۔

اُن سپاہیوں کو جو جنگ میں شریک ہو کر اپاہج ہوگئے تھے اور اُن لوگوں کے
پس ماندگان کو جو جنگ میں کام آئے تھے، یور اگزالٹڈ ہائنس نے بطور یادگار صلح ایک
قطعہ اراضی عطا فرمایا اور اُن کو وہاں آباد کر کے اس مقام کا نام صلح نگر رکھا۔

" علاوہ ازیں اور معاملات میں بھی یور اگزالٹڈ ہائنس نے ہمارے ساتھ اپنی

گہری دلچسپی اور کم نہ ہونے والی دوستی کا اظہار فرمایا۔
یور ایگزالٹڈ ہائنس، آپ کو ملک معظم کی جانب سے اعتراف کے طور پر بڑے بڑے امتیازات حاصل ہیں اور وہ معزز القاب جو یور ایگزالٹڈ ہائنس کو عطا ہوئے ہیں جو حیدرآباد کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اُن لاثانی کارناموں اور قابل فخر منزلت کو جو اس ریاست کے حکمران کو حاصل ہے دنیا کے روبرو ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کی مہربانی اور عنایت کا میں بیحد ممنون ہوں اور اب میں حاضرین سے جس ریاست کے کارناموں کا معترف ہوں اُس کے نامور حکمران کی درازی عمر و اقبال کے لئے میرے ساتھ جام صحت پینے میں شریک ہونے کی تحریک کرتا ہوں"

دولتِ آصفیہ عثمانیہ کے شاہزادوں کا رشتہ مناکحت دولتِ عثمانی ترکی سے

اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم کے عہد ترقی کا یہ واقعہ بھی ایک عظمت کا پہلو لئے ہوئے ہے کہ اسوقت تک دولت آصفیہ کے تعلقات صہری اور مناکحت حیدرآباد سے باہر ہندوستان تک بھی وسیع نہ ہوئے تھے مگر عہد عثمانی میں یہ سلسلہ حیدرآباد اور ہندوستان سے باہر نکل کر دنیا کی مشہور و معروف اسلامی حکومت (ترکی) جو صدیوں سے خلافت اسلامیہ کی قائم مقام سمجھی جاتی ہے اور جسکا بادشاہ خلیفۃ المسلمین کہلاتا تھا) سے جا ملا۔ اور ولیعہد دولت آصفیہ اور ان کے برادر عزیز شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے تعلقات صہری خاندان آل عثمان سے قائم ہوگئے۔
اس شادی پر ولایتی اخبارات نے جو تبصرے کئے انکا بھی کسیقدر اقتباس دیدیا جاویگا۔ اعلیحضرت سلطان دکن نے شہزادیوں کے مہر کے متعلق ایک حکیمانہ انتظام ادائیگی اور مستقل آمدنی کا کردیا اور اسلامی طریق پر مہر کو فوراً ادا کردیا۔ یہ تمام امور ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔



هز ہائینس پرنس آف برار ولیعہد بہادر سلطنت آصفیہ

حضرت ولیعہد بہادر کی شادی کا پیغام اور تحریک

مولانا شوکت علی صاحب (جو ان رشتوں میں واسطہ تھے) نے اس حقیقت کو اسطرح بیان کیا ہے۔

یہ رشتہ صرف اعلیحضرت ہز اگزالٹڈ ہائنس حضور نظام کی معاملہ فہمی اور اسلام پرستی کا نتیجہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے جو میرا تعلق حضور خلیفہ سے ہے۔ میرا ذاتی تعلق نہیں بلکہ محبت خلافت اور ہندوستان کے مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اسی بنا پر جب میں گزشتہ سال نیس گیا تھا تو چند گھنٹوں میں ہی مطلب کی سب باتیں ہو گئی تھیں۔ اور اعلیحضرت میرے ہمخیال تھے کہ نوعمر شہزادیوں کی شادی جلد ممالک اسلامی میں کرادی جائیں اور ان کو یورپ کی ہوا سے نکالکر اسلامی ماحول میں رکھا جائے۔ واپسی پر قاہرہ میں شہزادی عفت حسن کے ذریعہ سے جو ملک فواد بادشاہ مصر کی بھتیجی ہیں۔ ترکی شہزادی سے ملاقات ہوئی اور ان کی حالت زار دیکھکر اور حالات سنکر دل تڑپ گیا۔ بعد کو بیروت میں بڑی تعداد میں ترکی خاندانوں کے شہزادوں اور شہزادیوں سے ملا۔ اور سب کو ہمخیال بنا لیا۔

جب حیدر آباد گیا اور اعلیحضرت حضور نظام سے شرف حضوری حاصل ہوا حضور والا نے ایک اسلام کے خادم سے محبت سے گفتگو فرمائی۔ تو میں نے اپنا فرض سمجھا تمام حالات سے اسلام کے اس سچے حامی کو مطلع کر دوں۔ جب ان آل عثمانی شہزادیوں کا تذکرہ آیا تو حضور نظام نے خود دریافت فرمایا کہ حضرت خلیفہ کی شہزادی سے بڑے شاہزادے کا رشتہ ہو جائے تو کیسا؟

"اندھا کیا چاہتا، دو آنکھیں" میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ ۱۲ بجے دن کو رخصت فرمایا۔ دوپہر کو خود اپنے خاصہ میں سے کھانا بھجوایا۔ اور دوبارہ ۳ بجے پھر طلب فرمایا" اور مجھکو ہدایت کی کہ اس رشتہ کے لئے میں پوری کوشش کروں۔ بعد کو تحریراً بھی

ہدایت فرمائی۔ مسٹر محمد مارماڈیوک پکھتال کو بھی ہدایت فرمائی اور وفد حیدرآباد کے صدر سر اکبر حیدری کو بھی۔ جب میں جہاز سے فرانس میں اترا تو سیدھا نیس گیا حضور خلیفہ نے خود اپنے مکان میں ٹھہرایا اور جب میں نے اس معاملہ کا اپنے طریقہ سے مناسب موقع پر تذکرہ کیا تو فرمایا کہ "میں نے کئی شہزادوں کے پیام روکدیئے مگر میں کس طرح ہندوستان کے پیام کو روک سکتا ہوں۔ جبکہ وہاں کے مسلمانوں نے میرے ملک میری قوم اور میرے خاندان کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ اور جبکہ میرا دل جانتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں خالص اسلامی جذبات کسقدر قابل قدر ہیں" اگر دونوں شہزادے اور شہزادیاں اس رشتہ کو منظور کریں اور بخوشی قبول کریں تو میں بہت خوش ہونگا۔ شہزادی دُرِّ شہوار نے جو مجھ سے اپنے عزیزوں اور بڑوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں۔ اور ہمیشہ حیا و شرم اور اسلامی پردے کے ساتھ سامنے آیا کرتی تھیں۔ اپنی تصویر دی تھی۔ جو میں نے اسیوقت مفصل خط کیساتھ اعلیحضرت حضور نظام کو ہندوستان بھیجدی۔ یہ شہزادی پری نہیں بلکہ حور ہے۔ صورت اور سیرت علم اور شرافت ہر چیز موجود ہے۔ اور اسلام کی سچی شیدائی دونوں شہزادے کاٹر میں اتفاق سے موجود تھے۔ جو نیس سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر تھا۔ میں فوراً موٹر میں گیا۔ اور ان دونوں سے ملا۔ بڑے شہزادے نہایت قابل اور نیک اور شریف انسان ہیں۔ ان سے نیس کے حالات بیان کیا اور ان کو وہاں سے دلچسپی دلائی۔ واپس آکر کاٹر کے حالات کو نیس میں بیان کیا اور چونکہ اکتوبر میں باقاعدہ ملنے والے تھے اسلئے دونوں طرف ایک گونہ تعارف ہوگیا بقول شاعر ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کین دولت از گفتار خیزد

جب اکتوبر میں شاہزادے گئے تو خلیفہ نے مجھکو بھی بلایا۔ تو تمام معاملات

طے ہوگئے واپسی سے قبل مجھ سے فرمایش ہوئی کہ چھوٹے شہزادے صاحب کے لئے بھی اسی خاندان میں رشتہ ہوناچاہئے۔ میں نے اسیوقت سے کام شروع کردیا۔ اور ترکی میں اسکو بڑھایا وہاں زاہد علی بھی مل گئے۔ میں خود تو لندن آگیا۔ اور زاہد کو دونوں شہزادوں نے روک لیا۔ اور ایک ہفتہ ہمراہ رکھا۔ اور اس عرصہ میں شہزادی نیلوفر کا رشتہ بھی ہوگیا۔ عمر قریب ۱۸ سال کی ہے۔ نہایت ذہین اور ہوشیار شہزادی ہیں۔ اور حسن کا تو کیا کہنا ہر شخص اس نیک نوعمر شہزادی سے محبت کرتا ہے۔ سر اکبر حیدری اور نواب مہدی یار جنگ کی کوششوں سے تمام مراحل طے ہوگئے اور الحمدللہ ۱۲ر نومبر کو نکاح ہوگیا۔

الحمدللہ ذوالک اب یہ مبارک و محترم قافلہ حیدرآباد جارہا ہے جہاں دل کھولکر شادی کی خوشیاں منائی جائینگی۔

مجھے خوشی ہے کہ خدائے برتر نے ہمارے لئے اس مبارک تقریب کا سامان فرمایا۔"

حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ کا سفر ترکی

یورپ بلاد اسلامیہ اور ہندوستان میں دولت آصفیہ کے شاہزادوں کی شادی تقریب ایک خاص دلچسپی کا مضمون رہی ہے۔ مغرب نے مشرقی شادی کی تقریب اپنے ملک میں کم دیکھی ہے اور خصوصاً ایسی شادی جو شاہی اور سلطانی تقریب ہے۔ اعلیحضرت نظام دکن کی دولت و حشمت اور آپ کے مقام کی رفعت سے یورپ واقف ہے اور سابق سلطان ٹرکی کی شان اور مقام بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس تقریب پر نہیں معلوم کس قسم کی دھوم دھام اور نمائش ہر جگہ ہوگی وہ الف لیلیٰ کی کہانیوں کیطرح ایک حیران کن منظر کا تصور کئے ہوئے تھے۔ مگر انھوں نے دیکھا کہ اسلامی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت سادگی کے ساتھ شہزادگان عالی تبار کی پارٹی نیس کو روانہ ہوئی۔

انھوں نے اس سلسلہ میں مشرق اور اپنے خاندان کی روایات کو بھی ایک

حد تک مد نظر رکھا چنانچہ ان کی روانگی کے منظر کو سان برق نے ہندوستان کو جس طرح آگاہ کیا ہے۔ اسے میں یہاں درج کر دیتا ہوں تاکہ پڑھنے والے تصور کی آنکھ سے اسے دیکھ سکیں۔

اگر وقت مساعدت کرتا تو میں چاہتا تھا کہ ان تمام تقریبوں کی تصاویر بھی درج کر دی جائیں مگر میں قاصر رہا۔ تاہم میرا ارادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو کسی دوسرے موقع پر اسکی تکمیل کر سکوں۔

شہزادگان دولت آصفیہ کی نیس کو روانگی

لندن ۱۰ ارنومبر آج شہزادہ اعظم جاہ ولیعہد دولت آصفیہ جو دنیا بھر کے متمول ترین رئیس کے فرزند ارجمند ہیں۔ حیدرآباد کے شاہی خاندان کی روایات کے مطابق (جن پر شاہی خاندان کے تمام ارکان دوران سفر میں کاربند رہتے ہیں) اپنے بائیں بازو پر فدیہ باندھے "گولڈن ایرو" میں سابق خلیفۃ المسلمین کی نور نظر شہزادی اور در شہوار سے شادی رچانے کی خاطر لندن سے نیس کو روانہ ہوئے۔ شہزادہ والا تبار کے ہمراہ گاڑی میں سے کسانوں کے لئے پھینکنے اور ریلوے اسٹیشنوں پر غربا میں تقسیم کرنے کے لئے خاصی تعداد میں زر نقد موجود تھا۔ شہزادہ ممدوح ایک معمولی کمپارٹمنٹ میں اپنے برادر اصغر دو انگیریز دوستوں نیز عملہ کے دو اشخاص کے ہمراہ سوار تھے۔ ایک ولایتی گلاب کا پھول آپ کے لباس کی زینت تھا۔ شہزادہ اعظم جاہ سابق سلطان ٹرکی کی اکلوتی بیٹی سے شادی کر رہے ہیں۔ اور شہزادہ معظم جاہ حضور نظام کے دوسرے صاحبزادے کی شادی سابق سلطان کی ایک عزیزہ شہزادی نیلوفر سے ہو رہی ہے۔ شاندار مہمانوں کا ہجوم نیس میں شہزادگان کی آمد کا منتظر ہے۔ شادی کی رسم قصر کرابال میں پنجشنبہ کے روز نہایت سادگی کے ساتھ انجام پذیر ہوگی۔

ورود نیس



پرنس حصرته درشهوار دردانه بیگم صاحبه

دولت آصفیہ کے شہزادگان بلند اقبال بہ حیثیت دولہا جب نیس پہونچے تو سلطان کے نمائندہ نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ ہندوستان کی بہت بڑی جماعت بھی اس موقعہ پر خوش آمدید اور ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھی۔ سب نے اظہار عقیدت و اخلاص کیا اور شادان و فرحاں شاہی دولہاؤں کی پارٹی جائے قیام کو روانہ ہوئی۔ آپ ۱۱ر نومبر کو وہاں پہونچے نکاح کی تقریب ۱۲ر نومبر ۱۹۳۱ء کو ۳ بجے بعد دوپہر عمل میں آنیوالی تھی۔

ہندوستان میں ورود نیس کی خبر شایع ہوگئی۔

تقریب نکاح | ساعت سعید اور وقت مقررہ پر بین الظہر والعصر دولت آصفیہ کے ولیعہد اور آپ کے برادر عزیز شاہزادہ معظم جاہ کا تاریخی نکاح نیس میں ہوگیا۔ نکاح خود سلطان عبدالمجید سابق سلطان ٹرکی نے پڑھا۔ شاہزادیاں عام طریق اسلام کے موافق اس موقعہ پر نکاح کی مجلس میں موجود نہ تھیں۔ اس نے یورپ کے لوگوں کو عجیب و غریب چیز بتایا۔ دونوں شاہزادیوں کا مہر ۲۵ ہزار اور پندرہ ہزار پونڈ علی الترتیب مقرر ہوا۔ یعنے شاہزادی درشہوار کا ۲۵ ہزار اور شاہزادی نیلوفر کا پندرہ ہزار پونڈ یہ مہر اعلیٰحضرت سلطان دکن نے ادا کردیا اور اس کے متعلق ایک خاص فرمان شایع ہوا ہے۔ جسکو میں بعد اسی سلسلہ میں درج کرتا ہوں۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۳۱ء کو نیس سے زبان برق نے اس تقریب کا جو منظر پیش کیا وہ حسب ذیل ہے۔

نیس۔ ۱۲ر نومبر دنیا کے دو سب سے بڑے اسلامی خاندان آج نیس میں متحد ہوگئے۔ جبکہ مغرب کے اس شہر میں مشرق کی باوقار ہستی نظام دکن کے شہزادے ولیعہد بہادر کی شادی اعلیحضرت سابق خلیفۃ المسلمین عبدالمجید خاں آفندی کی سترہ سالہ حسین ترین شہزادی درشہوار سے ہوئی۔

شہزادہ بہادر نے اس وقت تک اپنی دلہن کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ نکاح خوانی

کیو قت بھی موجود نہ تھی۔ ان کی رضا مندی کا اظہار ایک وکیل اور دو شاہدوں نے مجلس میں آن کر کیا۔

سرکاری بیان مظہر ہے کہ شہزادہ اعظم جاہ بہادر کا خطبہ نکاح اعلیحضرت عبد المجید خان آفندی سابق امیر المومنین نے اپنی زبان مبارک سے پڑھا اور ان کے بعد شہزادہ معظم جاہ بہادر کا خطبہ نکاح بھی اعلیٰ حضرت سلطان ہی نے پڑھا۔ (شہزادہ معظم جاہ بہادر کی شادی بھی اعلیحضرت سابق امیر المومنین کی بھتیجی شہزادی نیلوفر سے ہوئی ہے) ہر دو عقدوں کی رسوم حضور نظام عالیمقام کی مجلس منتظمہ کے تین اراکین کے روبرو انجام پائیں۔

نکاح نامہ پر شہزادوں کی طرف سے سر اکبر حیدری نے دستخط کئے اور شہزادیوں کی جانب سے اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین کے بڑے صاحبزادے شہزادہ فاروق نے دستخط ثبت فرمائے۔

۱۲ نومبر شہزادہ اور ولیعہد بہادر کی سالگرہ کا دن بھی ہے اس وجہ سے اس دوسری مبارک رسم کے لئے بھی یہ دن مقرر کیا گیا۔

اس شادی پر ولایتی اخبارات کے تبصرے

اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کی دولتمندی کے تذکرے | ولایتی اخبارات کا مذاق عجیب و غریب ہے وہ اپنے اخبار کے پڑھنے والوں کو سنسنی خیز اور نادر و نایاب خبریں مہیا کرنے کے بڑے شوقین ہیں۔ اس مقصد کے لئے انکی کوششیں اور خبروں کی بہم رسانی کے طریقے بجائے خود ایک دلچسپ کھانی بنجاتی ہے۔ میں نے اس قسم کے نظارہ اپنی آنکھ سے یورپ میں دیکھے ہیں کہ ایک اخبار کا رپورٹر کسی خاص خبر کے حاصل کرنے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلتا ہے۔ ولیعہد بہادر کی شادی پر ولایتی اخبارات میں جو مضامین نکلے شایع ہوئے ہیں ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ میں نمونہ



حضرت والاشان نواب معظم جاه بہادر

طور پر ڈیلی ٹیلیگراف اور ڈیلی اکسپرس کے اقتباسات درج کرتا ہوں۔ جو مصری اخبار البلاغ سے لیکر ہند نے شایع کیئے ہیں۔ امید ہے حاضرین اسے دلچسپی سے پڑہیں گے۔

(زعفرانی)

لندن کا اخبار ڈیلی ٹیلیگراف راوی ہے کہ اعلیحضرت نظام حیدرآباد اتبک سلطان ترکی عبدالمجید خاں کو ماہوار تین سو پونڈ وظیفہ دیا کرتے تھے مگر اپنے ولیعہد کی سابق سلطان کی صاحبزادی سے شادی کے بعد نظام نے یہ وظیفہ بڑہا کر ایکہزار پونڈ کر دیا ہے۔

نظام حیدرآباد کی دولتمندی

نظام حیدرآباد ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست کے مالک ہیں تمام دنیا میں اپنی دولتمندی کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ ان کی دولت کی نسبت عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اب گنتی و شمار سے باہر ہو چکی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ روئے زمین پر ان سے زیادہ مالدار کوئی بادشاہ یا حکمراں نہیں ہے۔ انکے ولیعہد کی عمر ۲۴ برس کی ہے ایک دن وہ حیدرآباد کے نظام بنیں گے۔ اور اس تمام دولت و ثروت کے مالک ہوں گے۔

در شہوار خانم

ولیعہد کی دلہن در شہوار خانم بنت عبدالمجید آفندی کی عمر ۲۲ سال ہے وہ بہت سی زبانوں کی عالم ہیں۔ موسیقی میں کمال رکھتی ہیں۔ تصویر و نقاشی میں نہایت ماہر ہیں۔ فنون جمیلہ کی طرف یہ رغبت انہیں اپنے جلیل القدر والد سے وراثتاً ملی ہے۔ عبدالمجید آفندی تصویر و نقاشی و موسیقی میں دنیا کے ایک مسلم استاد تسلیم کیئے جاتے ہیں جب وہ تخت قسطنطنیہ کے مالک تھے تو اسوقت بھی فرصت کے اوقات ان ایوان میں گزارا کرتے تھے جو فنون جمیلہ کے آلات و سامان سے آراستہ تھا۔ کبھی پیانو بجاتے تھے اور کبھی تصویریں بناتے تھے قسطنطنیہ سے جلاوطنی کے وقت وہ اپنے ساتھ دستی تصاویر کا

ایک ایسا مجسمہ یورپ لیگئے ہیں جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

شاہزادی درشہوار اب تک قدیم عثمانی روایات کی پابند ہیں۔ یوروپین تہذیب کی بے حیائیاں اور عریانیاں ان کے محل سے کوسوں دور ہیں۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتی ہیں۔ اور بیجا آراستگی و نمائش سے متنفر ہیں۔

ڈیلی اکسپریس کا تبصرہ

لنڈن کے اخبار ڈیلی اکسپریس نے ولیعہد حیدرآباد کی شادی پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے۔ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے یہ شادی تمام دنیائے اسلام پر گہرا اثر ڈالیگی مشرق و مغرب میں کروڑوں مسلمان اسے حد درجہ اہمیت کی نظر سے دیکھینگے۔ کیونکہ عبدالمجید خان آفندی چند سال پہلے تک تمام دنیا کے مسلمانوں کے خلیفہ و امیرالمومنین تھے

نظام حیدرآباد کی دولت

نظام حیدرآباد کی دولت مندی کا ذکر اوپر گزر چکا ہے لیکن قارئین دلچسپی سے معلوم کریں گے کہ فرانسیسی اخباروں کے خیال میں نظام کی دولت ایک سو ملین یعنی دس کروڑ پونڈ ہے اور اگر پونڈ کی موجودہ قیمت ۱۳ روپے فرض کی جائے تو نظام حیدرآباد کی دولت ایک ارب تیس کروڑ روپیہ قرار پاتی ہے۔ ایک فرانسیسی اخبار نے لکھا ہے کہ ہمارے نامہ نگار نے نظام سے شرف ملاقات حاصل کر کے سوال کیا۔
(نامہ نگار) کیا یہ سچ ہے کہ اعلیٰحضرت کی دولت ایک سو ملین پونڈ ہے۔ (نظام) اگر سچ پوچھو تو خود مجھے بھی اپنی دولت کا اندازہ نہیں۔ ممکن ہے سو ملین پونڈ ہو۔ ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔ ممکن ہے کم ہو۔ میں یقین سے کچھ بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ مجھے صحیح اندازہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا کوئی عہدہ دار بھی میری دولت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔

ہندوستان میں اس خبر کو کس طرح دیکھا گیا

ہندوستان میں جب یہ خبر پہونچی تو مختلف نقطہ نظر سے اسکو دیکھا گیا سلطنت آصفیہ



حضرتہ نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ

کے بغیر طلب اسے اعلیٰحضرت کے عہد ہمایونی کی بہت بڑی برکت یقین کرتے تھے اور اسے بہترین فال سمجھتے تھے مگر بعض لوگ جو سیاسی خیالات کے نشیب وفراز پر غور کرنے کے عادی ہیں اسے خلافت اسلامیہ کے خاندان عثمانی میں منتقل ہونیکا پیش خیمہ قرار دیتے تھے بہرحال اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی ہندوستان میں یہ خبر نہایت مسرت اور خوشی کیساتھ سنی گئی اور حیدرآباد نے تو بہت بڑے پیمانہ پر اس جشن عروسی کے منانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اعلیٰحضرت کے تدبر وفرزانگی اور رعایا کی بہبودی اور خیرخواہی کے جذبہ نے اس جشن کو دائمی یادگار بنادیا۔

سلطانِ دکن کا فرمانِ مبارک ادائے مہر

حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ بہادر کی تقریب شادی پر اعلیٰحضرت سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے جو فرمان شاہی شایع ہوا ہے۔ وہ ایک تاریخی اور اہم دستاویز ہے۔ یہ شادی شریعت اسلامیہ کے احترام کو مدنظر رکھکر نہایت سادگی اور اسلامی شان سے ہوئی ہے۔ اعلیٰحضرت نے مہر کی رقم کو ادا کرکے اس کے متعلق ایک مستقل انتظام ٹرسٹ کا فرمادیا۔ یہ اعلیٰحضرت کے اقتصادی تدبر کی ایک شاندار مثال ہے۔ اس تقریب مبارک پر یکم رجب ۱۳۵۰ھ کو حضور کا حسب ذیل فرمان شایع ہوا ہے۔

بفضلہ تعالیٰ آج کا دن یعنی یکم رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء خاندان آصفی ہی کیلئے نہایت مبارک ومسعود ہے۔ کہ رشتہ اتحاد ویگانگت درمیان ہر دو خاندان یعنی خاندانِ آصفی وخاندانِ عثمانی بہ توسط عقد مستحکم ہوچکا ہے۔ یعنی ولیعہد ریاست حیدرآباد اعظم جاہ کے حبالۂ نکاح میں سابق سلطان ترکی عبدالمجید خان کی اکلوتی صاحبزادی "درشہوار" منسلک ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح ولیعہد ریاست کے

حقیقی برادر معظم جاہ کے حبالہ نکاح میں خلیفہ موصوف کی حقیقی بھانجی صاحبزادی "نیلوفر" منسلک ہوئی ہیں۔

اول الذکر کا زرمہر ۲۵ ہزار پونڈ اور موخر الذکر کا زرمہر پندرہ ہزار پونڈ قرار پایا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ یہ چالیس ہزار پونڈ کی رقم بہ توسط ٹرسٹ کی جائے تاکہ اس کے منافعہ سے ہر دو صاحبزادیاں متمتع ہوتی رہیں اس کے سوا منجانب اسٹیٹ حیدرآباد ہر دو عروس کی تیاری کے لئے مبلغ (...... پونڈ) بطور عطیہ دیئے گئے۔ اسحاصل بمقام نیس (جنوبی حصہ فرانس) خود خلیفہ نے بہ حیثیت قاضی بہ نفس نفیس روبروئے عہدہ داران سرکاری عقد پڑھا۔

اس انتظام بالا سے گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی اتفاق کیا۔ آخر میں میری دعا ہے کہ زمانہ آئندہ میں اس تاریخی واقعہ سے ہر دو خاندان کے لئے سب کچھ فلاح و بہبود کی جو توقع ہے وہ ضرور کامیاب ہوگی جس کے آثار ابھی سے نمایاں ہیں۔ مگر چونکہ صاحبزادگان بلند اقبال کے عقد کی تاریخ حسن اتفاق سے میری سالگرہ کے دن واقع ہوئی ہے جس دن کہ عام تعطیل ہے۔

لہٰذا اس تقریب کی یادگار میں سال آئندہ سے ہر سال ۱۲ نومبر کو ایک دن کی عام تعطیل ممالک محروسہ میں قرار دی جائے اور یہ جریدہ غیر معمولی میں بغرض اطلاع عام شایع کیا جائے۔

شہ دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی
یکم رجب المرجب ۱۳۵۰ھ روز پنجشنبہ

باب حکومت کا قیام

عہد عثمانی کی گزشتہ پچیس سالہ تاریخ میں نظم و نسق حکومت کے سلسلہ میں

باب حکومت کا قیام

ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ میں نے حیات عثمانی میں مختلف مقامات پر اس امر کا ذکر کیا ہے کہ آصف جاہ ہفتم نے اپنے عہد حکومت کا پروگرام زمانہ ولیعہدی ہی میں تجویز کر لیا تھا۔ دولت آصفیہ اپنی انتظامی صورت میں ارتقائی مدارج طے کرتی ہوئی آرہی تھی اور حضرت آصفجاہ ششم کے عہد تک مختلف صیغوں اور شعبوں کے انتظام میں ضروری تبدیلیاں ہو چکی تھیں لیکن یہ امر ابھی تک قابل اصلاح تھا کہ انتظام حکومت کی باگ

صرف وزیر اعظم کے ہاتھ میں تھی

اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے اس طرز حکومت کے نقائص پر نظر کر کے اس میں تبدیلی کا عزم مصمم کر لیا اور بالآخر ۲۱ نومبر ۱۹۱۹ء کو آپ نے حکومت کے اس دور جدید کو

باب حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا

نظم و نسق کی اس تبدیلی سے آپ نے دولت آصفیہ کو شاہ راہ ترقی پر ڈالدیا اور رعایا کے لئے حصول انصاف کے لئے پوری آزادی اور آسانی کا سامان مہیا کر دیا۔ اور گزشتہ سولہ سال کے واقعات اور حالات نے بتا دیا ہے کہ اس جدید طریق حکومت نے ملک میں خوشحالی اور ترقی کی ایک لہر پیدا کر دی ہے۔ باب حکومت اور اس کے متعلق ضروری تفصیلات میں برکات عثمانی میں کروں گا۔ یہاں صرف تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ایک اہم واقعہ کی حیثیت سے میں نے اسکا ذکر کر دیا ہے۔ افتتاح باب حکومت کی تقریب پر جو نطق عثمانی جریدہ کی صورت میں شایع ہوا اس کو میں یہاں درج کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

دربار افتتاح باب حکومت

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ ہ

آج کا دربار ایک ایسے امر کو نمایان کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا ہے جو اس مملکت کی تاریخ میں نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے۔ سب کو معلوم ہوگا کہ اس مملکت کا قدیم طرز حکومت ذاتی حکمرانی رہا ہے۔ جس میں انصرام کار بذریعہ دیوان ہوتا رہا ہے۔ اور یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ باستثنا چند قابل قدر افراد کے وزراء سلف نے کن کن طریقون سے اپنے آقا کی حکومت میں ضعف پیدا کرنے کی تدابیر پیش نظر رکھیں گو رعایا اور ملازم کی حیثیت سے وفاشعاری اون کا عین فرض تھا۔ دفاتر سرکاری میں وافر مواد موجود ہے جو حدود اختیار سے تجاوز کر کے باہمی تعلقات میں بدمزگی۔ خوبی انتظام میں خلل۔ اور فلاح عامہ میں نقصان پیدا کرنے کی شہادت دیتا ہے۔

حکومت کی ہوس نے خواہ وہ حکومت کیسی ہی ناجائز یا خلاف ضابطہ کیون نہ ہو لازمی طور سے تدبیر و اصلاح کے سرچشمون کو خشک کر دیا۔ یکے بعد دیگرے متعدد وزراء کے طرز عمل نے اون نقائص کو اور بھی واضح کر دیا جو اس طریقۂ حکومت میں موجود تھے میرے والد مرحوم حضرت غفران مکان نے سالار جنگ اول کی وفات کے بعد اُن کے مرتبہ نظم حکومت کی کافی آزمائش کر کے اون نقائص کو محسوس فرمایا جو اس میں موجود تھے اور ۱۸۹۲ء میں "قانونچہ مبارک" نافذ فرمایا۔ جس میں مدار المہام اور معین المہامون کے اختیارات و فرائض کے حدود معین کئے گئے۔ اس کے بعد اور ایک دفعہ اصلاح انتظام کی طرف انکی توجہ مبذول ہوئی اور قواعد "قانونچہ" کی اشاعت عمل میں آئی۔

جبکہ خود ما بدولت نے اپنی تخت نشینی کے بعد ہی مسائل انتظام مملکت کا نظر غائر سے ملاحظہ شروع کیا تو یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا کہ موجودہ طریقۂ حکومت کے نقائص کو دور کرنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ اسکی ترکیبی حالت میں اصلاح نہ کی جائے۔ پس کامل غور و فکر کے بعد ما بدولت نے انتظام مملکت کا بار گراں خود برداشت کرنا قبول فرمایا۔ اس پانچ سال کے مدت دراز تک انصرام کار کی سعی بلیغ کے ساتھ ساتھ اپنی عزیز رعایا کے فلاح و بہبود

کے ذرائع کا قیام و استحکام ما بدولت کا مطمح نظر رہا ہے کیونکہ انکی ترقی خوشحالی اور فارغ البالی میں ما بدولت کی شفقت امیز دلچسپی لازوال ہے۔

اس وقت تک کے خاص ذاتی تجربہ نے ما بدولت پر ظاہر کر دیا کہ موجودہ انتظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ انقلاب زمانہ زمانۂ حال کی زندگی کے پیچیدہ مسائل مشرقی اقوام کے جدید سیاسی احساس اور خود اس ملک کے اندرونی و بیرونی تعلقات کے نازک مسائل نے ذاتی حکومت کے بار کو اس قدر گران کر دیا ہے کہ اس سے ایک حد تک سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے فوری تدبیر کی ضرورت ہے۔

چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کی ناکافی اس کو غیر مفید ثابت کر چکی تھی۔ لہذا ما بدولت نے غور و خوض کے بعد تنظیم جدید کا مصمم ارادہ کیا۔ تاکہ اس سے انتظام ریاست کی کافی اصلاح اور اس قوت کے قیام کا جس پر ترقی منحصر ہے تیقن ہو جائے۔

اور ممالک کے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ جو حکومت کونسل کے ذریعہ عمل میں آئے اس کو کئی وجوہ سے ایسی حکومت پر ترجیح ہے جو کسی ایک عہدہ دار کے ہاتھ میں رہے۔ خواہ وہ کیسا ہی لائق و سربرآوردہ کیوں نہ ہو۔ پس ما بدولت کی دلی خواہش یہ ہے کہ اپنی رعایا کو اس مرجح طرز حکومت کے فوائد سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ نظر بر آن ما بدولت نے بذریعہ فرمان امروزہ ایک "اگزیکٹیو کونسل" (یعنی باب حکومت) قائم فرمایا ہے جو ایک صدر اعظم۔ سات ارکان معمولی۔ اور ایک رکن اختصاصی (جن سے کوئی صیغہ متعلق نہ ہوگا) سے مرکب ہوگی۔

کافی غور کے ساتھ صدر اعظم اور ارکان باب حکومت کے اختیارات کے متعلق قواعد منضبط اور اون کے مجموعی اور انفرادی ذمہ داریوں کے حدود معین کئے گئے ہیں۔ انتخاب ارکان میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اور ایسے اشخاص مقرر کئے گئے

ہیں جن کا تجربہ اور قابلیت مسلم ہے۔ صدر اعظم سر علی امام ہیں جو تعارف کے محتاج نہیں کیونکہ برٹش انڈیا میں اون کے کارنامے سب پر روشن ہیں۔

ایسی کونسل کے قیام سے ہر شعبۂ نظم مملکت کو تقویت ہوگی۔ اور ان مسائل کے حل کرنے میں جو اس ملک کے وسیع اور اہم اغراض سے متعلق ہیں (اور جنکا خاص ما بدولت کے حکم سے تصفیہ ہوگا) کونسل کے مشورے سے بیش بہا مدد مل سکیگی۔ اس کے اجتماعی عمل سے انتظام میں یکجہتی اور اس سے ایسے نتائج پیدا ہوں گے جو رعایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گے۔

اشاعت تعلیم۔ ذرائع معیشت کی ترقی تجارت و صنعت و حرفت کی ترغیب حفظان صحت کے جدید اصول پیدا کرنے کی تدابیر۔ ذرائع آمد و رفت کا قیام اور ان کی توسیع۔ اور ایسے ہی بہت سارے مسائل ابھی تصفیہ طلب ہیں۔ ان امور میں جو اندرونی اصلاحات سے متعلق ہیں کونسل کی کارگزاری اوسی طرح قابل قدر ثابت ہوگی جس طرح امور سیاسی میں ما بدولت اور سرکار عظمت مدار کے تعلقات کے لحاظ سے مفید ہو سکتی ہے۔ یہ تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ہیں۔ کیا زمانۂ سلف میں کیا آج۔ اقلیم ہند میں آغاز حکومت برطانیہ سے تا این وقت اس خاندان کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا سلسلہ برابر قائم رہا ہے۔ ایک سے زیادہ معرکوں میں سلطنت برطانیہ کی حرمت و وقار کے لئے شمشیر آصفجاہی نیام سے نکل چکی ہے۔ حال کی جنگ عظیم میں جس سے ابھی سلطنت برطانیہ فتحمندی کے ساتھ فارغ ہوئی ہے جو کچھ امداد ما بدولت کی جانب سے کیگئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ان خاص حالات میں باب حکومت کو والیئ ملک برار کے اہم مسئلہ پر غور کرنے کا ایسا نادر موقع ہمدست ہوگا جس کا مستقبل نہایت خوش آئند ہے۔ ما بدولت کے مملکت کے اس جزو لاینفک کا دعویٰ انصاف اصلی پر مبنی ہے اور اگر

اس کی تنقیح بلاطرف داری کیجائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعویٰ قابل تسلیم نہ قرار پائے۔ پس اس اہم مسئلہ کی نسبت کونسل کے مشورہ کا ما بدولت کو خاص دلچسپی کے ساتھ انتظار رہیگا۔ ما بدولت اپنے تمام امراء، عہدہ داراں، اور عزیز رعایا کو اس جدید انتظام کی طرف متوجہ و مائل کرا کے متوقع ہیں کہ وہ سب اپنی ارادت و عقیدت سے اسکو کامیاب بنانے میں ہمیشہ ساعی رہیں گے۔ کیونکہ کوئی انتظام حکومت کامیاب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے عمل کی پابندی حزم و احتیاط کے ساتھ نہ کیجائے۔ اس اشارہ کیساتھ ما بدولت کی دلی خواہش ہے کہ صدر اعظم اور ارکان باب حکومت اپنے اہم فرائض کی انجام دہی میں سرگرم و کامیاب ہوں۔

جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات کی علیحدگی

نظم و نسق کے سلسلہ میں باب حکومت کے قیام نے شخصی حکومت کا من وجہ خاتمہ کر دیا۔ اب شخصیت کا مرکز صرف اعلیحضرت کی اپنی ذات رہ گئی۔ اور آپ بھی علی العموم اپنی کونسل کی کثرت رائے کے فیصلوں سے اتفاق کرتے ہیں۔ عدالتی اصلاح و ترقی کے معاملہ میں اعلیحضرت نے ایک ایسا اقدام کیا جسپر ابھی تک بہت سے متمدن و مہذب ممالک نے بھی عمل نہیں کیا اور برٹش انڈیا میں بھی اسپر عمل نہیں وہ

عدالتی اختیارات کو عاملانہ اختیارات سے الگ کرنا ہے

عدالتی اور عاملانہ اختیارت کا ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہونا بہت سی خرابیوں کا موجب اور حصول انصاف میں روک ہو سکتا ہے۔ اعلیحضرت نے ان نقائص کا گہرا مطالعہ کیا اور انصاف کو آزاد اور اس کے مقام کو بلند کرنے کے لئے آپ نے ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۲۱ء کو ایک فرمان کے ذریعہ

عدالتی اور مالی مقدمات کیلئے جداگانہ محکمے قرار دیئے

عہد عثمانی کا یہ بھی ایک بے نظیر کارنامہ ہے دولت آصفیہ کی تاریخ عدالت میں یہ ایک نیا اور زرین باب ہے۔ ہائیکورٹ کی تنظیم اور اسکے معیار انصاف کی عظمت کا پتہ اس منشور خسروی سے ملتا ہے جو اس بارہ میں نافذ ہوا۔ اس فرمان خسروی کی رُو سے اختیارات شاہی ججون کے سپرد ہو چکے ہیں۔ جو اعلیحضرت کے شاہانہ اقتدار کے ایثار کی دلیل ہے۔ اس منشور کے ذریعہ اس امر کی تصدیق و توثیق ہوگئی کہ عدالت العالیہ ملک میں سب سے بڑی عدالت ہے جسکے اختیارات کا اصل منبع پادشاہ ہے اور اس کے ارکین بہ حیثیت نائبین پادشاہ فیصلے صادر کرتے ہیں۔ جن میں بجز حضرت اقدس و اعلیٰ کے کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا۔ اس منشور خسروی کے عطا کرنے کے لئے یکم مارچ ۱۹۲۷ء کو باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں دربار عثمانی منعقد ہوا اور اس دربار میں میر مجلس عدالت العالیہ نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس کے آخری جملے یہ تھے۔

"اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمکو توفیق عطا فرمائے کہ اس ریاست ابد مدت کے ہر گوشہ اور کونہ کو ہم مشعل انصاف سے منور کردیں اور انصاف رسانی کے مقدس فرائض احکام الٰہی کے مطابق بلا خوف و خطر و رو و رعایت اور بلا لحاظ مذہب و ملت حضرت اقدس و اعلیٰ کے زیر سایہ ہما پایہ بجالائیں یہ ہمارے وہ فرائض ہیں جن کی ادائی کا بہ تعمیل ارشاد ہمایونی مندرجہ منشور خسروی (جو ایک کروڑ سے زاید رعایاء کی فلاح و بہبود کے لئے عطا کیا جا رہا ہے) آج ہم نے حلف اٹھایا ہے۔"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے میر مجلس عدالت العالیہ کو منشور خسروی اپنے دستخط مبارک سے

مزین فرماکر عنایت فرمایا اور مہر عدالت جو ایک بیش قیمت پتھر پر کندہ ہے مرحمت فرمائی۔

عدالتی انتظامات اور اصلاحات کی ایک مختصر مگر نہایت جامع تاریخ اسی جوبلی مبارک کی تقریب کے لئے عدالت العالیہ کے چیف جسٹس نے نہایت قابلیت سے لکھی ہے میں تفصیل سے ان امور کا تذکرہ برکات عثمانی میں جو اس مقصد کے لئے مخصوص ہے کرونگا۔ مگر ایک امر کے بیان کرنے سے میں نہیں رک سکتا چیف جسٹس صاحب نے اپنے اٹھارہ سالہ عہد ملازمت کے تجربہ کو پیش نظر رکھکر بیان کیا ہے کہ

آزادی عمل کی جو روح ذات ہمایونی نے عدالتوں میں پھونکی ہے وہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ عدالتوں کی آزادگی لکھو کہا انسانوں کے حقوق کی محافظ ہوتی ہے اگر مجھے کوئی ایسی حکومت دکھلادے جسکے عدالتوں کو آزادی رائے حاصل ہے تو میں تیقن کے ساتھ یہ فتویٰ دیسکتا ہوں کہ اس حکومت کی عمر بھی بڑی ہے۔ عدالتوں پر رعیت کا اعتماد ہونا ملک و مالک کے درمیان رابطہ واتحاد کی ایک زبردست کڑی ہوا کرتی ہے اور یہ اعتماد اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جبتک کہ عدالتوں کو ان لوگوں کے حقوق کے متعلق جو حصول انصاف کیلئے انکے سامنے حاضر ہوں بغیر رو و رعایت اظہار رائے کرنے میں پوری پوری آزادی نہ عطا کردیجائے۔ مجھے اپنے تمام زمانہ کارگزاری میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں حضرت اقدس و اعلیٰ نے عدالتوں کی اس آزادی کو کم کرنے کی کبھی کوشش فرمائی ہو۔ حضور پرنور نے چشمہ انصاف کی روانی میں کبھی رکاوٹ نہیں پیدا کی۔ ہاں سیاسی نوعیت کے یا خاص خاص اہمیت کے مقدمات میں جیسا کہ ہر گورنمنٹ میں ہوا کرتا ہے۔ بعض اوقات خاص اراکین کے کمیشن مقرر فرمائے گئے جن میں سے بعض میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا مگر ہاں

بھی اظہار رائے کی پوری آزادی تھی۔ آزادی رائے کی نہ صرف ہمیشہ اجازت دیگئی بلکہ اس کی قدر فرمائی گئی۔ بعض مقدمے پائیگاہات اور صرفخاص مبارک وغیرہ کے ایک دوسرے کے مقابل تھے مگر ان میں بھی حضرت اقدس واعلیٰ نے کبھی اپنے اثرات کو کسی کے خلاف استعمال نہیں فرمایا اور اپنے شاہانہ وقار کو قایم رکھتے ہوئے ہمیشہ اپنے آپ کو ان خیالات سے بالاتر رکھا۔ عدل گستری کیجانب یہی طریقہ عمل تھا جس نے اعلیحضرت کو اپنی رعایا کے دلوں میں اسقدر ہر دلعزیز بنادیا ہے۔

حاصل کلام مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ گذشتہ پچیس ۲۵ برس میں صیغہ عدالت نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ سب حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی کی توجہات بیکران کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لاکھوں جانوں کی فلاح وبہبود کی خاطر جو آپ کی امانت وحفاظت میں سپرد کیگئی ہیں حضور پرنور کے عمر واقبال میں ترقی عطا فرماوے۔ سالہائے دراز تک آپ کو حکمران رکھے اور آپکا نام نامی واسم گرامی ایک زبردست مصلح ملک ودولت وحامی نصفت ومعدلت کی حیثیت سے ابدالآباد تک صفحہ روزگار پر درخشاں رہے۔ آمین

حیدرآباد دکن
دسمبر ۱۹۳۵ء

مرزا یار جنگ سمیع اللہ بیگ
چیف جسٹس

استرداد برار کا مسئلہ

آصف جاہ ہفتم کے پچیس ۲۵ سالہ عہد حکومت کے واقعات میں استرداد برار کا مسئلہ بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ میں اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اس مسئلہ پہ شرح وبسط سے بحث نہیں کرونگا بلکہ صرف واقعات کے

سلسلہ میں مختصراً ذکر کرونگا۔ برار کا صوبہ جو وسط ہند کا نہایت ہی زرخیز حصہ ہے دولتِ آصفیہ کا ایک جزو تھا لیکن ۱۸۵۳ء میں ادائے قرض کی غرض سے انتظاماً حکومت ہند کے سپرد کر دیا گیا ۱۹۰۲ء تک رزیڈنٹ حیدرآباد ہی چیف کمشنر صوبہ برار کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ مگر اس زمانہ میں لارڈ کرزن نے ایک معاہدہ کے ذریعہ سے جو اعلیحضرت مرحوم نے کرایا اس کا الحاق حکومت ہند کے صوبہ متوسط سے کر لیا گیا اور اسطرح گویا

برار بظاہر دولتِ آصفیہ سے الگ ہو گیا

اعلیحضرت مرحوم کو بھی اس کا صدمہ تھا اور جوان بخت آصفجاہ ہفتم کو اس کا آغاز حکومت سے ہی بے حد احساس تھا اور کبھی بھی آپ نے اس کو نظر انداز نہیں کیا۔ لیکن ہندوستان کے حالات کچھ ایسے واقعہ ہوئے تھے کہ حرب عظیم کے بعد بھی ہندوستان میں سیاسی ایجی ٹیشن شروع ہو گئی اس لئے اعلیحضرت نے حکومت انگریزی کو برار کے سوال سے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن جب اس طوفان میں سکون کی کیفیت پیدا ہو تو اعلیٰ حضرت نے اپنے

جائز مطالبہ استرداد برار کو پیش کیا

اس مقصد کیلئے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو آپ نے لارڈ ریڈنگ اسوقت کے وائسرائے ہند کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں استرداد برار کے متعلق اپنے دعاوی کی توضیح کی اور ان دعاوی کی تائید میں ایک مفصل یادداشت منسلک کی جو تمام کی تمام تاریخی شہادتوں پر مشتمل تھی۔ اس خط نے ہندوستان سے لیکر انگلستان تک ایک طوفان پیدا کر دیا۔ لیکن اعلیحضرت اپنے دعویٰ پر بڑی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رہے

اور یہ سوال مختلف منازل سے گذرتا رہا۔ گول میز کانفرنس کی تقریب پر حیدرآبادی وفد گیا تب بھی اس مسئلہ پر غیر ضابطہ طور پر گفت و شنود ہوتی رہی۔ اور بالآخر حکومت ہند نے اعلیحضرت کے مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اگرچہ اب تک اسکی تفاصیل معلوم نہیں ہوئی ہیں لیکن اعلیحضرت سلطان دکن کے حقوق کی تلافی کی بعض صورتیں تجویز ہو گئیں اور یہ

اعلیحضرت کی ایک بے نظیر کامیابی ہے

اسلئے کہ جس سوال کو حکومت ہند چھیڑنا بھی نہیں چاہتی تھی اور اسے ایک طے شدہ امر سمجھتی تھی بالآخر وہ اسپر غور کرنے کیلئے مجبور ہو گئی۔ چنانچہ جب نومبر ۱۹۳۳ء میں لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند حیدرآباد تشریف لائے تو انہوں نے اپنی تقریر میں

برار کے متعلق اطمینان بخش اعلان فرمایا

اور اس بنا پر اعلیحضرت نے یکم دسمبر ۱۹۳۳ء مطابق ۲۷ر دے ۱۳۴۳ف م ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو مندرجہ ذیل فرمان شایع فرمایا۔

"ہز اکسیلنسی وائسرائے بہادر میری ریاست سے روانہ ہوجانے کے قبل اور باعتراف اس اعلان کے جو انھوں نے اسٹیٹ بنکوٹ کے موقع پر فرمایا ہے میں ان جدید انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو سرکار عظمت مدار کیساتھ حالیہ گفت و شنید کے نتیجے کے طور پر ہندوستان میں وفاقی دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کے آئندہ نظم و نسق کی نسبت عمل میں آئیں گے۔ میری رعایا کو ان تدابیر کے تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہیگا جنکی مدد سے میرے ملک برار کا نظم و نسق اس خطۂ ملک ممالک معظم کے ساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے بہ شکل ایک صوبۂ واحد کے ہوگا جس کا نام ممالک متوسط و برار رہیگا اور برار پر میری سلطنت عملاً اسطرح متحقق ہوگی کہ اسمیں شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہیگی۔ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا دستوری نشوونما بزودی ممکنہ اعلان مذکور کی اجازت دیگا تاکہ ابواب طے شدہ سے مجھے جو اطمینان حاصل ہوا ہے اس میں میری رعایا بھی شریک ہو سکے۔"

اعلیحضرت کے عزم و استقلال اور اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے کامل جرأت کا جو نتیجہ ظہور پزیر ہوا ہے اگرچہ دولت آصفیہ کا مطالبہ اس سے بہت بڑھکر ہے تاہم یہ کامیابی بھی ایک

عدیم النظیر کامیابی ہے

جو عہد عثمانی کی پچیس سالہ عہد حکومت کی یادگار ہے چنانچہ جدید معاہدہ برار کے رو سے جو ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ کے جریدہ غیر معمولی میں شائع ہوا ہے برار پر اعلیٰ حضرت سلطان دکن کی سیادت و سلطنت کا عملی اعتراف کرلیا گیا ہے اگرچہ چاہیئے تو یہ تھا کہ برار بغیر کسی شرط کے سلطان دکن کے حوالہ کردیا جاتا تاہم جو کچھ ہوا ہے وہ گونہ تلافی کی ایک صورت ہے اس معاہدہ کی تفصیلات اور اس خصوص میں ملک معظم اور سلطان دکن کے مراسلات برکات عثمانی میں تفصیل سے درج ہوں گے، اس معاہدہ کے پیش نظر آیندہ ولی عہد دولت آصفیہ ہزہائینس پرنس آف برار کہلائیں گے اور سلطان دکن نظام حیدرآباد و برار اس حد تک جو کامیابی ہوئی ہے یہ

سلطان دکن کے اقبال کا ایک کرشمہ ہے

تعلیمی ترقیات اور عثمانیہ یونیورسٹی

اعلیحضرت سلطان العلوم کے پچیس سالہ عہد حکومت کی ترقیات کا ہر باب اور شعبہ ایک مستقل تالیف کا طالب ہے اور میں اختصار کے ساتھ بھی ان کا تذکرہ نہیں کرسکتا۔ البتہ برکات عثمانی میں کسی قدر تفصیل سے انشاءاللہ بحث کرونگا اعلیٰ حضرت نے اپنی وسیع مملکت کی ترقی و ارتقا کے لئے جس چیز کو سب سے ضروری اور اہم سمجھا وہ

رعایا کی تعلیمی ترقی کا سوال تھا

کچھ شک نہیں ریاست حیدرآباد میں تعلیمی نظام پہلے سے قائم تھا مگر وہ نہایت نامکمل غیر مکتفی اور اپنے افادہ کے لحاظ سے محدود تھا لیکن اعلیحضرت کے ذوق تعلیم نے اسی سلسلہ کو ایک ایسے ضابطہ میں

منسلک کیا کہ اسکی وسعت اور نفع رسانی اتنی عام ہوئی کہ شہری اور قصباتی رعایا سے نکل کر دیہاتی رعایا بھی تعلیمی روشنی سے منور ہونے لگی ۔ لڑکوں کی تعداد میں تقاتا گنے سے زیادہ اضافہ ہوا ۔ مملکت آصفیہ میں کالجوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا ۔ اور ہر قسم کے زنانہ مردانہ سکول ملکی زبان (تلنگی اور مرہٹی) میں ممالک محروسہ میں جاری کردے ان سرکاری سکولوں کے علاوہ ایک بہت بڑی فہرست ان مدارس کی بھی ہے جو سررشتہ تعلیم کے ماتحت لوکل فنڈ سے امداد لیتے ہیں اور بہت سی قومی مدارس بھی ایسے ہیں جنکو سرکاری مدد ملتی ہے ممالک متمدنہ یورپ ۔ امریکہ اور مصر وغیرہ میں حصول تعلیم کے لئے جانے والے طلباء کو مختلف قسم کے وظائف دئے جاتے ہیں اور سب سے بڑا تعلیمی کارنامہ جو عہد عثمانی کی برکات میں بے نظیر حیثیت رکھتا ہے وہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے ۱۹۱۷ء کے آغاز میں سر اکبر حیدری (دی رائٹ انریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے جو اسوقت معتمد تعلیمات سرکار عالی تھے) اعلیحضرت سلطان العلوم کے حضور میں ایک عرضداشت پیش کی جسمیں عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے اغراض و مقاصد اور غیر زبانیں تعلیم کے نقائص خوب وضاحت سے بیان کئے گئے تھے اور اس مطول اور مدلل عرضداشت میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیکر ایک یونیورسٹی کے قیام کیطرف توجہ دلائی گئی چنانچہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ کو جامعہ عثمانیہ کے قیام کا فرمان نافذ ہوا جسمیں اعلیحضرت نے مقاصد جامعہ میں خصوصیت کیساتھ اسی امر کو داخل کیا کہ

اس کا مطمح نظر یہ بھی ہونا چاہیے کہ

طلبا کی اخلاقی تربیت بھی کیجائے اور ان کو تمام سائنٹفک مضامین کا شوق دلایا جائے ۔

جامعہ کی تاسیس کیساتھ ہی اسکی کامیابی اور اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک دارالترجمہ کا محکمہ قائم ہوا ۔ گو ایک زمانہ پہلے سے اسکی داغ بیل پڑ چکی تھی اسکی ارتقائی تاریخ کا یہ محل نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عملی اور مستقل طور پر اسکی تشکیل اور تکمیل عہد ہمایونی عثمانی میں ہوئی جس میں اب تک تین سو سے زاید علمی اور فنی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے ۔ جامعہ کی تاسیس اور دارالترجمہ کے قیام نے

حیدرآباد کو منبع علوم و فنون بنا دیا ہے

اور آصف جاہ ہفتم کے لئے سزاوار ہے کہ وہ سلطان العلوم کہلائے اور اسی لئے جامعہ عثمانیہ کیطرف سے

۱۹۳۲ء میں سلطان العلوم کی ڈگری بندگان عالی کیخدمت میں پیش کی گئی اس قصہ کو ختم کرنے سے پیشتر میں اس نمائش کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو آخر اکٹوبر ۱۹۲۹ء میں دہلی میں انٹر یونیورسٹی کانفرنس کے موقعہ پر جامعہ عثمانیہ شعبہ دارالترجمہ کی طرف سے ترتیب دیگئی تھی اس مقصد کیلئے ایک بڑے شامیانے میں تراجم و تالیفات کی مطبوعات اور مسودات کو ترتیب دیکر رکھا گیا تھا۔ ۳۰ اکٹوبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ ارون (ویسرائے عہد) نے کانفرنس کے افتتاحی ایڈریس کے بعد اس نمائش کا معائنہ کیا۔ اسی موقعہ پر ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں کے نمائندے اور ماہرین تعلیم جمع تھے اور یہ سعادت اور فخر صرف عثمانیہ یونیورسٹی کو حاصل تھا کہ اسنے ایک کثیر التعداد

تالیفات کی نمائش کی

ویسرائے صاحب نے بار بار حیرت اور خوشی کے ملے ہوئے جذبات میں اعتراف کیا کہ

یہ حیرت انگیز کارنامہ ہے

نہ صرف وایسرائے بلکہ تمام ماہرین تعلیم اور نمائندگان یونیورسٹی ہائے مختلفہ نے اس حیرت انگیز تعلیمی معجزہ کو تسلیم کیا اس یونیورسٹی نے نہ صرف طریق تعلیم میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا بلکہ ہندوستان کے سب سے بڑے اسلامی ملک جاگیر اور

اردو کا محسن اعظم ثابت کر دیا

جامعہ عثمانیہ کے فرزندوں کے علمی کارنامے بجائے خود ایک مبسوط تالیف کے داعی ہیں جامعہ میں مختلف قسم کی مجالس اور انجمنوں کا قیام اسی علمی دلچسپی اور قوت عمل کی ارتقائی صورتوں کا ثبوت ہے۔ اور جامعہ کے فارغ التحصیل اپنی مادر تعلیم کی خدمت میں پوری دلچسپی لے رہے ہیں، اور انہوں نے مختلف علمی معرکوں میں

امتیازی مقام حاصل کیا ہے

انہیں بہترین خطیب اور بدیع الاسلوب تحریری مذاق رکھنے والے قلم کے دھنی پیدا ہو رہے ہیں ڈاکٹر محی الدین قادری زور جیسے نوجوان قلم اور زبان پر وقت واحد میں حکومت کرتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے فیوضات کا سلسلہ فرزندان درسگاہ ہی تک محدود نہیں بلکہ اسنے

ایک عام علمی مذاق پیدا کر دیا ہے

اور اسی مذاق کا نتیجہ ہے کہ حیدرآباد کی صحافت نے عہد عثمانی میں شاندار ترقی کی ہے وہ ملک جہاں کی

آب و ہوا صحافت کے موافق نہ تھی اسمیں اب ایسے افراد پیدا ہوگئے ہیں جنہوں نے اپنے صحافت کے معیار ہی کو بلند نہیں کیا بلکہ رعایا میں

اخبار بینی اور اخبار نویسی کا مذاق پیدا کردیا ہے

اور اس بڑھتے ہوئے مذاق نے پریس کی برکت کو عام کردیا ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے عہد عثمانی کے ایک اور حیرت انگیز کارنامے کا ذکر بھی مختصراً کردینا چاہیئے اور وہ

اردو نستعلیق ٹائپ کی ایجاد ہے

میں اردو ٹائپ کی تاریخ بیان نہیں کرونگا۔ ہندوستان سے باہر یورپ اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں ٹائپ کیلئے مختلف اوقات میں کوششوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اپنی ضرورتوں کے موافق اپنی زبانوں کیلئے (عربی۔ فارسی ترکی) ٹائپ اُنہوں نے ایجاد کئے مگر اردو ٹائپ میں ترقی نہ ہو سکی جو ابتدا کسیقدر نستعلیق صورت رکھتا تھا لیکن پھر عربی ٹائپ سے کام لیا جانے لگا اسی میں کسی قدر ترمیم ہوتی لیکن عہد عثمانی میں اس حیرت انگیز کارنامہ کی طرف خصوصیت سے توجہ ہوئی اور اسی مقصد کیلئے صرف زر میں کفایت کے سوال کو مدنظر نہ رکھا گیا اور ہر کوشش کی حوصلہ افزائی کی گئی اسی کوشش کا آغاز درحقیقت مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (جنکے زبان اردو پر بے انتہا احسان ہیں) نے اپنے زمانہ مددگار معتمد تعلیمات میں کیا۔ اور یہ تحریک مختلف درجوں سے گذرتی ہوئی آخر مولوی قاری عبدالکریم صاحب کے ذریعہ تکمیل کے مدارج طے کرنے لگی جنہوں نے مصر میں ایک عرصہ تک قیام کرکے

اس میں نئی روح پیدا کردی

اور اب دارالطبع سرکار عالی میں اسی نستعلیق ٹائپ کی دلربا عملی کوشش بارآور ہورہی ہیں اس ٹائپ کی ترویج سے جو انقلاب ہندوستانی صحافت اور طباعت کے کام میں ہوگا وہ اپنے حیرت بخش نتائج کے لحاظ سے شاندار ہوگا اور اردو تاریخ صحافت وطباعت میں آصف جاہ معظم کا عہد اسی امتیاز کے لئے

سنہری حروف میں لکھا جاوے گا

متفرق کارنامے

چونکہ آصف جاہ معظم کے عہد کی پچیس سالہ تاریخ کے تفصیلی کارناموں کے لئے حیات عثمانی کی دوسری جلد برکات عثمانی مخصوص ہے اب میں اس باب کو ختم کرتے ہوئے ایک اجمالی طور پر بعض دوسرے کارناموں کا مختصر ذکر کردینا چاہتا ہوں

(۱) محکمہ آثار قدیمہ دولت آصفیہ اپنی قدیم یادگاروں کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور اسکے بعض عجائبات کو دنیا بھر میں بقائے دوام کا امتیاز حاصل ہے ان آثار قدیمہ کے تحفظ اور اثری تحقیقات کے لئے ایک محکمہ قائم ہے جسکے افسر اعلیٰ مولوی غلام یزدانی صاحب ہیں اکو خاص طور پر اس مضمون کیساتھ بے حد دلچسپی ہے اور اپنے علم اور تجربہ کی وسعت کیلئے اُنہوں نے ممالک غیر کا سفر کیا ہے اور ہر اس طالب علم کو جو آثار قدیمہ کے مضمون سے دلچسپی رکھتا ہو ہر ممکن مدد اور مشورہ کیلئے اپنے محکمہ کے دروازوں کو کھلا رکھتے ہیں۔

(۲) نظام سٹیٹ ریلوے اور ریلوے بس۔ ملک کی ترقی کیلئے جیسے تعلیم کی تعلیمی سہولتیں ضروری ہیں اسیطرح صیغہ مواصلات کی آسانیاں مقدم ہیں اعلیحضرت سلطان دکن نے جہاں تعلیمی سہولتوں کے لئے عثمانیہ یونیورسٹی کو قائم فرمایا اسیطرح نظام ریلوے کی وسعت کو ضروری قرار دیا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسی ریلوے کو بیرونی اثر سے آزاد کرانے کی طرف توجہ فرمائی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نظام ریلوے کو اثر غیر سے آزاد کرانے کا سہرا

سر اکبر حیدری کے سر ہے

لیکن انکی ساری کوششیں شاہانہ سرپرستی سے بار آور ہوئیں۔ سر اکبر حیدری نے قبل از وقت ریلوے کو عثمانی حکومت کے قبضہ میں لانے کے لئے اپنی دانشمندی اور تدبر کا بہترین ثبوت دیا اور ریلوے بورڈ لنڈن سے خرید و فروخت کی دستاویز کا معاہدہ ۸ مارچ ۱۹۳۰ء کو مکمل کرالیا اور

یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے ریلوے سرکار عالی کی ملکیت قرار پائی

اس خرید و فروخت نے دولت آصفیہ کی ساکھ کے مقام کو بھی بلند کر دیا۔ اور باب حکومت نے خصوصیت کیساتھ سر اکبر حیدری کی خدمات کا اس خصوص میں اعتراف کرنے کے لئے ۷، امرداد بہشت ۱۳۳۹ف کو ایک قرارداد منظور کی جس کو اردو انگریزی اخبارات میں شائع کیا گیا اس میں صاف صاف لکھا کہ

نہ صرف سرکار عالی کی فنانشل ساکھ پر عمدہ اثر مرتب کرے گا

"بلکہ اس ریاست ابد مدت کی شان اور وقار میں معتدبہ اضافہ کریگا"

ریلوے کو آصفی ریلوے بنالینے کے بعد ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات کو جو ریلوے سے الگ تھے ریلوے بس سرویس کے ذریعہ ملادیا گیا۔ ۱۰ ارجون ۱۹۳۲ء کو موٹر بس سرویس کا آغاز ہوا اور اور سکندرآباد میں تو اسکی اسقدر آمد و رفت ہے کہ لنڈن کی طرح ہر چند منٹ کے بعد ہر طرف کو جانے والی بس ملتی ہے۔ اسی بس کی تعمیر میں مسافروں کے آرام کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہر قسم کے حادثات سے حفاظت کا بہترین انتظام ہے۔

(۳) عظیم الشان سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر۔ عہد عثمانی تعمیرات کے لحاظ سے اپنی شان میں ممتاز اور یگانہ ہے۔ دولت آصفیہ کے ہر بادشاہ کو تعمیرات کا شوق رہا ہے لیکن عمارتوں کا یہ شوق زیادہ تر ذاتی شاہی عمارات کی تعمیر کی صورت میں پورا ہوتا تھا مگر

عہد عثمانی میں یہ نظریہ بدل گیا

اب عمارتوں کی تعمیر پبلک آسایش اور آرام اور مفاد کے نقطہ نظر سے ہو رہی ہے۔ آرایش اگر مقصود ہے تو شہر کی وسعت اور رعایا کی سہولت کی غرض سے۔ عہد عثمانی کی تعمیرات کی تاریخ اور تفصیل بڑی مبسوط اور طویل ہے۔ موسیٰ ندی کی طغیانی اور شہر کے اس حصہ کی تباہی نے جہاں آصف جاہ ہفتم کو آیندہ کیلئے طغیانی کے خطرات سے شہر کو محفوظ کر دینے کا خیال پیدا ہوا وہاں رود موسیٰ کے کنارے مفید عام عمارتوں کے ذریعہ شاندار منظر پیدا کر دینے کی تجویز بھی کی چنانچہ ہائی کورٹ اور سٹی انٹرمیڈیٹ کالج ایک طرف جن کی تعمیر پر تقریباً ۳۶ لاکھ صرف ہوا اور عثمانیہ ہسپتال دوسری طرف لاکھوں روپیہ کے صرف اور جدید آلات و سامان علاج سے مزین قائم کیا۔ اور نہایت تجربہ کار ڈاکٹر جو ہر قسم کے جدید طریق علاج سے باخبر ہیں اس میں کام کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اندرون شہر میں چار مینار کے قریب ایک

عظیم الشان یونانی شفاخانہ صدر

طیار کرایا

اوراسی میں مدرسہ طبیہ یونانی قائم کیا۔ جہاں ہزاروں مریض لایق اور حاذق اطباء کے علاج سے استفادہ کرتے ہیں۔ تعمیرات کے اس لمبے سلسلہ میں کتب خانہ آصفیہ اور باغ عامہ کی عمارتیں ایک خصوصی شان اور منظر کو پیدا کر رہی ہیں۔ مسافروں کے آرام کے لئے سٹیشن کے بالکل قریب ایک سرائے تیار کرائی اور جنگ عظیم کی صلح کی تقریب پر اس کا نام

صلح سرائے رکھا

غرض شفاخانوں۔ مسافرخانوں اور سرکاری دفاتر اور عمارتوں کا تمام ممالک محروسہ اور خصوصاً حیدرآباد میں ایک ایسا دلکش منظر ہے کہ حیدرآباد قدیم کی جگہ

حیدرآباد جدید نے لے لی ہے

اوراب اس کی وسعت حیدرآباد کی اندرونی آبادی سے نکل کر میلوں تک باہر چلی گئی ہے اور ہر طرف نئی شان اور نئی طرز کی عمارتوں کا ایک دلکش سلسلہ چلا گیا ہے اور حکومت کے طرز عمل اور ذوق تعمیر نے رعایا میں۔

روح تعمیر پیدا کر دی ہے

اور اس فن تعمیر میں مختلف قسم کی ایجادوں کا سلسلہ تعمیرات میں پیدا ہو گیا اور اس سلسلہ میں بیکاری دور ہو گئی۔ ہر وقت ہزاروں انسان کام پر لگے ہوئے ہیں بلکہ لاکھوں اس لئے کہ اینٹ۔ چونہ۔ پتھر کے کارخانوں لکڑی۔ لوہے اور عمارتی سامان کی تجارتوں کا سلسلہ وسیع ہو گیا اور

حیدرآباد کام زدور خود سرمایہ دار ہو گیا

(۴) سڑکیں اور بدرروئیں کسی شہر کی صحت اور آبادی کی خوشحالی اور تجارتی ترقیات کے لئے اس کی سڑکوں اور بدرروں کا انتظام لازمی ہے حیدرآباد جس کے متعلق

قدیم سے کثیف کی روایت چلی آرہی تھی

عہد عثمانی میں اپنی لطافت اور آراستگی کے لئے یورپ کے بڑے بڑے شہروں کا مقابلہ کر رہا ہے شہر میں ہر طرف نہایت فراخ اور شاندار سڑکیں تیار ہو گئی ہیں جن کے دونو طرف پیدل چلنے والوں کے لئے راستے ہیں۔ حیدرآباد ہی نہیں تمام ممالک محروسہ میں یہ سلسلہ جاری ہے اور موٹروں اور موٹر بسوں کے رواج نے تمام سڑکوں کو شاندار بنا دیا ہے۔

شہر کے گندے پانی کے اخراج کے لئے ڈرینج کا بہترین انتظام ہے یہ بہت بڑی سکیم ہے اور اس کا کام سرعت سے جاری ہے اور اس کی تکمیل پر

حیدرآباد کی صفائی بے نظیر ہو گئی

اور اس کا اثر عام صحت پر بھی بہت اچھا پڑے گا۔ اس سکیم پر عمل ہونے کی صورت میں تمام شہر کی گندگی خود بخود باہر ایک جگہ جمع ہو گئی اور اس سے

اعلیٰ درجہ کی کھاد تیار کی جائے گی

اس خصوص میں آرائش بلدہ کی کمیٹی شاندار کام کر رہی ہے اور اس کمیٹی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ

شاہزادہ معظم جاہ بہادر کی نگرانی میں کام کرتی ہے

اعلیحضرت نے جب اس کام کو شاہزادہ معظم جاہ بہادر کے سپرد فرمایا تو اہل شہر اور ارکان دولت نے ان کے وجود پر فخر و ناز کیا تھا اور انہوں نے

بہت بڑی توقعات کو ان سے وابستہ کیا تھا

اور یہ خوشی کی بات ہے کہ وہ توقعات امید سے بڑھ کر پوری ہو رہی ہیں۔ آرائش بلد کی کمیٹی نے شہر کی تزئین اور شہریوں کی آسائش کے لئے بے نظیر کام کیا ہے۔

(۵) صنعت و حرفت اور زراعت۔ عہد عثمانی کی برکات میں سے صیغہ صنعت و حرفت اور شعبہ زراعت میں بھی عظیم الشان ترقیاں ہوئی ہیں۔ حیدرآباد اور ممالک محروسہ میں مختلف صنعتی اور حرفتی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور مختلف قسم کے کارخانہ کھلتے چلے جا رہے ہیں۔ حکومت ہر طرح سے اس قسم کے صنعتی اور حرفتی کارخانوں کی مدد کرتی ہے متعدد کارخانے بڑے وسیع پیمانوں پر جاری ہیں اور برقی قوت سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور کوشش ہو رہی ہے کہ تمام پرانی صنعتوں اور حرفتوں کو زندہ اور قائم رکھا جاوے محکمہ صنعت و حرفت نے ممالک محروسہ کی

صنعتی اور حرفتی آبادی میں زندگی پیدا کر دی ہے

اسی طرح سے کاشتکاری کے معیار کو اونچا کرنے کے لئے اور کاشتکار کو ایک ممتاز اور ضروری وجود بنانے کے لئے ہر قسم کی کوششوں کا سلسلہ جاری ہے مختلف مقامات پر سرکاری مزرعے قائم کر دئے ہیں۔ جہاں زمینداری کے تجربے کئے اور سکھائے جاتے ہیں کاشتکاروں کی مرفع الحالی اور اقتصادی بہتری کے لئے محکمہ امداد باہمی قائم ہے اور مویشیوں کی بہترین نسل کے لئے نسل کشی کے مرکز قائم کر دئے گئے ہیں۔ اور اب تو دیہاتی اصلاح کا جو نظریہ پیش نظر ہے۔ اسکے لئے براڈکاسٹنگ سے کام لینے کا سوال زیر غور ہے کاشتکاروں کی بہتری اور بھلائی کے ہی لئے

آبپاشی کے ذرائع کو وسیع کیا جا رہا ہے

قدیم تالابوں پر کروڑوں روپیہ صرف کر کے انکو درست کر دیا گیا اور کروڑں روپیہ کے صرفہ سے جدید اور وسیع تالاب احداث کئے گئے ہیں جو اپنی ساخت اور طرز تعمیر میں فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں عثمان ساگر۔ حمایت ساگر۔ نظام ساگر اسی اسکیم کا نتیجہ ہیں ۔ ان تالابوں کی تعمیر اور انکے مناظر کی تصریح اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتی ہے مگر اس وقت میں اس میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ تالاب ملک کے لئے ایک مایہ حیات نعمت ہیں اور اس کی زرعی دولت کی توفیر کا موجب ان تالابوں کے علاوہ متعدد نہریں اور بند ہیں جو ممالک محروسہ میں

عہد عثمانی کی برکات ہیں

(۶) حفظان صحت [صحت] کسی قوم اور ملک کی ترقی کیلئے سب سے ضروری چیز حفظان [صحت] ہے۔ مہذب حکومتیں اپنی رعایا کی صحت و تندرستی کو قائم رکھنے کے لئے مختلف قسم کے ضروری انتظام کرتی ہیں کبھی تحمل سے کام نہیں لیتیں۔ مختلف قسم کے شفاخانے قائم کئے جاتے ہیں۔ اور رعایا کے افراد کو

احتیاط علاج سے مقدم ہے

کے اصول پر عمل کرنے کے لئے موزوں طریقے اختیار کئے جاتے ہیں حیدرآباد اس خصوص میں کسی مہذب حکومت سے پیچھے نہیں رہا۔ خصوصاً عہد عثمانی میں اس موضوع پر بہت بڑی توجہ کیگئی ہے۔ ممالک محروسہ میں کثرت کیساتھ شفاخانے کھولے گئے ہیں۔ امراض متعدی اور وبائی کے لئے خصوصیت سے اہتمام کیا گیا ہے۔ طاعون۔ ہیضہ۔ ملیریا کے انسداد کے لئے ایک ایسا اسٹاف مقرر کیا گیا ہے جو دورہ کر کے رعایا کو طبی امداد دیتا ہے اور لکچروں اور دوسرے ذرایع سے لوگوں کو حفظ ماتقدم کے اصولوں سے واقف کرتا ہے۔ امراض متعدی کے لئے مخصوص ہسپتال قائم کیا گیا ہے جہاں طاعون۔ دق۔ سل۔ ہیضہ۔ چیچک۔ نارو اور فیل پا وغیرہ امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ طاعون کے مریضوں کو شفاخانوں میں منتقل کرنے کے لئے امبولنس کاریں مقرر ہیں اور طاعون زدہ علاقہ کو ڈس انفکٹ

کرنے کے لئے ایک عملہ مضبوط جداگانہ مقرر ہے۔ غرض ہر ممکن طریق سے

رعایا کی صحت کی حفاظت کیجارہی ہے

جدید طبی تحقیقات اور انکشافات سے پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ملک کے عام مذاق کو مدنظر رکھتے ہوئے

یونانی شفاخانوں کا بھی انتظام ہے

جسطرح پر اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم نے علوم کی سرپرستی فرمائی ہے اسیطرح طب اسلامی (یونانی) کی سرپرستی میں کمال کردیا اور لاکھوں روپیہ کے صرفہ سے اسکو ایک جدید اسلوب سے منظم کرنے کا اہتمام فرمایا اس مقصد کے لئے آپنے ہندوستان کے نامور حکما کو بلاکر ان سے مشورے لئے۔ اور ایک مستقل اسکیم تمام ملک میں طبی تعلیم اور عملی فن کے لئے جاری کرنیکو ایک **یونانی طبیہ کالج قائم فرمایا**

اسکے علاوہ مملکت آصفیہ میں قدیم مصری طب کا بھی رواج ہے اور دولت آصفیہ اسکی سرپرستی میں کشادہ دلی سے کام لیتی ہے یہ قدیم طریق علاج کشتہ جات سمیات اور جنگلی جڑی بوٹیوں سے کیا جاتا ہے۔ خاص شہر حیدرآباد میں اس قسم کے اطبار کے مطب کامیابی سے سرکاری سرپرستی میں چل رہے ہیں اسیطرح ہومیوپیتھک طریق علاج بھی جاری ہے غرض انسانی صحت کی حفاظت کے لئے کوئی جدید یا قدیم طریق ایسا نہیں جسکی سرپرستی نہ کی جارہی ہو۔ انگریزی شفاخانہ میں تمام جدید طریقوں سے علاج کیا جاتا ہے اور ہر قسم کے اوزار اور سامان علاج مہیا ہے جسپر لاکھوں روپیہ خرچ ہوئے ہیں۔ اور ہوتے ہیں مستورات کے علاج کے لئے بھی پوری سرگرمی اور توجہ ظاہر کیگئی ہے

(۷) واپسی رزیڈنسی بازار عہد عثمانی کے واقعات میں رقبہ رزیڈنسی کی واپسی بھی ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر رزیڈنسی کی تاریخ اور اس کے نظام کی تاریخ اور تدریجی ترقیوں یا تبدیلیوں کا ذکر میں نہیں کرونگا۔ یہ تفصیلات دوسری جلد میں آئیں گی ۱۷۷۹ء سے رزیڈنسی کا قیام عمل میں آیا اور رزیڈنٹ وکیل سرکار کہلاتا تھا۔ چھٹے وکیل کے عہد میں ایک

مستقل مکان کی اجازت نظام وقت سے لیگئی اور موجودہ رزیڈنسی کی کوٹھی جو اسوقت اتنی
وسیع اور شاندار نہ تھی ان کے قیام کے لئے مخصوص ہوئی ۱۸۵۷ء تک اس کوٹھی کا حصار
نہ تھا مگر اس شورش کے بعد اسکو محصور کر دیا گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کے ساتھ کا علاقہ جو مختلف
محلوں اور بازاروں پر مشتمل تھا رزیڈنسی کا علاقہ قرار پایا اور تقریباً سو سال تک وہاں حکومت
برطانیہ کا پرچم لہراتا رہا۔ مشیت الہٰی نے اس علاقہ کی واپسی کے لئے بھی

عہد عثمانی کو مقرر کیا تھا

چنانچہ ۱۴ ارمئی ۱۹۳۳ء کو دن کے بارہ بجے یہہ علاقہ واپس کر کے آصفجاہ ہفتم کے قبضہ مین
دیدیا گیا۔ بجز رزیڈنسی کے محصور علاقہ اور بعض مخصوص عمارات کے اور کوئی قطعہ زمین دولت
برطانیہ کے نائب رزیڈنٹ کے زیر علم نہین رہا۔ یہہ انقلاب کرنل کینر رزیڈنٹ کے عہد کا قابل
یادگار واقعہ ہے ۱۴ ارمئی ۱۹۳۳ء کا دن تاریخ آصفی مین ایک

یادگاری دن ہے

اس علاقہ کا چارج کرنل کینر نے یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بالقابہ صدر اعظم کو
دیا صدر اعظم کے ہمراہ سرکار عالی کے دوسرے معتمدین بھی تھے۔ اونہوں نے سارے علاقہ
کا گشت کیا اور رسم حوالگی عمل مین آئی۔ رزیڈنسی روڈ کا نام شاہراہ عثمانی اور رزیڈنسی
بازار کا نام سلطان بازار رکھا گیا۔ اور ۹ تیر ۱۳۴۲ف کے جریدہ مین سرکاری اعلان
آئندہ کے نظم و نسق کے متعلق ہوگیا اور اس روز سے یہہ علاقہ سرکار عالی کے ماتحت ہے یہی
تمام قوانین دولت آصفیہ جاری ہوئے۔ استرداد رقبہ رزیڈنسی بجائے خود دور عثمانی کی

تاریخ کا ایک نیا باب ہے

(۸) ٹپہ اور سکہ: بعہد عثمانی کے کارناموں مین ٹپہ اور سکہ کی اصلاحات اور ترقیات
ہین حیدرآباد کو ہمیشہ سے اپنے ڈاکخانہ کا فخر حاصل ہے جو ہندوستان کی کسی دوسری

ریاست کو نہین ایسا ہی سکہ کی خصوصیت بھی صرف حیدر آباد کی باقی رہ گئی ہے دولت آصفیہ کے ڈاکخانہ جات کا انتظام اسی نہج اور اصول پر ہے جو سرکار انگریزی کا ہے۔ تمام ممالک محروسہ مین ڈاکخانون کا ایک وسیع سلسلہ ہے اور ہر ڈاکخانہ مین خطوط پارسل رجسٹری۔ بیمہ منی آرڈر۔ سیونگ بنک وغیرہ کا کام ہوتا ان ڈاکخانوں کے استعمال کے لئے دولت آصفیہ کے ٹکٹ استعمال ہوتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حکومت انگریزی کے ڈاکخانوں مین لفافوں اور کارڈون کی قیمت مین اضافہ کا سوال ہر سال بجٹ کے موقعہ پر ایک بحث طلب سوال ہوتا ہے مگر حیدر آباد ریاست کے کارڈوں اور لفافوں کی قیمت مین قطعاً اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

اسی طرح حیدر آباد کا یہہ امتیاز بھی اب تک قائم ہے اور انشاءاللہ قائم رہیگا کہ اسکا اپنا سکہ ہے۔ حیدر آباد مین مختلف اوقات مین مختلف قسم کے سکّے جاری ہوئے لیکن اب مستقل طور پر اصلاح شدہ سکہ جاری ہے ۱۳۱۳ف سے جو سکہ جاری ہوا اسکے ایک رخ پر حیدر آباد کی مشہور عمارت چار مینار کی تصویر اور دوسری طرف خط نسخ میں یہہ عبارت کندہ تھی۔ "ضرب حیدر آباد فرخندہ بنیاد جلوس میمنت مانوس"۔ اسوقت اعلیحضرت میر محبوب علیخان بہادر فرمانروا تھے اس لئے ان کے عہد حکومت کے اظہار مین آپ کے نام کا پہلا حرف (م) بھی اسپر کندہ تھا لیکن عہد عثمانی مین میم کے بجائے (ع) کا حرف ثبت ہے۔ عہد عثمانی مین چار قسم کے سکّے رائج ہوئے۔ طلائی۔ نقرئی۔ تانبے اور نکل کے سکّے طلائی سکوں مین۔ اشرفی۔ نیم اشرفی اور ربع اشرفی اور مسدس اشرفی اور نقرئی سکوں مین روپیہ۔ اٹھنی۔ چونّی اور دوّنی۔ نکل کے سکون مین۔ اکنی اور تانبے کے سکوں میں پیسہ آدھا پیسہ اور آدھا آنہ کا سکہ دھات کے سکون کے علاوہ عہد عثمانی مین سکہ قرطاس (نوٹ) بھی جاری ہوا جو نہایت خوبصورت ہیں۔ یہہ نوٹ ایک ہزار۔ سو۔ دس۔ اور پانچ روپیہ کے ہیں اور ہر ایک نوٹ کے لئے ایک جداگانہ

رنگ اور ڈیزائن ہے جسکی وجہ سے دہوکا نہیں ہوتا۔
سرکاری عدالتوں اور دستاویزات کے استعمال کے لئے اسٹامپ ہین کاغذ مہر اور سکے بھی یہاں تیار ہوتے ہیں جو دارالضرب سرکار عالی میں طبع اور مضروب ہوتے ہیں اور اس مقصد کیلئے جدید مشینوں کو نصب کیا گیا ہے۔

گول میز کانفرنس

اسی پچیس سالہ عہد حکومت مین گول میز کانفرنس کا انعقاد ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ ہے جو ہندوستان کے دور جدید کے آغاز کے لئے لندن مین منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے بہترین دماغ مشورہ کے لئے انگریزی مدبرون کے دوش بدوش جمع ہوئے۔ اس کانفرنس کا اجلاس ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک لندن مین مقررہ ایام مین ہوتا رہا۔ حیدرآبادی وفد کی صدارت کے لئے اعلیحضرت سلطان دکن نے سر اکبر حیدری (نواب حیدر نواز جنگ بہادر) کو منتخب فرمایا۔ اس وفد مین نواب مہدی یار جنگ بہادر۔ سر کرنل ٹرینچ اور نواب سر امین جنگ بہادر شریک تھے۔
اس وفد نے گول میز کانفرنس مین ہندوستان اور دولت آصفیہ کی بہبودی کیلئے بہترین کام کیا۔ یہہ وفد دراصل ایک واسطہ تھا حقیقت مین ان کے پیچھے جو دماغ کام کر رہا تھا وہ **اعلیٰ حضرت سلطان دکن کی شخصیت تھی**
جو تحریکین اور اہم مشورے کانفرنس مین حیدرآباد کے نمایندہ وفد نے پیش کئے وہ اسی حکیم السیاست کی تجویز اور تدبر کا نتیجہ تھے۔ اور اعلیحضرت کی ہدایات کے حاصل کرنے مین رئیس وفد نے یہان تک احتیاط کی کہ ہر امر کے متعلق خواہ وہ کتنا ہی معمولی اور چھوٹا کیون نہ ہو بندگان عالی کے حضور زبان برق سے پیش کر کے استصواب کیا اور اس کا نتیجہ یہہ تھا کہ کانفرنس کے بہترین ارکان نے
حیدرآبادی وفد کے تدبر کا اعتراف کیا

سر سیموئل ہور نے ایک موقعہ پر سر حیدر نواز جنگ کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف اسطرح کیا۔
"جب تمام دنیا کسی نہ کسی طرح سے دولت کھو رہی ہے۔ سر اکبر حیدری دولت پیدا کرنے مین کامیاب رہے اس بنا پر حیدرآباد کے مالیات کی حالت دوسرے ممالک کے مقابلہ مین بہت اچھی ہے"

گول میز کانفرنس مین حیدرآبادی وفد کے رئیس نے اپنی حکومت کے حقوق اور وقار کی حفاظت کے لئے پوری کوشش کی اور اپنی خداداد قابلیت سے ہر مشکل کو باآسانی سلجھالیا نہ صرف یہہ بلکہ کانفرنس کے دوسرے ارکان جب پیچیدہ مسائل کی گتھیوں کے سلجھانے مین مشکلات محسوس کرتے تھے تو یہ مدبر باسانی ایک حل پیش کر دیتا تھا۔ اظہار حقیقت کے رنگ مین میں اس امر کے بیان کرنے مین مضائقہ نہین سمجھتا کہ کانفرنس کے نازک اور پیچیدہ مسائل کے حل کرنے مین سب سے بڑی شخصیت جو پیش تھی وہ

چودھری سر ظفر اللہ خاں وزیر تجارت ریلوے

کی تھی اور جسکا اعتراف کانفرنس کے لیڈنگ ممبران نے کیا۔ سر حیدر نواز جنگ اس ممتاز شخصیت کے ساتھ تعاون کا بہترین نمونہ رہے۔ غرض حیدرآباد کے رئیس وفد نے اس قابلیت اور تدبر کے ساتھ اپنے حقوق کی حفاظت کی کہ حیدرآباد کی تاریخ مین یہہ امتیاز قائم رہیگا اونھوں نے وفاق کی صورت مین حیدرآباد کی شاہی روایات اور اقتدار کی پوری حفاظت کرلی دولت آصفی کا وقار محفوظ رہیگا۔ اپنا سکہ اپنا ڈاکخانہ بدستور قائم رہیگا۔

متعدد مواقع پر کانفرنس کے ممتاز ارکان نے سر اکبر حیدری کی خدمات اور قابلیتوں کا پُر شوکت الفاظ مین تذکرہ کیا لارڈ ویلنگٹن نے ایک جلسہ کی صدارتی تقریر مین ان کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ

"حیدرآباد کے عہد جدید کی ترقیوں پر جن لوگوں نے غور کیا ہے وہ میری اس رائے سے ضرور اتفاق کرینگے کہ حیدرآباد کی مالیات کی درستی نظم و نسق کی کامیابی اور تمام مادی ترقیوں مین سر اکبر حیدری کی گھری دلچسپی شریک رہی ہو اور ہر اصلاحی اور ترقی پذیر کام مین انکا نمایان حصہ رہا ہے۔"

کچھ شک نہین کہ انگلستان کے مدبرین نے جس نقطۂ نگاہ سے حیدرآباد جدید کو دیکھا اور اس کی تعمیر مین سر اکبر کے دماغ اور ہاتھ کو اونھوں نے کام کرتے پایا مگر حقیقت یہہ ہے کہ اس مشینیری کو چلانے والی ہستی

خود ذات شاہانہ تھی

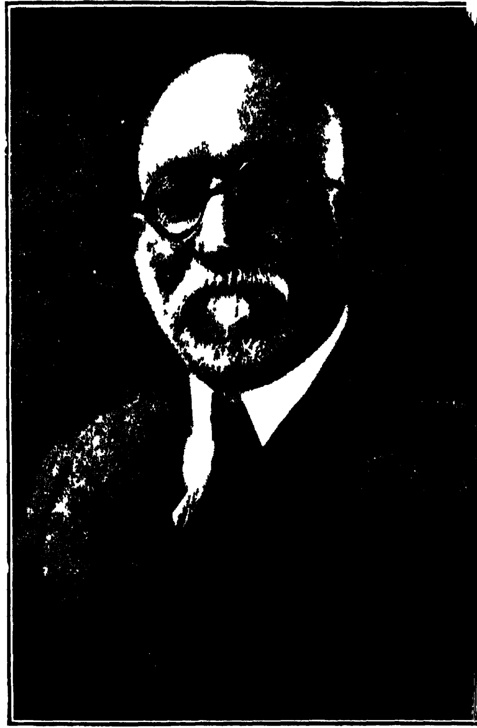
وہ تمام مشورے اور تجاویز اسی چشمہ سے آتی ہین اور اعلیحضرت ہی ان تمام کامیابیوں اور ستایش کے جائز حقدار ہیں جن کی نظر انتخاب ایسے وجود پر پڑی جو نہایت عمدگی سے شاہی اشارات کو سمجھنے اور انکو عمل مین لانے کا اہل تھا۔ پھر سر اکبر حیدری کی کانفرنس مین کامیابی کا انحصار ان کے قابل اور ممتاز شرکائے کار کا ان کے ساتھ صحیح اور قابل تعریف تعاون تھا جنھون نے اپنی ساری قوتوں کو

حیدرآبادی وفد کی کامیابی پر لگادیا

اور اس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ دولت آصفیہ کی نمایندگی ہندوستان بھر کے نمایندون مین نمایاں رہی حیدرآبادی وفد کے واپس آنے پر سر اکبر حیدری نے گول میز کانفرنس مین حیدرآبادی وفد کے کارناموں پر ایک مفصل بیان پریس کر دیا مین اسکی تفصیلات کو توانشاءاللہ العزیز (برکات عثمانی) مین بیان کرونگا لیکن اس مین جو اصلی اور مرکزی نقطہ سر اکبر حیدری نے بیان کیا وہ

اعلیحضرت کی اصولی ہدایات تھین

جنکی طرف مین نے اوپر اشارہ کیا ہے جنکو پڑھ کر ہر شخص یہہ اعتراف کیے بغیر نہین رہ سکتا کہ



رائٹ آنریبل سر اکبر نواب حیدر نواز جنگ بہادر
صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

سلطان دکن کی اصابت رائے اور بالغ نظری کا مقام بہت رفیع ہے۔ حضور نے ایک ہمہ گیر اصل سر اکبر حیدری کے وفد کو بتا دیا تھا اور وہ رئیس وفد کے ہی الفاظ مین یہ ہے۔

حیدر آبادی وفد کا طریق عمل حضرت اقدس و اعلیٰ کی ہدایات عالیہ کے مطابق تھا احکام مبارک کی رو سے وفد کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ یہ لوگ حکومت برطانیہ کے نمایندو ساتھ ان مسائل مین جو گول میز کانفرنس مین زیر بحث آئین گے۔ اسطرح حل کرنے مین اتحاد عمل کریں کہ برطانی ہند اور ریاستوں کی مشترک امن و عافیت کے حصول کا موجب ہو۔ البتہ کسی ایسی اسکیم کی حامی نہ بھریں جو موجودہ تعلقات باہمی تاج برطانیہ و اعلیحضرت بندگانعالی مین حارج ہو یا مملکت برطانیہ اور حیدر آباد کے مفاد کے منافی ہو۔ طے پایا تھا کہ آل انڈیا فیڈریشن کے متعلق وفد کا رویہ ہمدردانہ نیز دانشمندانہ حزم و احتیاط کا ہو اور یہی خیال تھا کہ اگر کانفرنس کی کارروائیوں سے یہ ظاہر ہو کہ ریاستوں اور برطانی ہند کی بہبودی اسی طریقہ کار مین مضمر ہے۔ تو وفد کو چاہیے کہ برطانوی ہند کے لئے ایک ایسے دستور اساسی حاصل کرنے مین اپنے کو کام مین لائے۔ جو بشرط موقع ایک آل انڈیا فیڈریشن کے قیام مین باعث سہولت ہو۔ وفد کے لئے اس امر کا احساس بھی ضروری تھا کہ اعلیحضرت بندگانعالی کسی ایسے فیڈرل یونین مین شرکت کرنیکے لئے آمادہ نہین ہین جو حیدر آباد کی پوزیشن کو بہ حیثیت بزرگ ترین ریاست ہند کے برقرار نہ رکھ سکے۔ یا ان کے اختیارات شاہانہ مین کسی قسم کی مداخلت کرے ان کے علاوہ احکام مبارک مین برطانوی ہند کے ساتھ مجوزہ مالی اور معاشیاتی سمجھوتہ اور دیگر امور کے متعلق بھی مزید ہدایات موجود تھیں۔

سر اکبر حیدری دوبارہ گول میز کانفرنس مین گئے اور اس مرتبہ انہوں نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں ان کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔ سر اکبر حیدری نے اعلیحضرت کی عظیم المرتبت شخصیت کو برطانیہ مین نمایاں کر دیا اور سلطنت کے مدبروں سے اقرار کرالیا کہ

مصیبت اور ضرورت کے وقت اعلیحضرت ہی نے بے نظیر مدد کی ہے۔ اس اصل میں اعلیحضرت نے برطانیہ کے ساتھ میثاقِ مودت کی مضبوطی اور ایفائے عہد کے اصول کی جو تعلیم دی ہے وہ بے نظیر ہے۔ اگرچہ دولت آصفیہ و برطانیہ کے تعلقات بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے لیکن گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں اسکا ذکر آگیا ہے تو میں اس تقریر کا ذکر کئے بغیر نہیں گزر سکتا جو وزیر ہند نے ۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو لنڈن کے مشہور ہوٹل ہائیڈ پارک میں ایک ڈنر کے موقعہ پر کی تھی۔

برطانیہ کا دست راست اور یار وفادار

اعلیحضرت نظام دکن خلد اللہ ملکہ نے خاندانِ آصفی کی روایات صدق و وفا کو پوری شان اور قابلیت کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے ساتھ ابتدا میں جو معاہدات مودت قائم ہوئے۔ اسلامی اصول میثاق پر حضور نے ان کا احترام کیا اور مغربی اصول سیاست پر ایسے پرزہ کاغذ نہیں سمجھا ہر آڑے وقت پر اپنی مروت اور محبت کے ہاتھ کو لنبا کیا حکومت برطانیہ کے نمائندوں نے وقتاً فوقتاً اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اس کا تازہ ترین مظاہرہ وہ تھا جو ۳ نومبر ۳۱ء کو لنڈن کے مشہور و معروف ہوٹل ہائیڈ پارک میں ہوا جبکہ دولتِ آصفیہ کی طرف سے گول میز کانفرنس کے حیدرآبادی وفد کے رئیس سر اکبر حیدری نے سر سموئیل ہور وزیر ہند اور لیڈی ہور کو ایک شاندار دعوت پر مدعو کیا۔ اس دعوت میں ڈیڑھ سو کے قریب چوٹی کے لوگ شریک تھے اور وہ یہ لوگ تھے جو اپنی قوم میں ایک ممتاز اور شاندار حیثیت رکھنے کے علاوہ سیاسی دنیا میں ایک مستند اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں۔ وزیر ہند اور ان کی بیگم صاحبہ کے علاوہ سر آغا خان بالقابہ سر سٹوارٹ فریزر و اور لیڈی فریزر سابق ریزیڈنٹ حیدرآباد بھی موجود تھے۔ شاہزادگانِ بلند اقبال بھی تشریف فرما تھے۔ اس تقریب پر سر حیدری نے جام وفاداری تجویز فرمایا۔ جسکے جواب میں وزیر ہند نے زیبندۂ تاج و تخت آصفی

آصف جاہ ہفتم اعلیحضرت نظام دکن کا جام صحت تجویز کیا اور اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ :-

اعلیحضرت نظام ہمیشہ برطانیہ کے دست راست ثابت ہوئے ہیں آپ نے نازک ایام میں برطانیہ کی جو بیش قیمت اور گرانمایہ خدمات انجام دی ہیں وہ برطانیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ جسطرح حضور نظام نے برطانیہ کے ساتھ اپنی دوستی وفاداری روا رکھتی ہے اسی طرح برطانیہ بھی آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے ۔ -

یہ تازہ ترین بیان ہے جو برطانیہ کے ذمہ دار نمائندہ نے دیا ہے ۔ اور اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اس لئے کہ واقعات اور تاریخ اس صداقت کے زبردست گواہ ہیں کہ ہر آڑے وقت اور ہر نازک ساعت میں آصفی کنگڈم نے برطانیہ کا ہاتھ پکڑا ہے اور عہد دوستی کا عملی ثبوت دیا ہے۔ مجھے اس امر کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس عہد دوستی کی رعایت اور میثاق مودت کے استحکام کے لئے اعلیحضرت کو بعض اوقات بہت بڑی قربانیاں کرنی پڑی ہیں ۔ چونکہ بحیثیت ایک مسلم بادشاہ کے آپ احترام میثاق کرتے ہیں۔ اور معاہدات کی قدر و قیمت کو جانتے ہیں آپ نے جہاں نازک سے نازک اوقات میں اپنے یار وفادار ہونے کا ثبوت دیا ایسے حالات کے پیدا ہو جانے پر جو ایک دوست کو برہم کر سکتے ہیں۔ آپ نے اولوالعزمی حوصلہ سے کام لیا یہ کمزوری نہیں بلکہ ہمت مردانہ اور روح مودت کا ظہور ہے۔ بہر حال اعلیحضرت نظام دکن کی یاری و یاوری کا اعتراف تاج برطانیہ نے ہمیشہ کیا ہے اور واقعات کا ایک لمبا سلسلہ اس صداقت کا موید ہے کہ کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا ۔ ان حالات میں کیا ہندوستان کے مسلمان یا دولت آصفیہ کی رعایا تاج برطانیہ سے یہ مطالبہ کرے کہ ایسے یار وفادار اور اوقات نازک کے دستگیر دوست اور دست راست کے حقوق و امتیازات کی حفاظت اور میثاق دوستی کی رعایت اس کا فرض ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مطالبہ

نہایت زبردست اور قابل قبول نہین۔ اس دست راست کی مضبوطی برطانیہ کی اپنی بھلائی کا موجب ہے۔

عثمانی حیدر آباد کے عہد جدید کے صائب رائے مدبر سر اکبر حیدری نے اپنی تقریر مین حیدر آباد کی رعایا کی ترجمانی کی اور نہایت ہی موزوں الفاظ اور پسندیدہ اسلوب مین برطانیہ کو اپنے فرائض دوستی اور احترام معاہدات کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ کی توجہ عالی ہمیشہ اقتصادیات اور دیگر مفید و کار آمد شعبوں کی ترقی استحکام کی طرف مائل رہتی ہے۔ اور برطانیہ کے ساتھ عہد مودت و وفا کو اپنی حکمت عملی کا جزو بنا رکھا ہے۔ اس کے بدلے مین حیدر آباد چاہتا ہے کہ اسے مملکت نظام کے لوگوں کی ضروریات کے مطابق حکمت عملی مین ضروری تبدیلیوں اور ان پر کاربند ہونے کی کامل آزادی ہو

آثار عتیقہ کی حفاظت

حضرت آصفجاہ ہفتم کے کارناموں مین آثار عتیقہ کی حفاظت کا اہتمام بھی ایک خاص شان اور امتیاز رکھتا ہے۔ مملکت آصفیہ آثار عتیقہ کی امانت کے پہلو سے تمام ہندوستان مین ممتاز اور نمایاں ہے نہ صرف آثار قدیمہ کی کثرت کیوجہ سے بلکہ انکی ندرت کی حیثیت سے بھی نادارت روزگار کا درجہ رکھتی ہیں۔ میں ان آثار عتیقہ کی تفصیلات اور ان کے تاریخی کوائف پر اس مقام مین بحث نہیں کر سکتا اور نہ آثار قدیمہ کے تحفظ کے لیے جو محکمہ قائم کیا گیا ہے اس کے کارناموں پر کوئی تبصرہ کرونگا اس لئے کہ تفصیلات کے لئے حیات عثمانی کی دوسری جلد برکات عثمانی مخصوص ہے

یہاں مجھے صرف اسی قدر ظاہر کرنا ہے کہ عہد عثمانی کے آغاز کے ساتھ ہی اس محکمہ کا قیام عمل مین آیا جو قدیم تمدن و تہذیب اور تاریخ عتیق کا محافظ کہلا سکتا ہے۔ اس محکمہ کے قیام نے تاریخ کے ریسرچ سکالرز کے لئے ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور قدیم

ہندو تہذیب اور دکن کی اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کے آثار کو جو کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے تھے موت اور گمنامی کے پنجہ سے نکال کر

دربار زندگی میں لا کھڑا کیا

دکن کی قدیم اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کی تاریخ کے طالب علم کے لئے اس محکمہ کے ذریعہ بہت قیمتی مواد باآسانی مل سکتا ہے یہ محکمہ نہایت مستعدی سے مصروف عمل ہے محکمہ آثار قدیمہ اپنی تحقیقات کے نتائج کو وقتاً فوقتاً کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے جو انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں شائع کرتا رہتا ہے جن میں کتبوں کے حالات اور فوٹو بھی دیے جاتے ہیں اس علمی تحقیقات نے نہ صرف ہندوستان کے علم دوست طبقہ میں بلکہ ہندوستان کے باہر یورپ اور امریکہ میں بھی دولت آصفی کے اس کارنامہ کو جو عہد عثمانی کا ایک زرین کارنامہ ہے نمایاں کر دیا ہے۔

ایک وقائع نگار کے فرائض سے شاید کوئی مشورہ پیش کرنا درست نہ ہو مگر میں یہ بات کہنے کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آثار عتیقہ کی تحقیقات کے نتائج کا ذخیرہ اس وقت تک انگریزی میں ہے کیا ہی اچھا ہو کہ دولت آصفیہ کے اس علمی خزانے کا انکشاف اس زبان میں بھی ہو جس کی سرپرستی کا طرۂ امتیاز حضرت آصف جاہ ہفتم ہی کے سر ہے جنہے

عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے اسے نمایاں فرمایا ہے

اس محکمہ کی نظامت کے فرائض مسٹر یزدانی ادا کر رہے ہیں جن کی قابلیت مستعدی اور نقطہ رسی کا اعتراف کیا گیا ہے اور جو اس خصوص میں اپنی علمی قوتوں کے لئے ممتاز ہیں انکی خدمات کا اعتراف ملک معظم شاہنشاہ ہند نے انہیں خطاب دیکر کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جو کام اس محکمہ نے اب تک کیا ہے وہ

دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر چکا ہے

لیکن جو کچھ بھی ہوا یا ہوگا وہ بندگانعالی کی توجہ گرامی اور آپکی حکومت کی قدردانی اور

خاص دلچسپی کا نتیجہ ہے

آصفجاہ ہفتم کی سلور جوبلی

پچیس ۲۵ سالہ عہد عثمانی کی کامرانی اور شادمانی کے اظہار کیلئے

جشن سیمین منانے کی تجویز ہوئی

اس تحریک کے ساتھ تمام ممالک محروسہ مین مسرت و انبساط کی ایک رو پیدا ہو گئی اور ہر مقام پر اس عہد مسرت کی یادگار مین قائم کرنے کے لئے رعایائے آصفی نے سیم و زر کی بارش برسانی شروع کر دی۔ جشن سیمین کے انتظام کے لئے ایک مضبوط کمیٹی کا تقرر عمل مین آیا جس مین معاملہ فہم عہدہ داران سرکاری کے علاوہ ممتاز پبلک مین بھی شریک تھے۔ یہ کمیٹی نہایت مستعدی اور سرگرمی سے تقسیم محنت کے اصول پر کام کر رہی تھی۔ یہ سال در حقیقت

جوبلیوں کا سال تھا

ملک معظم قیصر ہند کی جوبلی کے بعد سر آغا خان کی جوبلی منائی جارہی تھی کہ یکایک

ملک معظم بیمار ہو گئے

سر آغا خاں بالقابہ کو ملک معظم کی ذات سے گہری ارادت اور محبت تھی انکی علالت کی خبر پاتے ہی تمام رسومات کو انہوں نے ملتوی کر دیا۔ حضرت آصف جاہ ہفتم کی جوبلی کے لئے سرگرمی سے تیاریاں ہو رہی تھین کہ یکایک ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کی رات کو گیارہ بجکر پچپیں منٹ پر

ملک معظم جارج پنجم کا انتقال ہو گیا

۲۱ جنوری کی صبح ایک صبح قیامت تھی۔ اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کو بھی ملک معظم جارج پنجم سے ذاتی دوستانہ تعلقات تھے اس صدمہ کا گہرا اثر آپ کی ذات پر ہوا۔ اور تمام خوشی کی تقریبوں کو اس غم اور صدمہ مین ملتوی کر دیا جہانتک کہ

سلور جوبلی کی تاریخ کو بھی بدل دیا

ملک معظم کی تعزیت کے لئے اعلیحضرت بنفس نفیس ۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء کو بمعیت جناب والاشان معظم جاہ بہادر و ہز اکسلینسی سر یمین السلطنتہ صدر اعظم بہادر اور کابینہ آصفی کے معزز ارکان کے تشریف لیگئے رزیڈنٹ بہادر نے اعلیحضرت کا خیر مقدم فرمایا اور اعلیحضرت نے چار منٹ تک

اظہار تعزیت کیا

اور اسی روز بارہ بجے اعلیحضرت نے چو محلہ مین ملک معظم کے انتقال پر

ماتمی دربار منعقد فرمایا

جس مین باب حکومت کے تمام وزرار اور عالیجناب صدر اعظم صاحب بالقابہ سفید لباس مین ملبوس تھے اور بازو پر ماتمی سیاہ نشان تھا۔ اس دربار مین نواب کاظم یار جنگ بہادر اور کمشنر پولیس بلدہ نواب رحمت یار جنگ بہادر بھی شریک تھے ذات شاہانہ اور رزیڈنٹ بہادر کے درمیان تین چار منٹ تک تعزیتی سلسلہ رہا اور پھر واپسی عمل مین آئی یہ تقریب افضل محل مین ہوئی۔ اور ہر قسم کی خوشی کی تقریبوں کا التواعمل مین آیا۔ پیغامات تعزیت بھیجے گئے۔ اعلیحضرت نے ذاتی طور پر اس صدمہ کو بہت محسوس کیا اور اسی غم افزا تقریب پر مندرجہ ذیل جریدہ اعلامیہ شائع ہوا۔

جریدۂ غیر معمولی

جلد ۶۷۔ حیدرآباد دکن۔ ۱۸ اسفندار ۱۳۴۵ ف م ۲۵ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ یوم شنبہ نمبر (۲)

حکم سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنتہ پیشکار و صدر اعظم کونسل

۲۵ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ م ۱۸ اسفندار ۱۳۴۵ ف

ہز موسٹ گریشیس میجسٹی بادشاہ جارج پنجم بادشاہ گریٹ برٹن و آئرلینڈ و قیصر ہند کے انتقال پُرملال کی خبر وحشت اثر سے ملازمان حضرت اقدس و اعلیٰ کو کمال تاسف اور دلی رنج ہوا۔

ہز موسٹ گریشیز میجسٹی بادشاہ جارج پنجم قیصر ہند کا عہد دولت مہد بلحاظ امن و آسائش وصلاح و فلاح رعایا و عروج و استحکام سلطنت تاریخ عالم مین ہمیشہ یادگار رہیگا۔ دراصل ہز میجسٹی کی ذات بابرکات بلحاظ انتہا اقبال مندی و وسعت اخلاق اور کمال انسانی ہمدردی کے اپنی آپ ہی نظیر تھی اور بہ لحاظ ان برکات کے جو ہز میجسٹی کی ذات مستجمع صفات سے وابستہ تھے ان کے سایہ عاطفت کا ایک وسیع مملکت سے اٹھ جانا ہوا خواہان تاج برطانیہ کے لئے ایک سخت تاسف خیز واقعہ ہے۔ ملازمان اقدس و اعلیٰ اعلیحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی اس اندوہ گین موقع پر بلحاظ اس قدیمی اتحاد کے جو تاج برطانیہ کیساتھ ہے اور جس کو ہز میجسٹی کی وفاشعاری اور ہمدردی نے اور بھی مضبوط کر دیا اپنے دلی رنج و تاسف کا اظہار فرماتے ہیں اور حکم فرماتے ہین کہ بوجہ اس حادثۂ عظیم کے تمام ممالک محروسہ مین دفاتر سرکاری و مدارس وغیرہ یکہفتہ کامل تک بند رہیں (یعنی ۳ ذیقعدہ یوم شنبہ تک) اضلاع کی حد تک تعطیل کی مدت کا شمار اس دن سے ہوگا جبکہ جریدۂ غیر معمولی وہاں پہونچے گا۔ سید محمد مہدی
معتمد باب حکومت صدر اعظم باب حکومت بالقابہم

بحکم جناب معلیٰ ہز ایکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہم پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی معتمد باب حکومت صدر اعظم بالقابہم

پیشگاہ خسروی سے مرحمت شدہ فرمان مبارک مترشحہ ۱۵ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ نسبت التوائے تاریخ سلور جوبلی ہمایونی اطلاع عام کے لئے شائع کرنے کی عزت حاصل کیجاتی ہے۔ (سید محمد مہدی) معتمد باب حکومت صدر اعظم بالقابہم

فرمان

چونکہ ہز میجسٹی کنگ ایمپرر نے انتقال فرمایا ہے۔ لہذا جو سلور جوبلی کے تقاریب ماہ ذیحجہ آئندہ مین (یعنی ماہ فروری) ہونے والے تھے انکو مینے آئندہ ماہ رجب (یعنی ماہ سپٹمبر) ملتوی کر دیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسے حزن و ملال کے موقع پر ہمیں خوشی و مسرت کے تقاریب کو کسیطرح جائز نہیں رکھ سکتا۔ لہذا اس امر سے ربیٹین کمیٹی کو آگاہ کیا جائے تاکہ جلد انتظامات برخاست ہوں۔ (یہ جریدۂ غیر معمولی مین پبلک کی اطلاع کی غرض سے شائع کیا گیا ہے)

۲۵ شوال المکرم ۱۳۵۴ھ۔ ثبت شد دستخط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی

[illegible] جوبلی کا جشن ماتمی زمانہ مین ملتوی ہو گیا لیکن اب جشن جوبلی کی تاریخین مقرر ہو چکی ہیں ۱۴ اور یہ مبارک جشن ۱۳ فروری ۱۹۳۷ء کو منایا جاویگا اور تمام تقاریب مسرت و انبساط کیلئے ایک ہفتہ مخصوص کیا گیا ہے جو جوبلی ویک کہلائیگا۔ اس سلسلہ مین نمائش وغیرہ کا بھی انتظام ہے جو زیادہ دیر تک جاری رہیگا انشاءاللہ العزیز جشن جوبلی کی تفصیلات دوسرے موقعہ پر شائع ہونگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؕ

تیسرا حصہ

(سیرۃ عثمانی)

یعنے

اعلیحضرت سلطان دکن کے شمائل و خصائل

تمہیدی نوٹ

پچھلے اوراق میں اعلیحضرت سلطان دکن کے عام حالات زندگی اس عہد تک میں نے بالاختصار لکھدیے ہیں۔ گو مجھے اعتراف ہے کہ اس عہد زندگی کے تمام حالات معرض تحریر میں نہیں آسکے باین ہمہ جسقدر لکھا گیا ہے وہ بھی آپ کے سوانح حیات کے اظہار کے لیے کافی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ملوک و سلاطین کی زندگی کے واقعات کچھ ایسے نمایاں اور الم نشرح ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اجمال میں تفصیل کی شان رکھتے ہیں۔

سلطان دکن کے حالات زندگی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرتاً ایک ذہین

اور زیرک انسان ہیں جنکو دوءِ بین فکر اور عاقبت اندیش قوت ودیعت ہوئی ہے۔ ایامِ ولیعہدی سے لیکر عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے تک انکی زندگی ایک ایسے انسان کی زندگی ہے جو

علمی ترقیات ہی کا شیدائی ہے

حکومت اور دولت کی خواہش اسکے عمل سے مفقود نظر آتی ہے اور اسکا انتہائی مقصد ان ایام میں صرف علمی کمالات کا حصول ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک وسیع سلطنت کا والی پیدا کیا تھا اس عہد اکتسابِ علوم میں جو نصب العین اسکے سامنے نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ

ان علوم کو کسطرح اپنی رعایا کے لئے مفید بنا سکتا ہوں

وہ اپنی آنیوالی زندگی کا ایک مستقل پروگرام اسی عہد طالب علمی میں تیار کر لیتا ہے۔ اور بطور بنیادی اصولوں کے جس چیز کو وہ مقصدِ حکومت قرار دیتا ہے وہ

رعایا کی عام تعلیم اور مرفع الحالی ہے

اسی محور پر اسنے ان ایام میں اپنے دائرہ عمل کو کھینچ لیا تھا اور وہی شان آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں نظر آتی ہے اور اس رُوح اور جذبہ کو اسنے اپنے عمل سے پیدا کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے پڑھنے والے آئندہ اسکی تفصیل کو دیکھین گے۔

اس حصہ حیات عثمانی مین میں اعلیٰ حضرت سلطان دکن کی سیرۃ و کردار کے بعض پہلو دکھانا چاہتا ہون مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں پورے طور پر اس عملی تصویر عثمانی میں اخلاقی محاسن و اطوار کا صحیح اور مکمل نقشہ نہین کھینچ سکا لیکن جسقدر بھی میں دکھا سکا ہون وہ تصویر عثمانی کے سمجھنے کے لئے رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔

یون تو ہر شخص کی زندگی گوناگون عجائبات کا مجموعہ ہوتی ہے اور اسکے واقعات انسانی کریکٹر اور کردار کو علم النفس کی روشنی میں نمایان کرتے ہیں مگر ملوک اور سلاطین کی زندگیون کا اثر چونکہ ملک پر پڑتا ہے وہ زیادہ قابل غور ہوتی ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ کردار کی خوبی ہی ایک چیز ہے

جہاں ہر قسم کی مخالفتیں ختم ہو جاتی ہیں اور ایک

زبردست اتحاد کا وہ مرکز بن جاتا ہے

سلاطین اپنی رعایا پر حکومت کرتے ہیں یہ حکومت بظاہر قہری ہوتی ہے۔ اسلئے کہ حکومت اپنے احکام کے منوانے کیلئے زبردست قوت اور طاقت کے سامان رکھتی ہے اور وہ ایک قسم کی تخویف کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہے کچھ شک نہیں کہ قوت اور طاقت کا یہ مظاہرہ ایک خوف دلوں میں پیدا کر دیتا ہے اور اس خوف سے غلامانہ فطرت پیدا ہو کر انسان کو اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے۔ جہانبانی کے فلسفہ میں خوف کے مظاہرہ کو گو نمایاں کیا گیا ہو مگر حقیقت میں وہ تسخیر قلوب کا ذریعہ نہیں اسلئے بہترین بادشاہ کے لئے فوجوں کی کثرت اور آلات حرب و ضرب کی موجودگی رعایا کو بیرونی حملوں سے بچانے یا امن عامہ کے قیام کے لئے تو ضروری سمجھی جاتی ہے لیکن اسکی خوبی اور حکومت کا صحیح راز

اسکے اعلیٰ کردار میں مخفی ہوتا ہے

جو قلوب کی تسخیر کرتا ہے اور یہ تسخیر اس تسخیر سے ہمیشہ بالاتر سمجھی گئی ہے جو قوت کی نمایش اور خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اس تسخیر میں محبت کا جذبہ کام کرتا ہے اور وہ جس اطاعت اور وفاداری کے نتائج کو پیدا کرتا ہے وہ غیر فانی اور انمٹ ہوتے ہیں۔

سلاطین کی زندگیوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو انہیں کامیاب اور رعایا کا محبوب وہی بادشاہ ہوا ہے جسکی تلوار خون چکاں نہ تھی بلکہ جسکا دل اپنی رعایا کی محبت میں شاد و وسیع تھا اور جسکا ہاتھ

رعایا کی سرپرستی کیلئے دراز تھا

میں اس سلسلہ میں تمثیلوں کو پیش کر کے اس تمہیدی نوٹ کو لمبا نہیں کرنا چاہتا اور میں صرف اصولاً یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کچھ شک نہیں ایک جابر بادشاہ جو ہاتھ میں نیزہ و سنان رکھتا ہے اور جسکے تیور چڑھے ہوئے ہیں اسکی رعایا اسکے سامنے خراج عقیدت تسلیم

پیش کرتی ہے مگر عقیدت و تسلیم کا ایک نمایشی مظاہرہ ہے جسکے پیچھے بغاوت و غداری کے جراثیم ہیں لیکن جس عظمت و شوکت کا مظاہرہ جذبات محبت سے ہوتا ہے وہ حقیقی اطاعت و وفا کے اثرات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔

اسی اصل کے ماتحت جو علم النفس کے نتائج اور تجربوں پر قائم کیا گیا ہے میں دولت آصفیہ کے ساتویں بادشاہ کے کردار کو دکھانا چاہتا ہوں میں اس امر کے اظہار میں ذرا بھی نہیں رکتا اور جھجکتا کہ وہ ایک انسان ہے اور عام انسانوں کی طرح غلطیوں سے مبرا نہیں لیکن میں جس چیز کو نمایاں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسکی غلطیوں یا کمزوریوں میں انسانی کمزوری کا جذبہ تو ہے لیکن حسن نیت میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال میں اس حصہ میں اسکے کردار و اطوار کا ایک خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اسکی رعایا کے دلمیں اپنے بادشاہ کے لئے محبت و عقیدت کے جو جذبات موجزن ہیں اور جنکا ظہور ہر اس تقریب پر ہوتا ہے جو اسکے بادشاہ کی خوشی اور شادمانی کی تقریب ہو اس کی تہ میں **جبر و خوف کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا بلکہ محبت کے جذبات کا ظہور ہوتا ہے**

اسلئے میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے کہونگا کہ وہ آصف جاہ ہفتم کی سیرۃ و کردار کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ یہی وہ چیز ہے جس پر رعایا آصفی کو ناز ہے نہ صرف یہ کہ وہ اس چیز کو اپنے لئے موجب ناز و فخر سمجھتی ہے بلکہ یہی اطوار و کردار اسکے لئے اپنے نظام زندگی کیلئے **ایک بدرقہ کا کام دیتی ہے**

سلطان دکن کی سیرۃ پر مختلف پہلوؤں سے بحث ہو سکتی ہے اسکے فہم و فراست ملکداری سیاست و تدبر جہانبانی کا ایک خاص پہلو ہے مگر میں اس قسم کے سیاسی اسرار میں جانے کی کوشش نہیں کرونگا۔ میں اعلیحضرت کی سیرۃ کے ان پہلوؤں کو دکھانا چاہتا ہوں جو انسانی اور سلطانی دونوں شانوں کو جمع کئے ہوئے ہیں اس لئے میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کہونگا کہ وہ گو ایک انسان کی سیرۃ و کردار کو پڑھ رہے ہیں لیکن معاً انہیں ملحوظ

خاطر رکھنا چاہیئے کہ وہ

ایک بادشاہ کی سیرۃ پر غور کر رہے ہیں

عربی زبان میں ایک مقولہ ہے۔ "الناس علیٰ دین ملوکھم" اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگوں کی تمدنی معاشرتی زندگی پر سلاطین کے اطوار وحالات کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور لوگ اسی رنگ میں رنگین ہونا بہت بڑی سعادت اور خوبی سمجھنے لگتے ہیں اس نکتہ کو بہت ہی کم لوگوں نے سمجھا ہے کہ بادشاہوں کے اقتدار اور جاہ وجلال سے زیادہ موثر انکی ذاتی سیرۃ اور کردار ہوتا ہے وہ اگر اس زبردست اور موثر ہتھیار کے ذریعہ چاہیں تو

ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر سکتے ہیں

صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی شاہانہ زندگیوں میں جو سبق آموز حقیقت ہے وہ انکا کردار اور سیرۃ ہی تو ہے اور یہی وہ چیز تھی جسنے مختلف خیال مختلف مذاق اور مختلف اقوام کے لوگوں کو انکے حلقہ ارادت میں داخل کر دیا تھا

اور اسی نسخہ تسخیر و اکسیر نے انکو

مرکز کی حیثیت دیدی تھی

اس حقیقت سے دنیا ناآشنا ہو رہی ہے اور اب شاہ پرستی کے جذبہ پر موت آرہی ہے اسلیئے کہ حکومتوں اور سلطنتوں کا کمال اعلیٰ اخلاق نہیں بلکہ

جنگی قوت کا استحکام سمجھا جاتا ہے

یہ نظیریں ہمارے سامنے ہیں لیکن یہ حکومت انکے استقلال اور رعایا کے تسخیر قلوب کا ذریعہ نہیں ہے۔ ایسی تمام حکومتیں اور سلطنتیں اندرونی طور پر ہلاکت اور فساد کی طرف جا رہی ہوتی ہیں جہاں ذرا بھی موقعہ رعایا کو ملتا ہے وہ

انقلاب آفرین بغاوت کر دیتی ہے

اسلیئے اس قسم کی آفات اور مشکلات کا واحد علاج یہی ہے کہ ذات شاہانہ میں ایسی

خوبیاں اور کمالات ہوں کہ وہ ایک مرکزی اور اساسی حیثیت رکھ سکے۔ پھر کسی بادشاہ کے کمالات کے ظہور و بروز کے لئے ماحول اور اندرونی اور بیرونی مشکلات میں سے گزرنا ضروری ہوتا ہے اسکی سیرۃ و کردار کے پہلو نمایاں نہیں ہو سکتے جبتک وہ ایسے حالات میں سے نہ گذرے جہاں انسانی ہمتیں اور عملی قوتیں گھبرا جاتی ہیں۔ سلطان دکن کی سیرۃ اور کردار کو میں نے اسی لئے پیش کرنا ضروری سمجھا کہ میں یہ دکھانے کی کوشش کروں کہ

اسکی حکومت کی اساس محبت ہے خوف اور جبر نہیں

اور وہ اپنی رعایا میں اسلئے محبوب نہیں کہ اقتدار اور حکومت کی طاقت اسکے ہاتھ میں ہے بلکہ اس لیئے کہ وہ اپنے اطوار و کردار سے رعایا کا ہمدرد اور شفیق ثابت ہو چکا ہے اور اسکے سامنے اطاعت کے سر اسکی قہری اور جبری حکومت سے نہیں جھکتے بلکہ محبت اور احسان کی زبردست قوت ہے جو رعایا کے قلوب کو

عقیدت اور ارادت کا خراج ادا کرنے پر مجبور کر رہی ہے

اعلیحضرت سلطان دکن اپنے طرز عمل سے دنیا کی حکومتوں کو اس مرکز کے قائم کرنیکا سبق دے رہے ہیں جو اسوقت کی بالشویکی ہوا کے سبب سے اکثر ممالک میں ٹوٹ چکا ہے۔ اور اسنے ایسے ملکوں میں امن عامہ اور اخلاق کو تباہ کر دیا۔ میں نے دوسرے سوانح نگاروں کے خلاف یہ ضروری سمجھا کہ حیات عثمانی میں سیرۃ عثمانی کے باب کو نمایاں کروں تاکہ محبت اور اطاعت کے جذبات میں بیش از پیش ترقی ہو۔ اور وہ چیز جس نے ہمیشہ کے امن اور اخلاق کو قائم رکھنے میں مدد دی ہے اور جسے آج مختلف ممالک میں ترک کیا جا رہا ہے اسکی اہمیت سمجھ میں آوے۔ میں نے سلطان دکن کی سیرۃ کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے جو رعایا کے قلوب میں محبت اور اطاعت کے جذبات کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جو مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے لوگوں میں

زنجیر اتحاد کو ٹوٹنے نہیں دیتی

ہندوستان کی مختلف اقوام اور مذاہب کے لوگوں میں حیدرآباد سے باہر جو صدمہ پہونچا ہے اور جسکے بعض تلخ نتائج خون کے آنسو رلاتے ہیں اسکی جڑ یہی ہے کہ وہاں کوئی شخصیت ایسی نہیں جو

مرکزی حیثیت رکھتی ہو

لیکن حیدرآباد خطرناک طوفانوں میں بھی صحیح سلامت رہا ہے اور خدا کے فضل سے آئندہ بھی اسکی حفاظت کی امید کیجاتی ہے۔ اسلئے کہ سلطان دکن

رعایا کی بہتری اور ترقی کا خواہشمند ہے

اور رعایا اسکو محسوس کرتی ہے۔

الغرض میں نے سیرۃ عثمانی کے باب کو خصوصیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے میں نے اس خصوص میں یہ بھی پسند کیا ہے کہ میں سیرۃ عثمانی کا یہ گلدستہ ان گوناگون گلہائے خیال و تاثرات سے جمع کردوں جو مختلف لوگوں کے زاویہ نگاہ نے دکھایا۔ اسطرح یہ گویا مختلف لوگوں کے تاثرات اور مشاہدات ہیں۔ میں یہ کہونگا کہ رعایا میں اتحاد اور باہمی مودت و یگانگت پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ سلطان دکن کی سیرۃ و اطوار کو پیش کیا جائے اسلئے کہ اس نقطہ پر وہ سب اپنے اختلاف کو بھول کر متحد ہو سکتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ

وہ ہم سب کا محبوب بادشاہ ہے

ممکن نہیں یقین ہے کہ میں بعض پہلوؤں کا ذکر نہ کر سکا ہوں لیکن یہ کوئی ایسی چیز نہیں بعد میں آنیوالی تالیفات اس موضوع پر انکو نمایاں کرسکیں گی۔ وباللہ التوفیق

(عرفانی)

باب اوّل

سیرۃ عثمانی کا ایک دلکش مرقع

مصور فطرت کے قلم سے

سیرۃ عثمانی کا آغاز میں اس مرقع سے کرتا ہوں جو مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے سلطان دکن کو متعدد مرتبہ نہایت قریب سے دیکھکر اور پڑھ کر کھینچا ہے کچھ شک نہیں یہ تصویر بہت چھوٹی ہے مگر دیکھنے والے کے لئے اس میں تمام خط و خال پورے طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی تصویر کو اگلے ابواب میں انلارج کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب کی آنکھ سے اس مرقع عثمانی کو دیکھو۔

میر عثمان علی نام۔ مذہب اسلام۔ نسب صدیقی۔ لقب نظام آصفجاہ ہفتم۔ عمر چالیس سال قد چھوٹا جسم اکہرا۔ چہرہ کتابی۔ رنگ گندمی۔ ڈاڑھی صاف۔ مونچھیں گنجان۔ آنکھیں بڑی آواز بلند۔

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے حکمران ہیں۔ ایسی ریاست جس میں گذشتہ زمانہ میں چار بادشاہتیں قائم تھیں۔ اور اب وہ سب اعلیحضرت حضور نظام کے زیر حکم ہیں۔

مشرق کے بادشاہوں میں ان سے زیادہ عاقل۔ ان سے زیادہ مدبر (پالٹیشن) ان سے زیادہ کام کرنے والا۔ ان سے زیادہ جفاکش۔ ان سے زیادہ سادگی کی زندگی بسر کرنے والا



نواب ذوالقدر جنگ بہادر سابق معتمد امور عامہ

ایک بادشاہ بھی نہیں ہے۔

دنیا میں کسی ایک آدمی کے پاس اشرفیوں کی صورت میں اتنی دولت نہیں ہے۔ جتنی اعلیحضرت حضور نظام کے پاس ہے۔ اور موجودہ دنیا میں کسی بادشاہ کی حکومت نے رفاہ عام وخاص کے کاموں میں اتنا روپیہ خرچ نہیں کیا جتنا کہ میر عثمان علیخان آصفجاہ کے دور حکومت میں خرچ ہوا ہے۔ اور دنیا کے کسی ملک نے ایک حکمران کی حکومت میں اتنی ترقی نہیں کی جتنی حیدرآباد دکن کی ریاست نے ان کے دور میں ترقیاں کی ہیں۔ ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں کے رئیسوں کی آمدنی سے زیادہ آمدنی رکھنے والے جاگیردار حضور نظام کے سامنے صبح چھ بجے سے بارہ بجے تک ہاتھ باندھے نظریں نیچی کئے کھڑے رہتے ہیں۔ جن میں صرف پائیگاہ کے جاگیردار کی جاگیر ایک کروڑ روپئے سالانہ سے زیادہ ہے حضور نظام بہت کم ہنستے ہیں۔ انکی جسامت میں رعب کی کوئی بات نہیں ہے مگر انکی صورت میں ایک قدرتی ہیبت ہے جسکی وجہ سے ہر شخص انکے سامنے جا کر مرعوب ہوجاتا ہے۔ وہ بہت کم سوتے ہیں اور آج کا کام آج ہی ختم کر دیتے ہیں۔ وہ عموماً میز کے پاس کھڑے ہوکر کام کرتے ہیں اور اکثر پنسل سے لکھتے ہیں۔ ان کے حافظہ کی قوت بھی ہندوستان میں بے مثل ہے۔ ان کو مردم شناسی کی بہت بڑی مہارت ہے۔ ایک نظر میں انسان کی خصلت و خواہش کو پرکھ لیتے ہیں۔ انکے خاندان کو عالمگیر اورنگ زیب سے حکومت ملی تھی اسلئے انکے اندر اورنگ زیب کے صفات بہت زیادہ ہیں۔ وہ اورنگ زیب کیطرح ہر چیز اور تحریر کے ہر جملہ میں احتیاط اور دوراندیشی ہوتی ہے۔ وہ اگر ایک مقررہ حدود کی حکومت کے تاجدار نہ ہوتے اور ہندوستان کے ایک عام شہری ہوتے تو سارا ہندوستان انہی کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیتا۔ مگر عہد کی پابندیوں کے سبب ان کی دماغی دولت نہ خود ان کے ملک میں کام کر سکتی ہے نہ بیرون ملک میں وہ اپنے ملک کی جزئیات سے اتنے واقف ہیں کہ آجتک نہ کوئی ایسا ہوا نہ ہوسکیگا۔ ان کے دل کی بات اور روپیہ جمع کرنیکے مقصد کو سوائے ان کے دوسرا دنیا میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ (حسن نظامی)

سلطان دکن کا مذہب

آصفجاہ ہفتم کے شمایل واخلاق اور سیرۃ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے سے پیشتر سب سے اول میں انکے مذہب ومعتقدات کو بیان کرونگا۔ اسلئے کہ اخلاق کی حقیقی اور صحیح بنیاد تو حقیقی مذہب ہی پر رکھی گئی ہے اور انسانی کریکٹر وکردار میں اسی کو سب سے پہلا درجہ دیا گیا ہے۔

آصفجاہ ہفتم کے مذہب ومعتقدات کا بیان کرتے ہوئے میں دو صورتوں سے بحث کرونگا اول سلطان دکن کا مذہب بہ حیثیت بادشاہ اور سلطان دکن کا مذہب بحیثیت میر عثمان علیخان اس تقسیم سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں نمایاں کرسکوں کہ سلطان دکن جسکے ماتحت مختلف عقیدہ اور مذہب کے لوگ آباد ہیں اپنے ذاتی عقیدہ کی بنا پر

دوسروں کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتا

یا مذہبی آزادی میں وہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا۔

سلطان دکن بحیثیت بادشاہ کسی مذہب کا پابند نہیں اور یہ کہنا جائز ہوگا کہ اس خصوص میں وہ لامذہب ہے بشرطیکہ اسے لامذہب کہا جاوے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مختلف فرقوں اور عقیدوں سے قطع نظر اپنی رعایا کو اپنے مذہبی عقائد میں پوری آزادی دیتا ہے اور وہ ضروری سمجھتا ہے کہ ان کے عقائد ومعابد کا احترام کیا جاوے اسلئے کہ

یہ اسکی رعایا کی پیاری چیز ہے

میں اپنے تخیل سے یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں کہ سلطان دکن بحیثیت سلطان لامذہب ہے بلکہ اس نے خود ایک جریدہ کے ذریعہ اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے اور مذہبیت اور لامذہبیت دونوں کو جمع کرکے بتایا ہے یعنی بحیثیت بادشاہ وہ لامذہب اور بحیثیت میر عثمان علیخان وہ حقیقی مذہب اسلام کا ایک خادم ہے۔

چنانچہ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ یوم سہ شنبہ میں آپ نے اس کا اس طرح اعلان فرمایا۔

فرمان مبارک

چونکہ میں اس امر کی ضرورت محسوس کر رہا ہون کہ میرے بعض ذاتی اعمال
وافعال کیوجہ سے پبلک میں غلط فہمی نہ پیدا ہو یا بعض ناعاقبت اندیش
ونافہم طبقہ اصلی واقعات کو رنگ دیگر دوسری شکل میں پیش نکرے اس لئے
اس امر کو واضح کردینا چاہتا ہون کہ میرا خاندانی مذہب وذاتی عقاید جو کچھ
ہیں انکی توضیح کی اس جگہ چندان ضرورت نہیں ہے کہ وہ عالم آشکار ہیں
مگر اس کے قطع نظر بہ حیثیت رئیس میں ایک دوسرا مذہب بھی رکھتا ہون جسکو

صلح کل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

کیونکہ میرے زیر سایہ مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں اور انکے معابد کی
نگہداشت میرے آئین سلطنت کا ایک زمانہ سے وطیرہ رہا ہے۔ پس میں نہیں
چاہتا کہ **کوتاہ نظری سے کسی فرقہ ومذہب کی دل آزاری کرون**
یا اپنے مذہب میں اسقدر غلو کر جاؤں کہ اسکو تعصب کا لقب دیا جاوے
پس میرا اور میرے بزرگون کا یہ شعار رہا ہے کہ دنیا کے سب مذاہب کو ایک نظر سے
دیکھا جاوے بلا تفریق وامتیاز اور کسی کے ادائے فرائض مذہبی میں مخل
بنکر جبتک کہ اس سے نقض امن کا شبہ نہ پیدا ہو یا حیا سوز واقعات شاہراہ
پر رونما نہ ہون اپنی حکمرانی کو کمزور کرے بلکہ سب کے ساتھ

شیر و شکر کا برتاؤ کر کے نیک نامی حاصل کرے

البتہ اس توضیح کے بعد بھی اگر کوئی کورچشم روشنی آفتاب کو برابر نہ دیکھ سکے
تو اسکی بصارت کا قصور سمجھا جائیگا۔
الحاصل اس فقرہ پر اس تحریر کو ختم کرنا چاہتا ہون کہ شق دوم کے مدنظر میں

اپنے کو لا مذہب خیال کرتا ہون!

یعنی وہ لا مذہب نہیں جسکو دہریت کا لقب دیا جاتا ہے بلکہ

وہ لا جس میں الا بھی شریک ہے

ربط و کے ساتھ اور اس مشرب پر مجھے اور میرے بزرگوں کو ناز رہا ہے اور آئندہ رہیگا اور مجھے امید ہے کہ اسی کی تتبع میری اولاد بھی کرے گی۔

انشاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ جریدہ غیر معمولی میں طبع کر دیا جاوے۔

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ دستخط اعلیحضرت

یہ جریدہ غیر معمولی سلطان دکن کی مذہبی حیثیت بہ حیثیت بادشاہ کا اعلان ہے۔ اور اس میں اونھوں نے صاف الفاظ میں اپنے ذاتی عقیدہ کا بھی نہایت لطیف پیرایہ میں اظہار کر دیا ہے جہاں تک رعایا کے ساتھ تعلق ہے رعایا کا ہر فرد اپنے مذہبی عقیدہ میں پورا آزاد ہے اور حکومت آصفیہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اس کی مذہبی آزادی میں دخیل نہو۔ اور اسکے معتقدات کا جائز احترام کرے یہ

سلطان دکن کی مذہبی رواداری کا اعلان ہے

اور آپ کے اعمال اسکے موید ہیں کہ دولت آصفیہ مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں انکے مذہبی رہنماؤں اور مذہبی رسومات کا برابر احترام کرتی ہے جیساکہ میں اپنے اپنے مقام پر اسکا ذکر کرونگا۔

اعلیحضرت کا یہ اعلان وارشاد آصفی خاندان کی عملی روایات اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اسلام رواداری کی صحیح تعلیم دیتا ہے وہ مذہب میں جبر کو جائز قرار نہیں دیتا۔ دوسرے مذاہب کے مذہبی مقامات کی حفاظت کا حکم دیتا ہے اور اسلام ہی

حقیقی معنوں میں صلح کا مذہب ہے

بہرحال اعلیحضرت آصف جاہ ہفتم بہ حیثیت سلطان اپنا مذہب صلح کل قرار دیتے ہیں اب میں ان کے مذہبی معتقدات ان کی ذاتی حیثیت سے بیان کرتا ہوں

میر عثمان علیخان کا مذہب

میر عثمان علیخان اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت سے جس مذہب اور عقیدہ کے پابند ہیں وہ وہی مذہب ہے جو نسلاً بعد نسل آپ کو صدیقی ورثہ میں ملا ہے اور وہ اسلام ہے میں فرقہ بندیوں کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا اور نہ یہ اس کتاب کا موضوع ۔ اعلیٰحضرت نے بارہا اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے غلط فہم اور کوتاہ اندیش لوگ غلط نتائج نکالکر غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں ۔ میں آپ کے مذہبی معتقدات اور جذبات کو آپ کے آئینہ عمل میں دکھانا چاہتا ہوں میر عثمان علیخان ایک بادشاہ ہیں اور انکے فرائض و اعمال کا دائرہ امن عامہ کے مرکز پر کھینچا گیا ہے وہ کسی خانقاہ کے درویش زاویہ نشین نہیں ہیں کہ

ہر وقت تسبیح لیے ہوے بوریا نشین ہوں

بلکہ انکے دائرہ عمل کے لحاظ سے ہی انکی مذہبی زندگی کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ میں اسکو مختلف پہلوؤں سے پیش کرونگا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت

کسی مسلمان میں حقیقت اسلام اسوقت تک پیدا ہی نہیں ہوتی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے کامل عشق و محبت پیدا نہو قرآن مجید نے بھی اسی اصل کو پیش کیا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ محبوب الٰہی بن جائے اسکے لئے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرے اور کامل اتباع کا جذبہ اور طاقت پیدا نہیں ہوتی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کمال ایمان کا یہی نشان قرار دیا ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام رشتوں سے بڑھ کر محبوب نہیں ہو جاتے اس وقت تک ایمان کی حقیقت پیدا نہیں ہوتی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جان نثاری کا جذبہ آپ کو فطرتاً ابن صدیق اعظم

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہونے کی وجہ سے ملا ہے اس صدیقی فطرت کا مطالبہ میر عثمان علیخان سے بہت بڑا ہے۔ آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت اور عقیدت ہے اسکا اظہار آپکے کلام اور بعض اعمال سے جس حد تک ظاہر ہوتا ہے میں اسکو پیش کرتا ہوں۔

بارگاہ نبوی میں تاجدار دکن کی نذر عقیدت میر عثمان علیخان ایک بلند پایہ شاعر ہیں شاعرانہ بلند پروازیوں اور تخیل میں بھی وہ اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اپنا شیوہ سمجھتے ہیں۔ انکے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلال اور آپکے دامن سے وابستگی اور آپ کی محبت و اطاعت میں جان نثاری اور اخلاص کا اظہار اس کثرت سے ہے کہ اگر آپکے نعتیہ کلام کو ہی جمع کر دیا جائے تو

ایک مبسوط نعتیہ دیوان مرتب ہو جاوے

بہرحال میں اسکا کسی قدر اقتباس دیتا ہوں۔

از اعلیحضرت سلطان دکن میر عثمان علیخان بہادر شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ

ہوائے یثرب این گوید گل تازہ دمید اینجا — بپائے سر بیا عثمان محمد آرمید اینجا
تو طین کن تو در بطحا کہ ہر کس جا ہمی خواہد — رسول اینجا، نبی اینجا، ولی اینجا، شہید اینجا
شب چون باریاب روضہ اش گشتم ادب گفتہ — نہ این دربارہ آن باشد کہ کس گفت و شنید اینجا
الا اے غازیان خلد! فتح باب آسان شد — ریاض طیبہ میگوید کہ می باشد کلید اینجا
تو سجدہ گاہ جن وانس و حور و غلمان است — امیدم ہر و ہان گوید نباشی تا امید اینجا
زہے اے جنس عصیانم شفاعت شد خریدارت — طفیل احمد مرسل ببین کارم رسید اینجا
نہ من تنہا شدم محو جمالت، بلکہ اے عثمان — زخود رفتہ منصورؒ و جنیدؒ و بایزید اینجا

دیگر

بنہ بر پائے احمد سر کہ یابی صد وقار اینجا — زر اینجا گوہر اینجا حشمت اینجا افتخار اینجا
بہ طیبہ چون درانم با ہزاران شوق برخوانم — من اینجا، زندگی اینجا، اجل اینجا مزار اینجا
ز داغ عشق سر در سینہ گلزار جنان دارم — گل اینجا، لالہ اینجا، سنبل اینجا، نو بہار اینجا
زہے ہستی کہ باشد در خیال ساقی کوثر — خم اینجا جام اینجا و مے اینجا سرور اینجا خمار اینجا
نباشد جائے من جز آستان مصطفیٰ عثمان — سر اینجا، سجدہ اینجا، بندگی اینجا، قرار اینجا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اظہار عقیدت کی دو مختصر رنگین

حضور خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت کی شان کا اظہار سلطان دکن نے اپنے نعتیہ کلام ہی میں نہیں فرمایا بلکہ اس عقیدت نے مختلف رنگوں میں جلوہ گری فرمائی ہے چنانچہ اس خصوص و عقیدت کیشی کا ہی یہ کرشمہ ہے کہ سلطان دکن نے

سیرۃ نبوی کی اشاعت کا انتظام فرمایا

سیرۃ نبوی کی اشاعت | مولانا شبلی نعمانی کی حوصلہ افزائی حیدر آباد ہی سے ہوئی اور ایک معقول رقم اس مقصد کی تکمیل کے لئے دی گئی اور ایک مستقل ماہوار وظیفہ ابتک ادارہ سیرۃ نبوی اعظم گڑھ کو دیا جا رہا ہے۔ حیدر آباد میں سیرۃ نبوی کے جو جلسہ ہوتے ہیں اعلیٰحضرت نہایت اخلاص کیساتھ ان جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اسوقت آپ کے چہرہ اور طرز عمل سے کمال ادب اور انکساری کی شان جلوہ گر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق و محبت میں ایک کیفیت اپنے قلب میں رکھتے ہیں اور آپ کو اس تاج و حکومت پر اتنا فخر اور ناز نہیں جسقدر اس بخت رسا پر ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا شرف حاصل ہے

اور سچ تو یہ ہے کہ حکومت و سلطنت اسی شرف سے ملی ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے جدِ اعلیٰ سے ورثہ میں پایا ہے۔

مدینہ طیبہ میں برقی روشنی | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دائمی خواب گاہ سے محبت و اخلاص کا جذبہ اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ مدینہ منورہ کے متعلق جو بھی تحریک ہو ہمیشہ اعلیٰحضرت کمال مسرت سے اسمیں حصہ لیتے ہیں۔ جوار نبوی کے بہت سے لوگ آستانہ عثمانی سے اپنی معاش کا سلسلہ رکھتے ہیں۔

جن ایام میں ابن سعود کی حکومت کے خلاف ہندوستان میں بڑی سرگرمی سے پراپیگنڈہ ہو رہا تھا اور روضۂ نبوی پر سعودی حملے کی بے بنیاد خبریں اشاعت پا رہی تھیں۔ اعلیٰحضرت کو اپنے قلبی تعلقات کی وجہ سے ان خبروں کو پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ پچھلے دنوں نواب نظامت جنگ بہادر

(جنہوں نے اپنی بقیہ زندگی خدمت حرمین کے لئے عملاً وقف کر دی ہے) مدینہ طیبہ میں برقی روشنی کی تجویز کا اعلان کیا اور اسکے لئے اونہوں نے تیس ہزار کی اپیل کی اور اس اپیل پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں حیدر آباد کے ممتاز علمی فیاض خان بہادر حاجی احمد الہ دین او۔بی۔ای کا حصہ تھا۔ حیدر آباد کے اخبار سمجھتے تھے کہ اس اپیل کے کامیاب ہونے میں شبہ تھا چنانچہ رہبر نے لکھا تھا کہ "ہمیں شبہ تھا کہ تیس ہزار کی مطلوبہ رقم ان مفلس مسلمان اور ذی ثروت امراء کے پاس سے جلد نکل آئے گی جن سے اپیل کی گئی ہے اسواسطے کہ ان دونوں کا افلاس اور دولت دونوں عناصر نے بھی مسلمانوں کی قوت ایمانیہ کو کمزور کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے۔"

گو میں اس شبہ میں کبھی شریک نہ تھا۔ میں یقین رکھتا تھا کہ مسلمان اس اپیل کو ضائع نہ ہونے دیں گے۔

بہر حال اس اپیل کی اطلاع جب اعلیحضرت سلطان دکن کو پہونچی تو آپ نے

تمام اخراجات برقی روشنی کی منظوری دیدی

اسی رہبر نے اس اعلان پر لکھا کہ

شاہ ذیجاہ کو فخر موجودات و سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے اسکا حال ان لوگوں سے مخفی نہیں جن کو حضور والا کی خانگی زندگی کا علم ہے اور جنکو کلام الملوک ملوک الکلام کے پڑھنے اور اس کے مطالب و معانی سے لطف اٹھانے کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے ناممکن تھا کہ حرم شریف مدینہ طیبہ سے متعلق ایک ایسی ضروری تجویز حضور اقدس کے سمع ہمایوں تک پہونچتی اور عقیدت شاہانہ اور اسکے مبارک توسط سے حکومت شاہانہ کی توجہ حاصل نہ کرتی۔"

بہر حال اعلیحضرت نے ان مصارف کو منظور فرمالیا اور چونکہ اسوقت حکومت کے نام سے ابن سعود کی حکومت کو عزت خدمت حرمین حاصل ہے اسلئے اسکی منظوری لازمی ہے اس میں اعلیحضرت نے اسلامی احکام کی اطاعت کا نمونہ دیکھایا ہے۔ ابھی تک یہ تجویز ایک تجویز کا رنگ رکھتی تھی مگر اعلیحضرت کے تازہ فرمان مبارک نے اسے

قطعیت کا جامہ پہنا دیا

چنانچہ اس کے متعلق مندرجہ ذیل فرمان مبارک شایع ہوا ہے:۔

فرمان مبارک

مژدہ برائے مسلمانان عالم

میں نے اپنے سلور جوبلی کے چندہ میں سے مبلغ صـــ ہزار خاص طور پر مدینہ طیبہ میں برقی روشنی اور دوسرے جزوی متعلقہ امور کی سربراہی کیلئے علیحدہ رکھنے سے متعلق حکم دیدیا ہے اور امید ہے کہ قریب میں یہ مبارک و مذہبی کام انجام پائے گا (ایک کمیٹی کے توسط ہو گا جو گورنمنٹ کی مرتب کردہ ہوگی) تاکہ سعادت دارین کا موجب ہو سکے۔

الحمد للہ علیٰ ذالک

ابھی اس پر آٹھ روز بھی نہ گزرے تھے کہ اسی سلسلہ میں دوسرا فرمان نافذ ہوا جو قند مکرر کے نام سے شایع ہوا وہ یہ ہے۔

فرمانِ مبارک

(قندِ مکرّر)

میری سلور جوبلی کی تقریب میں صرفِ خاص کی حد تک جسقدر عام چندہ جمع ہوگا اسمیں سے کم از کم یعنے پچیس ۲۵ ہزار تک علیحدہ اوٹھا رکھنے کیلئے صرفِ خاص کے نام حکم دیدیا ہے تاکہ حرمین شریفین زاد اللہ شرفاً و تعظیماً کے ضروری ابواب کی تکمیل اس رقم سے کیجاسکے تاکہ نجاتِ اُخروی کا باعث ہو۔ باین خیال کہ یہ ہر دو مرکز پیروان اسلام کے قبلہ گاہ ہیں اِس مقدس کام کی تکمیل اُوسی کمیٹی کے توسط سے عمل میں آئیگی جسکو گورنمنٹ مقرر کریگی جس کے صدر نشین نظامت جنگ ہونگے اور اراکین خواجہ معین الدین و یٰسین خان (معتمد صرفِ خاص) اور امید ہے کہ کام بروقت اطمینان بخش طریقہ پر انجام پائیگا جسکی سعی ابھی سے کیجارہی ہے۔

ان فرامین کے اندراج کے بعد مجھے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں یا میں اس حصہ مذہب کو

لکھ رہا تھا کہ اعلیحضرت نے اپنے مذہب کا خلاصہ ایک تازہ ترین کلام میں رقم فرمایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اسکے پڑھ لینے کے بعد کسی مزید صراحت کی حاجت نہیں فرماتے ہیں۔

(قطعہ)

نسبِ من بود کہ صدیقی
سلسلہ باشد از سہروردی
ہست در اسمِ من علی عثمانؔ
طرّہ شد بر کلاہ زر دوزی

(قطعہ دیگر)

مذہبے ہست این نہ جائے لاف بود — مثل آئینہ کہ بس شفاف بود
نازم اے عثمانؔ براین تفصیلِ خویش — آبا و اجدادم ہمہ احناف بود

قرآن مجید سے محبت و عشق

اعلیٰ حضرت کو قرآن کریم کے ساتھ جو محبت و عشق ہے وہ محض عقیدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ قرآن مجید کے مضامین عالیہ اسکے حقایق ومعارف اور اسکی حیرت انگیز انقلابی قوت کو محسوس کرتے ہیں جو انسان کی زندگی میں ایک روحانی اور پاک تغیر کرتی ہے اور پھر قوموں کی ترقی کے لئے اس میں ایک انقلاب آفرین اسپرٹ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ قرآن شریف سنتے ہیں تو آپ کے قلب پر اسکا خاص اثر ہوتا ہے اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ آپ کی آنکھیں اس اثر کے اظہار میں اہل مجلس کی پرواہ بھی نہیں کرتی ہیں قلب میں جو خشیت پیدا ہو چکی ہوتی ہے وہ اپنا اظہار آنسوؤں کے رنگ میں کئے بغیر نہیں رہتی اس خصوص میں آپ کے معمولات میں یہہ بات بھی داخل ہے کہ آپ ہمیشہ یہ پسند فرماتے

ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا نہایت خوش الحان ہو اور قرآن کریم کے الفاظ کے ادا کرنے میں قرأت کے اصولوں اور صحیح مخارج سے واقف ہو یہ قرآن کریم کا حسن ظاہری ہے اور آپ پسند نہیں کرتے کہ کوئی کریہہ الصوت یا غلط پڑھنے والا قرآن مجید کسی مجلس میں پڑھے آپ ایک بصیرت اور شعور کے ساتھ جانتے ہیں کہ اسطرح قرآن کریم کا پڑھنا قرآن مجید کی عظمت و جلال کو بے اثر بنانا ہے اور بالکل اسپر ہی مثال صادق آتی ہے جو حضرت سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کی ہے ؎

گر تو قرآن بدین نمط خوانی　　ببری ہمہ رونق مسلمانی

سفر ہو حضر ہو جب بھی کسی شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ قرآن مجید نہایت عمدگی سے پڑھتا ہے اور وہ موجود ہو تو آپ ضرور سنتے ہیں چنانچہ ۱۹ ار شوال ۱۳۵۰ھ بروز ہفتہ آپ دہلی میں تشریف فرما تھے آپ خواجہ حسن نظامی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے وہاں مولوی قاری عبداللہ صاحب سیفی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ قرآن مجید ایک خاص طرز پر پڑھتے ہیں حضور نے قاری صاحب کو موقعہ دیا کہ قرآن مجید سنائیں چنانچہ اونہوں نے اپنے مشہور طرز قرارت سے اعلیحضرت کو قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ کر سنایا جس سے اعلیحضرت بہت متاثر ہوئے۔

قرآن مجید کی اشاعت کیلئے جوش

قرآن مجید کی اشاعت کے لئے بھی فطرتی رنگ میں آپ کے دل میں ایک جوش ہے بمبئی میں مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کے لئے ایک نام نہاد کمیٹی قائم ہوئی۔ حکیم محمد یعقوب صاحب اسکے کارکن تھے اونہوں نے قرآن مجید کا گجراتی ترجمہ کیا اسکو اشاعت کیلئے اعلیحضرت نے ایک کثیر رقم عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ہی صہ ماہوار تا حیات انکی پنشن مقرر کر دی۔ افسوس ہے کہ وہ اس کام کو پوری سرگرمی سے سرانجام نہ دیسکے ورنہ یہہ سلسلہ مفید ہو سکتا تھا۔ اسی طرح شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان کو قرآن مجید

گورمکھی ترجمہ کے لئے اسکے پورے اخراجات کی آپ نے منظوری دیدی اور مسٹر مارماڈیوک پکتھال نومسلم کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے لئے ہزار ہا روپیہ دیئے اور ہر قسم کی آسانیاں انکے لئے مہیا کیں ایک لمبے عرصہ کیلئے پوری تنخواہ پر انہیں رخصت دی اور قیام مصر وغیرہ کے اخراجات بھی دیئے۔ غرض قرآن مجید کی اشاعت کے لئے آپ کے دل میں ایک جوش ہے اور بلا امتیاز فرقہ آپ اس مقصد میں امادہ امداد رہتے ہیں اگر کوئی ایسی تحریک جو قرآن مجید کی اشاعت کے سوال کو لئے ہوئے ہو آپ کی اعانت و شمولیت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے تو اسکی ذمہ داری ان لوگوں پر ہو سکتی ہے جو اسکے اعلیحضرت تک پہونچانے کیلئے ذمہ دار ہیں:

اسلامی اداروں کی سرپرستی

مختلف اسلامی اداروں اور انکے کارکنوں یا بانیوں کی ہمیشہ سے دولت آصفیہ نے قدر افزائی اور سرپرستی کی ہے ہی شان آصف جاہ ہفتم میں موجود ہے مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ کے علاوہ ہندوستان کے کثیر اسلامی ادارے اور قومی کام کرنے والے مسلمان دولت آصفیہ سے گران قدر وظائف پارہے ہیں علماء و مشایخ کا اسقدر احترام کیا جاتا ہے کہ ملاقات کیوقت وہ ان اداب و مراسم کی پابندیوں سے آزاد ہیں جو دوسروں کے لئے مقرر ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہہ بھی ضروری ہے کہ یہہ لوگ

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

کے مصداق ہوں ورنہ ایسے لوگ جو علماء اور مشایخ کے لباس میں ایسے افعال کے مرتکب ہوں جو شان اسلام سے گرے ہوئے ہوں تو آپ فوراً انکو ٹوک دیتے ہیں۔

آداب شعائر اللہ

اعلیحضرت شعائر اللہ کا ادب نہایت اخلاص سے کرتے ہیں اس کا اندازہ مختلف واقعات سے ہوتا ہے جنکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

خدا کے گھر میں بادشاہ اور فقیر برابر ہیں

بادشاہ کا مرتبہ و مقام ملک اور قوم میں ممتاز ہے اور اسے ظل اللہ یا ظل سبحانی سمجھا جاتا ہے اور مختلف ممالک کی تاریخ بادشاہ کے احترام کی خصوصیات کو ہر موقعہ پر جاگزینی رکھتی ہے۔ اسلام نے بادشاہ کے جائز احترام کو بجائے خود قائم رکھکر اخوت و مساوات انسانی کے مرتبہ کو بھی زائل نہیں ہونے دیا لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمان بادشاہوں میں بھی یہ امتیازی روح کم ہوتی چلی گئی۔ انکے آداب کے اظہار کے طریقوں میں ایسی باتیں داخل ہو گئیں جو جائز نہیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مساجد میں بھی انکے احترام و اکرام کی خصوصیات کو نظر انداز نہ ہونے دیا جانے لگا۔

دولت آصفیہ میں بھی یہ رسم قدیم الایام سے جاری تھی کہ جب سلاطین دکن مسجد میں عبادت کیلئے آتے تو لوگ انکی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے یہ رسم برابر چلی آتی تھی۔ لیکن حضرت آصف جاہ سابع میر عثمان علیخاں بہادر جب سریر آرائے دولت آصفی ہوئے اور مکہ مسجد میں ادائے فریضہ نماز کے لئے تشریف لیگئے تو آپ کو یہ حیرت انگیز منظر نظر آیا کہ **تمام لوگ تعظیم کیلئے کھڑے ہیں اور رسمی اور درباری آداب بجا لا رہے ہیں**

اس نظارہ کو دیکھکر آپ کے قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ اور آپ نے محسوس کیا اگر اس رسم کا استیصال نہ کیا گیا تو یہ اسلامی مساوات اور خدا کے گھر کی سخت توہین ہے اور ایک غیور فرزند اسلام خصوصاً بادشاہ کے لئے اس سے بڑھکر بے حمیتی نہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے آئندہ اسکی اجازت دے اور اسے جاری رہنے دیا جاوے۔

چنانچہ آپ نے نہایت سختی کے ساتھ اس دستور کو روک دیا اور فرمایا کہ

خدا کے گھر میں بادشاہ اور فقیر برابر ہیں

"آصف جاہ سابع اور عام مسلمانوں میں قطعاً کوئی تمیز نہیں ہونی چاہیئے اور سب کو ایک رنگ میں خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہونا چاہیئے"

اعلیٰحضرت کا یہ فعل اور ارشاد اپنے اندر آپ کی سیرۃ اور احکام اسلامی کے احترام وغیرت کی ایک طویل حقیقت کو لئے ہوئے ہے۔ اور اس سے اس اخلاص اور انکساری کا پتہ ملتا ہے جسکو لیکر وہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہیں۔

جب سے آپ نے یہ ارشاد نافذ فرمایا اب کسی شخص کو یہ ہمت وحوصلہ نہیں کہ وہ مسجد میں آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوسکے خواہ محبت اور ادب کے جذبات میں کیسا ہی ہیجان ہو لیکن اعلیٰحضرت ایک آن کے لئے بھی اسکو روا نہیں رکھ سکتے کہ کوئی شخص آپ کی تعظیم کیلئے مسجد میں کھڑا ہوجاوے اور اگر احیاناً کبھی ایسا واقعہ ہوجائے تو ایسا شخص ملامت کے قابل سمجھا جائیگا۔ اس لئے جب آپ مسجد میں تشریف لیجاتے ہیں یا کسی اور دینی جلسہ میں تشریف لیجائیں تو عملہ انتظام پہلے سے لوگوں کو آگاہ کردیتا ہے کہ کوئی صاحب اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور نہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوں بلکہ وہ ایسے طور پر بیٹھے رہیں کہ گویا کوئی خاص واقعہ ہوا ہی نہیں

آپ کا معمول ہے کہ آپ تشریف لاتے ہیں اور ایک خاص جگہ پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور نماز ادا کرکے اپنے معمولات سے فارغ ہوکر تشریف لیجاتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ کا اظہار میں ضروری سمجھتا ہوں ایک مرتبہ آپ ایک مجلس وعظ میں تشریف لیگئے ایک درباری بھی وہاں موجود تھے ایسے جلسوں میں جہاں اعلیٰحضرت کی شمولیت کا امکان ہو یا پہلے سے کوئی خبر ہو درباری بھی پہونچ جاتے ہیں اس درباری نے جب دیکھا کہ اعلیٰحضرت تشریف لاتے ہیں تو اسنے آپ کو دیکھ کہ بگلوس (کمربند) باندھ لیا آپ نے اسکی اس حرکت کو دیکھا اور وہاں ہی پوچھا یہ کیوں؟ اسنے نہایت ادب اور احترام سے عرض کیا کہ حضور کی تشریف آوری کی وجہ سے غالباً

درباری صاحب کو خیال ہوگا کہ میرا یہ فعل نہایت عزت کا مستحق ہوگا اور میری وفاداری اور اطاعت گزاری کے جذبات کی خاص قدر ہوگی مگر دولت آصفیہ کے تاجدار اور اسلام کے مایہ ناز فرزند نے ایک ایسی شان سے جس میں خسرویت کے مقابلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت وارادت کا جذبہ ازبس غالب تھا فرمایا

یہ میرا دربار ہے یا رسول اللہ کا دربار ہے

ان الفاظ نے درباری صاحب پر جو اثر ڈالا وہ میری کسی تصریح کا محتاج نہیں اسے اور تمام حاضرین کو معلوم ہوگیا کہ آصف جاہ ہفتم اس سلطنت اور حکومت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں کیا حیثیت دیتا ہے۔ اسیطرح ایک مجلس وعظ میں ایک بہت بڑا مشہور واعظ منبر پر بیٹھا ہوا تھا اعلیحضرت اس مجلس کے فیوض سے حصہ لینے کے لئے تشریف لے گئے واعظ نے اپنے وعظ کو روک دیا اور اعلیحضرت کے حضور آداب بجالایا

آپ کی طبیعت پر اس سے بہت برا اثر پڑا اور آپ نے فوراً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے فرمایا

"آپ وعظ کر رہے ہیں یا سلام کر رہے ہیں سلام مجھ پر واجب تھا کہ میں اس مجلس میں آیا تھا نہ کہ آپ پر آپ منبر نبوی پر کھڑے ہوکر میرے جیسے دنیا دار کی تعظیم کرتے ہو۔ کیا دوسرے مسلمان جو اس جلسہ میں آتے ہیں انکو بھی اسیطرح سلام کرتے ہو؟ کیا میں ہی ایک مسلمان تھا کہ آپ نے اسطرح منبر نبوی پر ہوکر تعظیم شروع کردی؟"

ظاہر ہے کہ اس کلام نے وہ اثر پیدا کیا جو سینکڑوں اور ہزاروں واعظین کا کلام بھی پیدا نہیں کرسکتا یہ باتیں آپ نے تکلف سے نہیں کہی ہیں بلکہ آپ کے قلب کے تاثرات کا ظہور تھا۔ اس قسم کی مثالیں آپ کی زندگی میں بہت ملتی ہیں کہ آپ نے شرفِ انسانیت کے مقام کے لئے ہر ایسی چیز کو ترک کردیا جس سے جذبہ مساوات و

اخوت انسانی کو صدمہ پہونچتا ہو۔

مولانا شوکت علی کا چشمدید بیان | مولانا شوکت علی صاحب ۱۹۲۷ء کی عید الفطر کی تقریب پر حیدر آباد گئے ہوئے تھے اور انہیں حیدر آباد ہی میں ادائے نماز کا موقعہ پیش آیا اور وہ بھی اعلیحضرت کے ساتھ انہوں نے اپنے قلبی جذبات اور تاثرات کو ان الفاظ میں شایع کیا۔

موجودہ شاہ دکن نے سخت احکام جاری کر دئے ہیں کہ جب وہ مسجد یا عیدگاہ میں آئیں تو کوئی انکی تعظیم کے لئے کھڑا نہو۔ اور شاہی اداب کو بجا نہ لائیں وہ معمولی مسلمان کی طرح آتے ہیں نماز جمعہ کے بعد بھی انکا دستور ہے کہ خوش آواز عرب پڑھنے والوں سے قرآن مجید کا ایک آدھ رکوع سنتے ہیں چنانچہ عید کی نماز کے موقعہ پر بھی نماز عید ہوئی خطبہ ہوا اسکے بعد لوگ ملکر رخصت ہونے لگے مگر اعلیحضرت بیٹھے رہے قاری ابراہیم حجازی کی زبان سے کلام پاک سُنا۔

نماز کا ادب | خواجہ حسن نظامی صاحب اعلیحضرت کے فروری ۳۳ء کے سفر دہلی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ جامع مسجد دہلی میں نماز جمعہ کے بعد جب اعلیحضرت کی واپسی ہوئی تو بلند آواز سے اپنے افسران کو حکم دیا کہ

دیکھ کر چلو لوگ نماز پڑھ رہے ہیں کسیکو تکلیف نہو

اس حکم کا دہلی کے مسلمانوں پر اچھا اثر ہوا اور آجتک اسکا چرچا ہے کہ اعلیحضرت کے دلمیں نماز کا کتنا زیادہ احترام ہے۔ (یہ ۱۹ فروری ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے۔ عرفانی)

ایک تازہ ترین واقعہ | ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو سفر دہلی کے سلسلہ میں آپ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ کی مسجد میں بغرض نماز تشریف لے گئے ایک شاعر نے کھڑے ہوکر آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ شروع کیا۔ یونہی آپ کی توجہ اسطرف ہوئی اس نے ابھی ایک دو شعر ہی پڑھے تھے خواجہ حسن نظامی کو کہا کہ انکو

"روکدو یہ خدا کا گھر ہے یہاں بندوں کی تعریف جائز نہیں ہے۔ سوائے ایک بندہ کے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے باقی کسی بندہ کی تعریف مسجد میں نہ ہونی چاہیئے۔ اسلام نے خدا کے سامنے ہر شاہ و گدا کو مساوی کر دیا ہے"
آپکے اس ارشاد سے اس محبت کی ایک شان نظر آتی ہے جو آپ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو خوب سمجھتے ہیں۔

صحابہ کرام۔ ائمہ اہل بیت و آل اطہار سے محبت

اعلیحضرت سلطان دکن کو صحابہ کرام۔ ائمہ اہل بیت اور آل اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی کامل اخلاص اور محبت ہے۔ بعض نادان اعلیحضرت کی ائمہ اہل بیت سے محبت و اخلاص کو فرقہ بندی کی نظر سے دیکھتے ہیں جو سراسر غلط۔ یہ سچ ہے کہ اعلیحضرت ائمہ اہل بیت اور آل اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت میں ایک خاص رنگ رکھتے ہیں۔ لیکن اسکو فرقہ بندی سے کوئی تعلق نہیں۔ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی آپ کے دل میں مخلصانہ عظمت اور محبت ہے چنانچہ صحابہ کرام کے یوم وفات پر ریاست میں تعطیل ہوتی اور اس تقریب پر محکمہ امور مذہبی کی طرف سے فاتحہ خوانی کا پورا اہتمام ہوتا ہے اور خود اعلیحضرت کی اپنی یہ حالت ہے کہ اس روز آپ کسی ایسی تقریب میں جو تقریب مسرت یا تفریح ہو شریک نہیں ہوتے ہیں اسکے ثبوت میں آپکے حالیہ سفر دہلی کا ایک واقعہ درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء میں وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے وداعی ملاقات کرنے کے لئے آپ دہلی تشریف لیگئے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے (جنکو یہ عزت حاصل ہے کہ اعلیحضرت انکے مکان پر بھی تشریف لیجاتے ہیں) اس موقعہ پر ایک مجلس سماع کا انتظام کیا اور حسن اتفاق سے یہ مجلس سماع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کے دن واقع ہو رہی تھی۔ خواجہ صاحب نے اعلیحضرت کو بھی اس مجلس میں مدعو کیا۔ اعلیحضرت نے اپنے جذبات کا اظہار ایک مکتوب عثمانی کے ذریعہ فرمایا۔ میں

اس مکتوب اور اس پر خواجہ صاحب کے ریمارک کو من وعن درج کرتا ہوں اسلئے کہ اس کے ذریعہ بہت سے وساوس کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے

حسن نظامی صاحب

بعد نماز جمعہ ۱۹ ماہ ذی الحجہ کو قوالی کی شرکت کی دعوت دی ہے تو اسکا
متعلق عرض یہ کہنا ہے کہ یہ تاریخ بہت سے بزرگ اسدن خلیفہ سوم
کی شہادت یہ واقع ہوئی ہے جسکا ہمکو (یعنے اہل سنت)
احترام کرنا ہے جو کہ امام و صحابہ مقبول سب کے اسلئے اگر
جمعہ ۲۰ مارچ کو اگر یہ تقریب ہوئی تو میں زیارت
سے فارغ ہوکر (بعد نماز جمعہ) اسمیں تو بلیش پر
شرکت کرسکتا ہوں اسلئے ارادہ ہے کہ اپنا جلسہ کو قائم کریں بعد از اسکے فارغ ہوکر
نماز ادا کرکے ان سے بہرحال ہمارا فرض ہے کہ حسن کی
جیسی مجلس شرکت ہے اور کسکا صبح تھوڑی میں اعتراف کرنا
مجھ امید ہے کہ میرا منشا ہو صاف ظاہر ہوجائیگا خواجہ صاحب سے

[illegible signature]

اعلیحضرت کے ادب اور حضرت خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کے احترام کے اظہار کیلئے اس خانگی مکتوب مبارک کو اجازت حاصل کئے بغیر شایع کیا جاتا ہے تاکہ ہر مسلمان کو معلوم ہو جائے کہ انکے اسلامی بادشاہ کے دل میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسقدر ادب ہے کہ انکا نام نامی سلسلہ عبارت میں نہیں بلکہ خط کے اوپر لکھا ہے۔ اور حضرت خلیفہ سوم کے یوم شہادت کا احترام بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حسن نظامی نے ۱۸ ذی الحجہ کو قوالی کی مجلس قرار دی تھی اور اعلیحضرت کو مدعو کیا تھا کیونکہ حسن نظامی کو معلوم نہ تھا کہ اس روز حضرت عثمان رضی کی شہادت ہوئی ہے مگر اعلیحضرت نے یہ لکھکر اس کو آگاہ فرمایا اور اسنے قوالی کی تاریخ مذکورہ کو ملتوی کر دی خط کے آخر میں اعلیحضرت نے مکرر وضاحت فرمائی کہ "ہمارا فرض ہے کہ جسکی جیسی کچھ منزلت ہے اسکا صحیح معنوں میں اعتراف کریں۔

حاشیہ: رسالہ الخ — خواجہ حسن نظامی صاحب

مکتوب مقدس کی عبارت | چونکہ مکتوب مقدس شکستہ خط میں ہے۔ لہٰذا اس کو صاف حروف میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے پڑھ سکے۔ اور اسکو حضور عالی کے منشائے مبارک سے آگاہی ہو جائے۔ مکتوب مقدس کی عبارت یہ ہے۔

حسن نظامی صاحب

بعد نماز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ کو جو قوالی کی شرکت کی دعوت (آپنے) دی ہے تو اس کی متعلق مجھے (یعنی حضور ظل سبحانی کو) یہ کہنا ہے کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر اسدن خلیفہ سوم رضی کی شہادت بھی واقع ہوئی ہے جسکا ہمکو (یعنی اہل السنن کو) احترام کرنا ہے جو کہ داماد و صحابی جلیل رسول تھے۔ اسلئے آئندہ جمعہ ۲۰ مارچ کو اگر یہ (مجلس قوالی) مقرر ہوتی تو میں (درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کی) زیارت سے فارغ ہو کر (بعد نماز جمعہ) اس میں خوشی سے شرکت کرتا۔ اسلئے ارادہ ہے کہ آئندہ جمعہ ۱۳ مارچ کو جامع مسجد میں نماز ادا کروں۔ بہر حال ہمارا فرض ہے کہ جسکی جیسی کچھ منزلت ہے اس کا صحیح معنوں میں اعتراف کریں مجھے امید ہے کہ میرا منشا صاف ظاہر ہو جائیگا خواجہ صاحب پر (ع) یہ حضور کے اسم مبارک کا پہلا حرف ہے جسکا حضور اختصار کیلئے تحریر فرمایا کرتے ہیں) ۱۱ مارچ ۱۹۳۶ء

حسن نظامی کی رائے | یہ مکتوب مبارک رات دن سے اعلیٰ و ارفع ہے لیکن وضاحت کیلئے یہ لکھنا ضروری ہے کہ حضور اقدس کا یہ مکتوب عالی تمام اسلامی دنیا کی توجہ کے قابل ہے کہ انکا ایک جلیل القدر

بادشاہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس قدر عزت ملحوظ رکھتا ہے اور حضور رسول مقبول کے اسم پاک کے احترام کا بھی اس کو اس قدر خیال ہے کہ خط کے اوپر یہ نام نامی لکھا گیا ہے لہذا ہر مسلمان کو ایسے ادب شعار بادشاہ اور اس کی سلطنت کیلئے دعا خیر کرنی چاہیئے۔ یہ لکھنا بھی مناسب ہے کہ اعلیحضرت ۲۰ رمارچ کو حسب وعدہ میرے مکان پر تشریف لائے تھے۔ کرنگ جارج کے ماتمی ایام کے سبب ارشاد ہوا کہ قوالی ملتوی رہنی مناسب ہے۔

خواجہ صاحب نے واقعات کا اظہار کر دیا ہے اور یہ مکتوب بجائے خود اعلان حقیقت ہے خصوصاً اعلیٰ حضرت نے اپنے مذہب کو بالفاظ

ہمکو یعنی اہل سنن کو احترام کرنا ہے

واضح کر دیا ہے۔ میں اعلیحضرت کے کلام اور ارشادات سے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے متعلق آپ کے عقائد و جذبات کی بہت بڑی تفریح اور تفصیل کر سکتا تھا۔ مگر میں ایک ظاہر و باہر بحث میں پڑنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔

بزرگان دین سے عقیدت

اسی طرح اعلیحضرت کو جمیع بزرگان دین سے محبت و اخلاص ہے بہت ممکن ہے جطرح بعض خام کار آپ کی آل اطہار اور آئمہ اہل بیت سے محبت کو دوسرے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ لوگ جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے محبت و اخلاص کے مقام کو کسی اور نظر سے دیکھتے ہیں جب اعلیحضرت کی ارادت دربار اجمیر اور بزرگان دہلی اور گلبرگہ اور حیدرآباد کا عملی اظہار دیکھیں تو ایسے کسی اور نگاہ سے دیکھنے لگیں اور اہلحدیث کے علماء کا نقطہ خیال کچھ اور ہو جائے مگر صحیح یہ ہے کہ اعلیحضرت کو بزرگان دین اور اولیاء امت کے ساتھ خاص محبت و اخلاص ہے۔ وہ انکی اسلامی خدمات اور ذاتی برکات کے قایل ہیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ ہر مسلم کے لئے ضروری ہے۔ میں جانتا ہوں لوگوں نے اصل حقیقت سے ناآشنا ہوکر افراط و تفریط پیدا

کرلی لیکن جہانتک ان بزرگانِ دین سے محبت واخلاص کا سوال ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ حدادب سے گزر کر شوخی اور گستاخی سے کام لیتے ہیں اونہوں نے اولیاء اللہ کی شان کو سمجھا ہی نہیں اور ادب ہی ایک چیز ہے جو اس راہ کے لئے ضروری ہے چنانچہ کہا گیا ہے۔

الطریقۃ کلہا ادب

بہرحال آپ کو اولیاء اللہ سے محبت ہے اور وہ اپنی سمجھ اور فکر کے موافق اس محبت کے مظاہرے بھی کرتے ہیں

مجالس مولود میں شرکت و اصلاح مجالس

اعلیٰحضرت مجالس میلاد میں تشریف لیجاتے ہیں اور یہ مظاہرہ ہے اس محبت کا جو آپ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے حیدرآباد میں ان مجالس کے متعلق ایک قسم کی بے ترتیبی کا ظہور ہونے لگا تو آپ نے ایک جریدہ خاص کے ذریعہ اسکی اصلاح کی یہہ جریدہ ۳ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ بروز پنجشنبہ شائع کیا گیا تھا اور وہ حسب ذیل ہے۔

فرمان مبارک

قطعہ

نسیم صبح در گلہا دم عیسیٰ دمد اینجا ۔۔۔ چمن خرمت حیات جاودان در بر کشید اینجا

زہے طالع کہ بینم جمع سامان چمن عثمان ۔۔۔ ظفر اینجا شرف اینجا نشاط اینجا و عید اینجا

سال گذشتہ مجالس میلاد النبی صلعم جو دارالسلطنت میں ہوئے ان میں بے ترتیبی و نقص معلوم کر کے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ اسکی اصلاح کے متعلق ضروری ہدایات دوں وہ یہ ہے کہ یہ مجلس خاص ماہ ربیع الاول میں منعقد ہونی چاہیئے نہ کہ دوسرے مہینوں

میں کیونکہ اس ماہ کو تولد شریف ہونے کی وجہ فضیلت ہے۔ دوم یہ کہ ہر صیغہ یا محکمہ بطور خود علیحدہ مجلس قائم کرنے کے عوض مناسب ہوگا کہ جتنے صیغے یا محکمے اس سعادت میں حصہ لینا چاہتے ہوں وہ سربستہ رقم (جو چندہ سے جمع ہوگی) امور مذہبی میں ایصال کر دیا جاوے تا کہ صیغہ امور مذہبی اس کام کو بطور خود انجام دے۔ سوم یہ کہ اس مجلس کے لئے پاک وصاف مقام ہو۔ چاہیے نہ کہ گلی کوچہ یا شاہراہ پر بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ اس کام کے لئے مکہ مسجد تجویز کی جاوے جو سب سے بڑی مسجد ہونے کے علاوہ اس کام کے لئے ہر پہلو سے موزوں [illegible] م ہے۔ چہارم یہ کہ نظام الاوقات ایسا ہونا چاہیئے جس کی پابندی میں شرکا کو کسی قسم کی تکالیف کا سامنا نہو (نہ کہ دوپہر سے آدھی رات تک) مثلاً نماز عصر سے تا نماز عشا جس میں قرأت قصیدہ بردہ سہ وقت کی نماز شامل کر لی جاوے اور اس میں جو اشخاص شریک ہوں وہ باطہارت و باوضو ہونا چاہیئے۔ پنجم یہ کہ جو اشخاص بطیب خاطر اس کام کے لئے چندہ دینا چاہیں وہ صیغہ امور مذہبی میں بھجوا کر رسید حاصل کر سکتے ہیں اور صیغہ امور مذہبی کو حکم دیتا ہوں کہ جسقدر رقم چندہ جمع ہو جاوے اسکی اطلاع سرکار کو کر کے انتظام شروع کر دے یعنی سہ ربع رقم میں سے غربا و مساکین کو اس دن کھانا کھلایا جاوے یا پارچہ تقسیم کیا جاوے اور ایک ربع رقم میں سے ضروری ابواب مجلس کی تکمیل کی جاوے مثلاً معمولی جماعت قصیدہ بردہ انتظام روشنی یا قہوہ وعود اگر بتی غیرہ اور صیغہ امور مذہبی پر لازم ہوگا کہ سرکار سے استمزاج کر کے کوئی تاریخ ماہ ربیع الاول کے اواخر میں اس کام کے لئے قرار دے اور اسکا نظام الاوقات مرتب کر کے عوام و شرکا کی اطلاع کی غرض سے (بذریعہ اشتہار) طبع کرائے جس کے لئے دو ہفتہ کی مہلت کافی ہے۔

(۲) اس مجلس کو ان سرکاری مجالس وخطبہ سے تعلق نہو گا جو کہ سالہا سال سے عمل میں آتے ہیں ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ جریدہ غیر معمولی میں طبع کرایا جاوے۔

بدستخط مبارک سلطان دکن

اس فرمان پر کسی ریمارک کی ضرورت نہیں آپ کا منشا ظاہر ہو رہا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے مذہبی کاموں میں ایک تنظیم ہو۔ اور اس قسم کی مجالس کا نظام الاوقات ٹھیکا دینے والا نہو اور چندوں کا اہتمام بھی ایک ذمہ دار ادارہ کے ہاتھ میں ہو تاکہ کسی قسم کی بے اعتدالی اور بے احتیاطی نہ ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کا جو پروگرام سلسلہ احمدیہ نے جاری کیا ہے وہ اعلیحضرت کی نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ اس طریق کو آپ ضرور پسند فرماتے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اور کمالات کے اظہار اور دنیا میں آپ کی شان جلیل کے متعلق صحیح معلومات پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

بہرحال آپ نے پسند فرمایا کہ میلاد النبی کے جلسوں میں تنظیم ہو۔ اور آپ ایسے جلسوں میں بہ عقیدت تمام شریک ہوتے ہیں۔

سلطان دکن کی زندگی کے مختلف مناظر

ایک انسان اور پھر بادشاہ انسان کی زندگی کے پہلوؤں کو بیان کرنا بہت مشکل ہے اور پھر ہر شخص ہر آدمی کو اپنے نقطۂ خیال سے دیکھتا ہے اور یہ قدرتی بات ہے۔ انسانوں ہی کی نسبت یہ نظریہ نہیں جمادات۔ حیوانات۔ نباتات تک کو بھی ہر انسان مختلف نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے مثلاً گلاب کا پھول ہے شاعر اسے کسی اور نگاہ سے دیکھتا ہے۔ علم نباتات کے ماہر کا نظریہ کچھ اور ہے۔ طبیب کی نگاہ کسی اور رنگ میں اسے دیکھتی ہے۔ خدا پرست اور روحانی انسان کا نظریہ سب سے الگ ہے۔ غرض ہر شخص کا نقطۂ نظر دوسرا ہوتا ہے۔ میں ان صفحات میں ہفتم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرونگا۔ اسکی تفصیلات کو واقعات کی روشنی میں زمانہ آئندہ کے مورخ بیان کرینگے۔ میرے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لحاظ سے شمائل عثمانی کو پیش کر سکوں اسلئے کہ اس مقصد کیلئے جس سامان اور مواد اور تعاون علمی کی مجھے ضرورت ہے وہ میسر نہیں تاہم جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے اسے پیش کرتا ہوں

محنت وجفاکشی

اعلیحضرت نے باوجودیکہ ایک مشرقی حکمراں خاندان میں شرف ولادت پایا آپکی تربیت مشرقی شاہانہ ماحول میں ہوئی۔ لیکن آپ کی طبیعت پر کاہلی، آرام طلبی اور امور سلطنت سے غفلت وبے پروائی نے کبھی قابو نہ پایا۔ ہر قسم کے تنعم کے سامان میں پرورش پانے کے باوجود آپ ایک جفاکش بادشاہ ہیں۔ وہ حکومت اور اسکے فرائض کو سمجھتے ہوئے یقین کرتے ہیں کہ حکومت کی ذمہ داریاں کسی بادشاہ کے لئے آرام طلبی کا موقعہ ہی نہیں دیسکتی ہیں۔ ابتداہی سے آپ نے محنت وپابندی اوقات کی عادت پیدا کی۔ جو لوگ حیدرآبادی تمدن سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ آرام طلبی سہل انگاری اور تساہل حکومت وسلطنت کی شان سمجھے گئے تھے۔ مگر اعلیحضرت نے پورے تدبر اور حکیمانہ غور کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ حکومت کی ذمہ داری

بہت بڑی قربانی کو چاہتی ہے

آرام طلبی اور تساہل حکومت کے ساتھ شامل نہیں ہوسکتے یہ ایک قسم کی خودکشی ہے۔ جن لوگوں کو اعلیحضرت کی ذات سے قریب رہنے کا موقعہ نصیب ہوا ہے اور انہوں نے آپکے پرسنل کریکٹر کو پڑھا ہے انہوں نے بارہا بیان کیا ہے کہ

"اعلیحضرت میر عثمان علیخان دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں سے ۱۸ گھنٹے روزانہ اکثر لائف میں بسر کرتے ہیں بلکہ دنکا اکثر حصہ مزدوروں کی طرح اپنے ملک اور رعایا کی بہبودی کیلئے صرف کرتے ہیں۔"

حقیقت میں جو بادشاہ صبح سے شام تک ایسی محنت شاقہ سے کام کرتا ہو اسکی مملکت میں اگر ترقی نہو اور اسکی رعایا آباد اور شادکام نہو تو اور کس کا حق ہے۔ اعلیحضرت میں یہ حسّیت اسوجہ بھی پیدا ہوئی کہ آپنے اپنی مملکت کے تمام صیغوں اور شعبوں کے انتظامات اور طریق کار کو گہری نظر سے مطالعہ فرمایا اور انتظامی کمزوریوں کی اصلاح اور اس اصلاح کے

بعد انکی شاندار ترقیوں کے لیے جو پروگرام تجویز کر لیا تھا وہ اتنا عظیم الشان اور وسیع ہے جب تک پوری محنت اور سرگرمی سے کام نہ کیا جاوے اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے اعلیحضرت نے اپنی زندگی کے نظام عمل میں دولت آصفیہ کی تعمیر کو ایسے رنگ میں داخل کیا کہ

خود میر عثمان علیخان اس قصر رفیع کا معمار ہو

یہ ایک فیکٹ (واقعہ) اور ٹرو تھ (صداقت) ہے کہ کئی مرتبہ حضور صبح سے شام تک بلا توقف ایک ہی میز پر ڈٹے ہوئے کام کرتے رہتے ہیں کچھ شک نہیں انگریزی قوم کام کرنے میں بڑی مستعد ہے مگر حضور کو کام کرتے ہوئے دیکھکر گورنمنٹ آف انڈیا کے بعض بڑے افسران کو بھی آپ کی شبانہ روز محنت کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں رہا اس محنت کا ثمر واقعات اور حقایق کے رنگ میں نظر آتا ہے کہ ریاست حیدر آباد کی آمدنی میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا ہے اور تاج آصفی کا حامل سلطان

دنیا کا سب سے بڑا دولتمند بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے

اور حیدر آباد کی ریاست اپنے تمول و خوشحالی پر نازاں ہے یہ خیالی امر نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جسکو عالمگیر اقتصادی مضیقت کے ایام میں بڑے بڑے مدبران نے تسلیم کیا ہے چنانچہ بمبئی کے مشہور و معروف اخبار ٹائمز آف انڈیا نے ۱۳۴۲ف کے میزانیہ (بجٹ) پر ریمارک کرتے ہوئے صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ

اس امر سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ریاست حیدر آباد

سب ریاستوں سے زیادہ متمول و خوشحال ہے

میں نے اس تالیف میں اس امر کا خاص التزام رکھا ہے کہ کوئی بات محض اپنے

تخیل یا حسن ظن کی بنا پر پیش نہ کی جاوے بلکہ واقعات اور شواہد کے ساتھ موکد کیا جاوے

محنت وجفاکشی کا ایک واقعہ

اعلیحضرت کی سادگی تو ضرب المثل ہے اسکے ساتھ آپکی طبیعت میں تنعم پسندی اور سستی وآرام طلبی نہیں ہے۔ نازک مزاجی اور تن آسانی آپکے قریب نہیں آتی بلکہ آپ کی زندگی سپاہیانہ زندگی ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کو اپنی سنہ ۱۹۳۳ء کو اعلیحضرت کے حضور حاضری کی سعادت حاصل تھی۔ اس ملاقات کا بیان انہوں نے خود لکھا ہے کہ

"ساڑھے تین بجے کنگ کوٹھی پر گیا اور اعلیحضرت سے رخصتی ملاقات کی ظل سبحانی کسی بہت ضروری کام میں مصروف تھے مگر فوراً باریابی کی اجازت دیدی اور باتیں کرتے ہوئے باہر صحن میں تشریف لے آئے جہاں بہت تیز دھوپ تھی۔ میں نے کہا کہ ظل اللہ یہاں بہت تیز دھوپ ہے مگر حضرت نے کچھ خیال نہیں فرمایا

انکی ہر ادا میں سپاہیانہ شان ہے وہ دوسرے والیان ریاست کی طرح آرام طلب نہیں

خواجہ صاحب اس کیفیت کو لکھ کر بیان کرتے ہیں کہ انہیں وہ تاریخی واقعہ یاد آیا جو محمد شاہ بادشاہ۔ دہلی اور نادرشاہ شاہ ایران کے لباس کا مشہور ہے کہ جب نادرشاہ ایرانی۔ محمد شاہ دہلوی کے ہاں قلعہ میں مہمان تھے تو موسم سخت گرمی کا تھا ایک دن محمد شاہ ملنے آئے تو ڈھاکہ کی باریک ململ کا جامہ پہنے ہوئے تھے اور خواص پنکھا جھلتا جاتا تھا محمد شاہ نے دیکھا کہ نادرشاہ بہت موٹے گرم کپڑے کا جبہ پہنے ہوئے ہیں محمد شاہ نے کہا کہ آپ کا لباس بہت گرم ہے۔ نادرشاہ نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا کہ ہاں! بھائی یہی گرم لباس تھا کہ مجھکو ایران سے دہلی تک لے آیا۔ لباس تو تمہارا ہے کہ دہلی سے پانچ میل تک بمشکل میرے مقابلہ کے لئے جاسکے۔

فاتح گرم و سرد کی پروا نہیں کرتے

اس واقعہ کا خیال اسلئے آیا کہ مغلوں کی سلطنت کا زوال آرام طلبی کے سبب ہوا اور اعلیحضرت حضور نظام کی سلطنت محض اسوجہ سے چار دانگ عالم میں مشہور ہو رہی ہے۔

"کہ اس کا تاجدار نہ گرمی میں کسی پہاڑ پر جاتا ہے نہ طاعون کے زمانہ میں گھر سے بھاگتا ہے اور نہ اسکو کسی وقت کام کے سوا عیش و آرام کا خیال آتا ہے"

اس واقعہ پر مجھے کسی مزید ریمارک کی ضرورت نہیں اعلیحضرت کی طبیعت میں آرام طلبی کا ہل قطعاً نہیں بلکہ آپ کی طبیعت بالکل سپاہیانہ انداز پر واقع ہوئی ہے اور جفاکشی میں آپ مشہور ہیں۔

خواجہ صاحب کے اس واقعہ سے اعلیٰ حضرت کی سیرۃ سے بعض اور پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے مثلاً آپ اکرام ضیف کرتے ہیں۔ اعلیٰ رتبہ یا والیسرائے ایسے مہانوں کے لئے جو حکومت کے رنگ میں آئیں اکرام اور آو بھگت ایک رسمی چیز ہے لیکن دوسرے لوگوں سے جو محض ملاقات ہی کے لئے آتے ہوں اسطرح پیش آنا یہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کیفیت کا نظارہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت اپنے کاموں کی ترتیب میں سلسلہ کو کس عمدگی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور آپ کو اپنی کام کرنے والی دماغی قوتوں پر قدرت اور حکومت حاصل ہے۔ عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ جب انسان ایک کام میں منہمک ہو تو وہ بہت جلد اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف نہیں کر سکتا اور اگر کرنا چاہے تو جس کام کو کر رہا ہوتا ہے تو اس کا سلسلہ ترتیب درست نہیں رہتا مگر یہ واقعہ بتاتا ہے کہ۔

اعلیحضرت کو اس پر ایک قوت حاصل ہے

اور وہ نہایت اہم اور ضروری کام کو عین مصروفیت کی حالت میں چھوڑ کر دوسرے

کسی کام کی طرف توجہ کرنے کے باوجود پھر اس سے پہلے شغل کو اسی انہماک اور توجہ سے کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں یہ معمولی امر نہیں اور ہر شخص کو یہ ملکہ نصیب نہیں ہوتا۔

اعلیحضرت کے معمول میں یہ امر داخل ہے کہ آپ علی العموم اپنے میز کے پاس کھڑے ہو کر کام کرتے ہیں یہ اور بھی مستعدی اور جفاکشی کی دلیل ہے۔ آپ کی زندگی میں جفاکشی اور محنت کے اظہار کے لئے متعدد واقعات ملتے ہیں مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اکرام ضیف اور انکے آرام کا خیال — اعلیحضرت اپنی ذات سے مہمانوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے ہیں۔ اگرچہ حسب دستور آپ کی ریاست میں بھی مہمان نوازی کے لئے الگ اہلکار مقرر ہیں اور ان کے قیام کیلئے گیسٹ ہوس بنے ہوئے ہیں جہاں ہر قسم کی آسائش و آرام کا سامان مہمانوں کے لئے میسر ہوتا ہے۔ مگر باوجود اسکے بھی آپ ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں بعض اوقات ایک معمولی واقعہ ہوتا ہے لیکن اس کے نتائج نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحبؒ نے اپنے ایک ذاتی واقعہ کا اظہار اسطرح کیا ہے کہ وہ نواب صاحب مانگرول کے ساتھ اعلیحضرت کے حضور ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے بعد اعلیحضرت نے نواب مانگرول کے اجازت چاہنے پر تشریف لیجانے کی اجازت دی مگر خواجہ صاحب کو ٹھیرا لیا اور وہ وہاں قریباً ایک گھنٹہ تک ٹھیرے رہے جب باہر آئے تو دیکھا کہ انکی موٹر نواب صاحب مانگرول کے مصاحب لے گئے۔ خواجہ صاحب حیران ہوئے کہ گیسٹ ہوس کسطرح جاؤں اعلیحضرت کو علم ہوا تو فوراً اپنی موٹر بھیجدی تو گیسٹ ہوس تک پہونچا۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی علم رکھتے ہیں اور اہم امور کو آپ تک پہونچانے میں خدام کو فوری احکام ہیں۔ میں نے بعض جگہ دیکھا ہے کہ وہ سواریاں جو رئیس نے کے لئے ہیں ان سے کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا خواہ کیسی بھی ضرورت اور صورت حال پیش آئے۔ لیکن اعلیحضرت کی کریم النفسی اور اکرام ضیف کی صفت کو ملاحظہ کیجئے کہ یونہی معلوم ہوا کہ آپ کا ایک مہمان سواری کے نہونے کیوجہ سے

پریشان ہو رہا ہے۔

آپ نے فوراً اپنی موٹر پیش کر دی

اخلاقِ فاضلہ کا صحیح معیار رہنے۔

تواضع ز گردن فرازان خوش است گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اعلیٰحضرت بہ حیثیت ایک باپ کے

اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان صاحب کو خدا تعالیٰ نے ہر قسم کی ذکور و اناث اولاد دی ہے اور وہ بہت سے بچوں کے باپ اور پھر عام حیثیت کے باپ نہیں بادشاہ باپ ہیں۔ سلاطین اپنے منصب و مقام کے لحاظ سے اپنے بچوں کے ساتھ خاص قسم کا سلوک اور برتاؤ کرنے کیلئے سیاسی طور پر مجبور ہوتے ہیں لیکن اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان صاحب بالقابہ ایک شفیق باپ کی حیثیت میں بادشاہ باپ سے بہت ممتاز نظر آتے ہیں۔

سب سے پہلی چیز جو اس خصوص میں آپ کی زندگی میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کو اپنی عملی زندگی میں نمایاں رکھتے ہیں حضور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اکرموا اولادکم (اپنی اولاد کا اکرام کرو) اس ارشاد نبوی میں تربیت اولاد کا بہت بڑا راز مخفی ہے۔ بچوں میں خودداری ضبط علی النفس اعتماد علی النفس کی بہت سی خوبیاں اس ارشاد پر عمل کر کے ایک باپ پیدا کر سکتا ہے۔ مجھے اس مقام پر فلسفہ تربیت اولاد پر بحث نہیں کرنی ہے بلکہ اعلیٰحضرت کی زندگی کے اس پہلو کو بیان کرنا ہے۔ آپ کا ہمیشہ سے یہ معمول ہے کہ آپ اپنی اولاد کا خلوت و جلوت میں جائز اکرام کرتے ہیں ایسے طور پر کہ وہ اپنے مقام اور مرتبہ کو سمجھنے لگیں ہیں اور اس منصب کی ذمہ داریوں کا ان میں احساس شریف پیدا ہو۔

اگرچہ شہزادگان کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص اور مکمل انتظام ہوتا ہے۔ لیکن

آپ بذات خود انکی نگرانی کرتے ہیں اور اس نگرانی میں جن امور پر زیادہ توجہ کی جاتی ہے وہ انکی دینی اور اخلاقی حالت ہے انہیں مذہبی مذاق اور عملی مذہب کی روح پیدا کرنے کیلئے شہزادگان کو ساتھ لیکر جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور دوسری مذہبی تقریبوں پر جب شمولیت کے لئے جاتے ہیں تو سب کو ساتھ رکھتے ہیں۔ بچوں کو اس امر کا صحیح احساس ہے کہ وہ باوجود شہزادے ہونے کے اپنے اندر کسی قسم کی تعلی اور تکبر کی شان نہ پیدا ہونے دیں۔ اور سادہ زندگی کے دلدادہ ہوں۔

اعلیٰحضرت کی اپنے بچوں سے محبت یوں تو کوئی باپ ایسا نہیں ہوتا جسکو اپنے بچوں سے محبت نہ ہو۔ ہاں اس محبت کی مختلف شانیں ہوتی ہیں۔ لیکن حکمرانوں اور بادشاہوں کی تاریخ کو اگر پڑھیں تو انکے فطری جذبات محبت پدری بعض اوقات سیاسی حالات کے ماتحت کسی اور شکل میں بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے جہاں باپ اپنی اولاد کا دشمن بنگیا ایسا ہی اولاد کے متعلق ایسے واقعات نظر آئیں گے۔ مگر اعلیٰحضرت کو اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت اور پیار ہے اسکی شان بالکل دوسری ہے۔

سر مہاراجہ صاحب کی رائے یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب وزیر اعظم ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے بہت بڑا زمانہ حیدرآباد کی حکومت کا دیکھا ہے اور جو بوجہ وزیر اعظم ہونے کے سلاطین کی تاریخ کے ایک مبصّر ماہر ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں ایک ذوق سلیم اور قوت فیصلہ بھی دی ہے وہ اعلیٰحضرت کی اپنے بچوں سے محبت کے رنگ کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ

"اعلیٰحضرت حضور نظام کو اپنے بچوں سے بہت محبت ہے حکومتوں کی تاریخ میں یہ بات بے مثال ہے کیونکہ اکثر حکومتوں کیلئے اولاد ماں باپ کی اور وہاں باپ اولاد کے مخالف ہو جاتے تھے مگر اعلیٰ حضرت حضور نظام

تاریخ میں پہلے شخص ہیں جو اپنی اولاد پر بہت زیادہ مہربان ہیں اور
انکی بہبودی اور آسایش کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔"

میں مہاراجہ صاحب کے ساتھ اس امر میں تو اتفاق نہیں کرتا کہ اعلیحضرت پہلے شخص ہیں لیکن یہ کہونگا کہ اس قسم کی مثالیں امراء و سلاطین کی تاریخ میں بہت ہی کم ہیں ورنہ کیا تاریخ تیموریہ میں حضرت ظہیر الدین بابر کا واقعہ ایثار و قربانی کیا شفقت پدری کا ایک بے نظیر واقعہ نہیں کہ ہمایوں کی بیماری کو اپنے اوپر لے لیا ایسے اخلاص درد اور صدق دل سے دعا کی کہ فی الحقیقت ہمایوں کی بیماری صحت سے تبدیل ہو گئی اور خود جان دیدی۔ غرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اعلیحضرت کو اپنی اولاد سے جو محبت ہے سلاطین کی تاریخ میں اسکے نمونے نہایت شاذ ہیں۔

اولاد سے محبت کے اثرات | اولاد سے محبت کے اثرات اور کیفیات کا ظہور انسان کے چہرہ پر اسوقت نمایاں ہوتا ہے جبکہ طبعی حالات کے ماتحت اولاد کے بعض افراد قدرتی حالات علالت و ناسازی طبیعت میں سے گذرتے ہیں۔ کوئی انسان جو اپنے پہلو میں پتھر کا دل نہیں رکھتا ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور یہ جذبہ خدا تعالیٰ نے انسان میں اسلیئے رکھا ہے تا وہ شفقت علیٰ خلق اللہ کے اصولوں کے ماتحت اولاد کی صحیح تربیت کر سکے۔ پس اعلیحضرت سلطان دکن بھی قدرت کے اس عطیہ سے بہرہ وافر رکھتے ہیں اب دور جب کبھی کوئی ایسا اتفاق ہوا تو اعلیٰ حضرت کے چہرہ پر فکر کا احساس نمایاں ہوا دیکھنے والوں نے اسے واقعات اور حالات حاضرہ کے ماتحت سمجھا مگر وہ فکر محبت کے انتہائی نتائج کا ظہور تو ہوتا ہے لیکن اس حالت میں دوسرے اخلاق فاضلہ حوصلہ استقامت بھی برابر نمایاں نظر آتے ہیں میں اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر کرونگا جو سفر دہلی ۱۹۳۲ء میں پیش آیا۔ اور جس کا ذکر خواجہ حسن نظامی نے اپنے روزنامچہ کیا۔

ولیعہد بہادر کی علالت اور جہان پناہ کا فکر | اس سفر دہلی میں (۱۹۳۲ء) میں حضرت ولیعہد بہادر

اور آپ کی بیگم صاحبہ کی طبیعت ناساز تھی۔ اعلیحضرت جہاں ایک جفاکش اور ضابطہ سلطان کی حیثیت سے اس موقعہ پر اپنی شاہی مصروفیتوں میں دست بکار تھے حضرت ولیعہد بہادر کی علالت کا بھی ازبس احساس تھا۔ چنانچہ ۱۴؍شوال ۱۳۵۰ھ مطابق ۲۲؍فروری ۱۹۳۲ء کی قصر شاہی کی خبروں میں شایع ہوا کہ

"آج جہاں پناہ کے رخ اقدس پر اپنے نور چشم اور بہو کی علالت کے سبب فکر و ملال کے آثار دیکھے گئے مگر ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ایک دن کے بعد بخار اتر جائیگا آرام اور سکون کی ضرورت ہے سردی بھی کم ہو رہی ہے گویا قدرت بھی تندرستی کی طرف متوجہ ہوگئی ہے۔" (روزنامچہ)

حضرت ولیعہد بہادر یا آپ کی بیگم صاحبہ کی علالت پر اعلیحضرت کا فکر مند ہونا وہ طبعی جذبہ ہے جو اولاد کے ساتھ فطرتی محبت کا ہوتا ہے۔ اور یہ اس خوبی کا نتیجہ ہے جو رقت قلب کی صورت میں کسی شخص کو عطا ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کے واقعات میں آپکا اپنے عزیز فرزند ابراہیم کی وفات پر چشم پرنم ہونا آیا ہے اور جب کسی شخص نے آپ سے سوال کیا تو حضور نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے مجھے سنگدل نہیں بنایا

اولاد کی جائز محبت میں انکے ہم و غم سے متاثر ہونا انسانی قلب کی رقت کا ثبوت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے محل مدح میں اور انعام الٰہی کے رنگ میں فرمایا ہے۔

رضا بالقضاء اولاد سے محبت کے سلسلہ میں ہی میں ایک اور امر کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کثرت و قلت اولاد کے سوال سے الگ رہ کر ماں باپ کو اپنی اولاد کے صدمات موت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اور اولاد کی وفات کا صدمہ کثرت و قلت سے قطع نظر کبھی کم نہیں ہوتا۔ اور اس قسم کے صدمات موت و وفات انسان کی زندگی میں اسکی عملی تطہیر اور تسلیم و رضا اور صبر و استقامت کے اظہار کے لئے لازمی ہیں اعلیحضرت کی اولاد میں اکثر واقعات ایسے ہوئے کہ پیارے لخت جگروں نے قضا کی۔ اعلیحضرت طبعی طور پر اس

حادثہ سے متاثر بھی ہوئے مگر دامن صبر و تسلیم کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر اس مشیت ایزدی پر راضی ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھی مناسب ہے کہ رقت قلب بھی ایک خداداد عطیہ ہے اور مومن کی یہ شان ہے کہ وہ رقیق القلب ہوتا ہے ہمارے آقا و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات انسانیت میں آپ کی رقت قلبی کا بھی حصہ ہے۔ اس انسانی کمالات کا اظہار یا تو دوسرے مصیبت زدوں کو دیکھکر ہوتا ہے یا کسی ابتلا کے آنے پر انسان اس کیفیت سے متاثر ہو جاتا ہے اعلیحضرت اس جذبہ سے بھی سعادت اندوز ہیں اور اس کا ظہور دونوں صورتوں میں ہوا ہے لیکن اپنے ذاتی ابتلاؤں کے وقت دامن صبر و سکون کو رقت قلب نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

اعلیحضرت سلطان دکن کی سادگی

بعض انسان ایسے ماحول میں پیدا ہوتے اور نشو و نما پاتے ہیں کہ انکی زندگی نمایش اور آرایش کی غلام ہو جاتی ہے۔ بادشاہ بھی اسی طبقہ کے لوگوں میں سے ہیں وہ اپنی شان حکومت اور وقار سلطنت کو قائم رکھنے کے لئے

تکلفات کے غلام بنائے جاتے ہیں

اگرچہ اسلامی تاریخ خصوصاً قرن اول اس کلیہ سے آزاد اور ممتاز ہے اور وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے ایسے شاندار نمونے پیش کرتی ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے اس لئے اس عہد کو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔ یہ عہد تو تکلفات اور نمایش کا عہد ہے مگر اس دور میں بھی آصف جاہ ہفتم کی زندگی اپنی سادگی کی آپ نظیر ہے حیدرآباد کے گزشتہ عہد حکومت کی تاریخ اسکے تکلفات کی دلچسپ تاریخ ہے۔ مگر آصف جاہ ہفتم نے اپنے عمل سے

حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا

آپ نے حیدرآباد کی زندگی میں اصلاحی انقلاب کے لئے عملی انقلاب کو مقدم کیا چنانچہ آپ نے باوجود ایک جلیل القدر سلطان ہونے کے اپنی زندگی کو نہایت سادہ

بنادیا اور ہر قسم کی نمائش اور آرائش کے خیال کو ترک کر دیا جسکا قدرتی اور طبعی اثر ملک پر ایسا ہوا کہ **ملک تکلفات کی غلامی سے آزاد ہو گیا**

اور اس کا اثر یہانتک بڑھا ہے کہ شادیوں اور خوشی کی تقریبوں میں بھی وہ فضولیات اور نمایشی باتیں نہیں ہوتیں جو ملک اور قوم میں مختلف قسم کی اخلاقی اور اقتصادی خرابیاں پیدا کرتی ہیں۔

اعلیٰحضرت کا لباس نہایت سادہ ہوتا ہے وہ باہر نکلتے ہیں تو کوئی خاص اہتمام فوج اور باڈی گارڈ کا نہیں ہوتا بعض اوقات صرف سر سے ایک رومال باندھ کر بھی سواری میں نکل آتے ہیں۔

اعلیٰحضرت کی سادگی دوسروں کی نظر میں

اعلیٰحضرت کی سادہ زندگی ہر قسم کے تکلفات سے پاک ہے ہر شخص جسکو کبھی آپ کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے ایک بصیرت کے ساتھ جانتا ہے کہ تکلف نمایش اور بناوٹ سے آپ عملاً بیزار ہیں آپ کی زندگی کو دیکھکر بعض لوگوں پر حیرت انگیز اثر ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس باب میں ان لوگوں کے تاثرات کو بیان کروں جنہوں نے سلطانِ دکن کی اس سادہ زندگی کا پر لطف نظارہ کیا۔

(۱) **سنت نہال سنگھ کا بیان** سنت نہال سنگھ ایک مشہور جرنلسٹ ہیں انہیں حیدرآباد جانے اور اعلیٰحضرت کے حضور حاضری کی عزت نصیب ہوئی وہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ دولتِ آصفیہ کا تاجدار مغلیہ سلاطین کی طرح بہت بڑے تکلفات کا پیکر ہوگا۔ لیکن جب اسنے دیکھا کہ وہ ایک جلیل القدر سلطان کو نہایت ہی سادہ لباس میں دیکھ رہا ہے تو اسکی حیرت کی انتہا نہ رہی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

جب میں اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپکا کل لباس زیادہ سے زیادہ دس روپیہ کا

ہوگا۔ بعض شخصوں نے عرض کیا کہ حضور پر تکلف لباس زیب تن فرمایا کریں تو ارشاد ہوا کہ میرے سرور وآقا صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس اس سے بھی معمولی تھا جتنا کہ میرا ہے"

اعلیحضرت کی اس سادگی کا اثر قدرتی اور طبعی طور پر یہ ہوا ہے کہ حیدرآبادی دربار جو بہت تکلف پسند اور نمائش کا دلدادہ تھا سادگی پسند ہو گیا اور پہلے زمانہ کے تکلفات اڑا دیئے گئے۔

سید کشفی شاہ کے تاثرات | اعلیحضرت کی سادگی اور وقت کی پابندی اور عام عادات ایسی ہیں کہ ہر شخص پر اپنا ایک خاص اثر پیدا کرتی ہیں جسے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا کبھی موقعہ ملا ہو سید کشفی شاہ نظامی ایک بہت ہی سادہ مزاج اور درویش صفت مسلمان ہیں اسلامی کاموں میں نہایت دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں اور کار ہائے خیر میں وہ اپنی مکسوبہ دولت کو خرچ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی جن پر انکا اثر ہے ایسے کاموں میں شرکت کی تحریص دلاتے رہتے ہیں ۱۹۳۳ء کی فروری میں جب اعلیحضرت دہلی تشریف لے گئے ہوئے تھے تو کشفی شاہ صاحب کو بھی ۲۳ فروری ۱۹۳۳ء کو شرف حضوری بخشا گیا انپر اعلیحضرت کی شخصیت اور سادگی کا جو اثر ہوا اسے انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ

"انپر اعلیحضرت کی سادگی اور متانت اور شاہانہ وقار کا بہت بڑا اثر ہوا۔

اور انہوں نے اعلیحضرت کو خلفائے راشدین کا نمونہ پایا"

کشفی شاہ کا خیال ہے کہ اعلیحضرت کی سادگی اور وقت کی پابندی اس قابل ہے کہ تمام مسلمانان ہند اسکی پیروی کریں اور تکلفات کی فضول خرچی ترک کر دیں اور وقت کی قدر سیکھیں میں اعلیحضرت کی اخلاقی خوبیوں کا خود مداح ہوں اور آپ کی سیرۃ میں بعض ایسی خصوصیات پاتا ہوں جو ایسے سلاطین میں پائی جاتی ہیں جو بیک وقت بادشاہ اور درویش ہوتے ہیں۔ لیکن میں اسکو مبالغہ کا رنگ سمجھتا ہوں کہ اعلیحضرت کی زندگی خلفائے راشدین کی زندگی کا نمونہ ہے۔ خلفائے راشدین کی شان اپنے اندر ایک ایسی محبوبیت اور جذب رکھتی ہے کہ وہ کیفیت بآسانی پیدا نہیں ہو سکتی۔ میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ بعض امور

میں آپ کی زندگی میں اسی شان کی جھلک نمایاں ہو اور کیوں نہ ہو وہ دنیائے صداقت کے سب سے بڑے علمبردار حضرت صدیق اکبرؓ کی اولاد سے ہیں لیکن وہی کیفیت اونکی پیدا ہو جاوے تو پھر مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جاوئے۔

میرا مقصد سید کشفی شاہ کے تاثرات کی تنقیص نہیں خود اعلیٰحضرت کو جو ارادت اور عقیدت حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ہے اسکو مدنظر رکھتے ہوئے آپ بھی اس امر کو کسر نفسی کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری کے طور پر تسلیم کرینگے کہ

حضرات خلفاء راشدین کا مقام بہت بلند ہے

غریب رعایا کا شریک حال سلطان اعلیحضرت میر عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم کی زندگی اسلامی سادگی کا نمونہ ہے جسکو سب جانتے ہیں مگر انکی زندگی میں ایک بات ایسی ہے جسکی طرف عوام کو توجہ نہیں ہے حالانکہ وہ توجہ کے لائق ہے خصوصاً موجودہ زمانے میں جبکہ تمام دنیا کی حکومتوں کی غریب رعایا شکایت کیا کرتی ہے کہ اسکے حاکم اپنی جسمانی عیش اور آرائش میں مصروف رہتے ہیں۔ اور غریب رعایا کی آسایش کا اپنے برابر خیال نہیں کرتے۔

حضور نظام کی زندگی اس معاملہ میں نمونہ کی زندگی ہے یعنی وہ غریبوں کا سادہ کھانا کھاتے ہیں اور غریبوں جیسا سادہ لباس پہنتے ہیں اور گرمی کے موسم میں کبھی کسی پہاڑ پر نہیں جاتے حالانکہ دنیا کی کوئی بھی حکومت ایسی نہیں ہے جہاں کے بادشاہ اور ان کے عہدہ دار موسموں کی شدت سے بچنے کے لئے نقل مکان نہ کرتے ہوں۔

حضور نظام کی حکومت کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے انکی جسمانی آسایش حاصل کرنے کی کوئی مثال ملتی ہو یا کبھی انہوں نے موسم کی سختی سے بچنے کے لئے کبھی باہر سفر کیا ہو۔ خواجہ حسن نظامی۔ عادل ۲۳ فروری ۱۹۳۳ء

اسلامی سادگی کا دلفریب نمونہ

(مسٹر یم۔ اے غنی ایم اے ایل ایل بی بیرسٹر ایٹ لا لاہور کی نظر سے)

میں حضور ولیعہد صاحب بہادر ریاست خیرپور (سندھ) کی شادی کے سلسلے میں حال ہی میں حیدرآباد دکن گیا تھا۔ چونکہ ممدوح کی شادی نواب معین الدولہ صاحب بہادر والی پائیگاہ اول کے ہاں ہوئی ہے۔ جو اعلیحضرت حضور نظام کے نہ صرف نہایت نزدیکی رشتہ دار ہیں بلکہ سلطنت دکن میں سب سے بڑی پائیگاہ کے مالک ہیں۔ اس لئے مجھے اعلیحضرت حضور نظام کو اچھی طرح دیکھنے کی عزت نصیب ہوئی۔ علاوہ دیگر باتوں کے یہاں میں صرف اعلیحضرت ممدوح کی کمال سادگی کو مختصراً بیان کرنے پر اکتفا کرونگا۔ تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام خلیفہ عمرؓ کے خصائل کے بادشاہ اب بھی پیدا کر سکتا ہے۔

بلدہ حیدرآباد جب میں حیدرآباد پہنچا تو میں اس کی وسعت حسن انتظام سڑکوں کی عمدگی و صفائی پولیس کی تہذیب۔ عام افسروں کا خلق۔ شہر کی سربفلک عمارتیں۔ عام باشندوں کی آسودگی بازاروں کی چہل پہل۔ سائیکلوں اور موٹروں کی بھرمار کو دیکھکر حیران رہ گیا۔ قدرتی طور پر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ کہ میں اس عالی دماغ حکمران کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھوں جس کے حسن انتظام۔ وسیع النظری اور معدلت گستری کی بدولت حیدرآباد نے چند ہی سال میں اسقدر حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

رونق افروزی کا وعدہ میری مایوسی کی حد نہ رہی۔ جب نواب معین الدولہ بہادر کے پرائیوٹ سکرٹری میر علی رضا صاحب نے یہ بتایا کہ اعلیحضرت حضور نظام شادی میں شامل نہیں ہو سکیں گے کیونکہ حضور ممدوح علاقہ بیدر کے دورہ پر جا رہے ہیں۔ میرے زور دینے پر ہزہائی نس نواب خیرپور بہادر و خود نواب معین الدولہ بہادر کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے اعلیحضرت نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شادی کی رونق کو دوبالا کرنے کا وعدہ فرما ہی لیا۔

میں نواب معین الدولہ بہادر کے عالی شان شاہی مہمان خانہ "بشیر باغ" میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا حیدرآباد پر ایک مضمون لکھ رہا تھا۔ کہ "خانہ باغ" سے ٹیلیفون آیا کہ سب مہمان پہنچے وہاں پہنچ جائیں۔ اعلیٰ حضرت رونق افروز ہوں گے میں جھٹ پٹ تیار ہو گیا۔ اپنے دوست

پراتیوں مثلاً اجناب قونصل جنرل افغانستان آنریبل سر غلام حسین ہدایت اللہ ڈاکٹر ضیاء الدین ایم۔ ایل۔ اے۔ خواجہ حسن نظامی مولانا شوکت علی۔ میجر غلام علی تالپور و مسٹر فاروقی انجینیر کے ہمراہ موٹر سے خانہ باغ پہنچا۔

والدۂ محترمہ کی خدمت جاتے ہی میں نے دریافت کیا کہ اعلیٰ حضرت سرکار عالی کس وقت تشریف فرما ہونگے۔ مجھے بتایا گیا کہ حضور ممدوح ہر روز بلا ناغہ چار بجے اپنے دفتر کے کام سے فارغ ہوکر ساڑھے چار بجے حضور بیگم صاحبہ عالیہ (والدہ اعلیحضرت) کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں ایک گھنٹہ برابر ان کی حضوری میں رہتے ہیں۔ اپنے دست مبارک سے ان کے پاؤں دباتے ہیں۔ اور ہر قسم کی خدمت بجالانے میں اس لحاظ سے حضور ممدوح کوئی ساڑھے پانچ بجے تشریف فرما ہوں گے۔

حضور کی سادگی پسندی اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ خانہ باغ کے بڑے کمرہ سے کوچ اور غالیچے اٹھائے جا رہے ہیں۔ میں سمجھا کہ چونکہ حضور اعلیحضرت اس کمرہ میں تشریف فرما ہونگے اس لئے معمولی کوچ اور غالیچے نکالے جا رہے ہیں۔ اور معلوم نہیں کس کس قسم کے سنہری روپہلی کوچ اور کس کس قسم کے اعلیٰ زربفتی غالیچے بچھائے جائیں گے۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انکا کوچوں اور غالیچوں کے بجائے نہایت معمولی کوچ اور غالیچے بچھائے جائیں گے۔ کیونکہ اعلیحضرت اس قسم کے عمدہ کاؤچوں اور غالیچوں کے استعمال کو پسند نہیں فرماتے اور اسے فضول خرچی سمجھتے ہیں۔

سواری مبارک کا ورود کوئی ساڑھے پانچ بجے ہم دروازہ پر بغرض استقبال کھڑے ہوئے تھے پولیس کی سیٹیوں کے درمیان ایک نہایت ہی معمولی موٹر بہت تیز رفتار سے برآمد ہوئی۔ موٹر ۱۹۲۸ء ماڈل والی شورلیٹ تھی۔ جس کا پالش اڑا ہوا تھا۔ اور پوشش پھٹی ہوئی تھی۔ پرانی ہونے کے باعث بہت شور کرتی تھی۔ یہی اعلیٰ حضرت سرکار عالی ہز اگزالٹڈ ہائی نس بادشاہ دکن کی موٹر تھی جس میں حضور بذات خود توعین ڈرائیور کے پاس

بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بیچ میں حضور کی تین صاحبزادیاں بغیر نقاب ساڑھیاں باندھے تشریف فرما تھیں۔ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے موٹر کا دروازہ کھولا۔ جوں ہی حضور سرکار عالی مع شہزادیوں کے موٹر سے نیچے اترے فرشی سلاموں کا تانتا بندھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے وہنے ہاتھوں میں کوئی بجلی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ جو مشین کی طرح سے بار بار اوپر نیچے اٹھتے ہیں۔ میں نے بھی فرشی سلام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مجھ پنجابی کے ہاتھ میں وہ لچک کہاں جو فرشی سلام کے لئے ضروری ہے۔

حضور کا حلیہ و لباس حضور عالی کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ بادشاہوں کی وہ تصویر جو ہمارے تخیل میں ہر وقت رہتی ہے۔ بالکل مفقود ہو گئی۔ اور اپنے سامنے مخمل تے ایک نہایت ہی معمولی انسان کو نہایت ہی معمولی کپڑے پہنے ہوئے دیکھا اسی وقت مجھے حضرت عمرؓ یاد آ گئے۔ اور فتح شام کا واقعہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ حضور ممدوح تقریباً مجھ جیسے ہی دبلے پتلے ہیں۔ بشرہ سے مجھ جیسے ہی منحنی سے معلوم ہوتے ہیں حضور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر اس کا پھندنہ ندارد۔ ٹوپی کے اوپر پھندنے والی نلی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ ٹوپی نہایت پرانی اور میلی تھی حضور سرکار عالی عینک لگاتے ہیں مگر نہایت معمولی اسکائیم زیادہ سے زیادہ آٹھ آنے یا بارہ آنے کا ہوگا۔ شیروانی پہن رکھی تھی جس کے اوپر کے بٹن کھلے تھے۔ اندر سے قمیص صاف دکھائی دے رہی تھی کہ کھدر کی ہے۔ شیروانی نہایت معمولی کپڑے کی تھی۔ حضور جو سیدھا پاجامہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ وہ دیسی لٹھے کا معلوم ہوتا تھا جو حیدرآباد میں روپے کا تین یا چار گز بکتا ہے اس کا پائنچا میرے رات کے پہننے والے پاجامہ سے بھی چھوٹا تھا۔ پاؤں میں بغیر ایڑی کے سادہ جوتا تھا۔ جو عام طور پر مرہٹے گھروں میں پہنتے ہیں۔ پاؤں میں کالی دیسی جرابیں تھیں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ چونکہ شادی کا موقع ہے۔ اس لئے جرابیں پہن کر تشریف لائے ہیں۔ ورنہ عام طور پر جرابیں نہیں پہنتے ہاتھ میں ایک نہایت معمولی سی چھڑی تھی۔ میں نے حضور ممدوح کے لباس مع عینک جوتا چھڑی کے قیمت دس روپے لگائی تھی۔ مگر حیدرآباد والے میرے کہنے کو بہت

زیادہ خیال کرتے تھے۔

شہزادیاں بلند اقبال تینوں شہزادیاں اس روز باصرار تنی ساڑھیاں پہن کر آئی تھیں کیونکہ وہ ایک شاہی برات میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائی تھیں۔ یہ ساڑھیاں حیدرآبادی ساخت کی تھیں۔ اور انکا کپڑا امرتسر کی دریائی سے بہت ملتا جلتا تھا۔ ان پر کوئی نقش ونگار نہ تھا۔ بالکل سادہ تھیں۔ شہزادیوں نے کوئی زیور بھی نہیں پہن رکھا تھا بازو ڈھکے ہوئے تھے۔ اور جوتیاں نہایت معمولی تینوں شہزادیاں نوجوان تھیں۔ اگرچہ بے نقاب تھیں لیکن کیا مجال کہ نظریں اونچی ہو جائیں وہ عفت وشرافت کی مجسمہ تھیں اور انکی سادگی دل میں جذبۂ عزت وتوقیر پیدا کر رہی تھی۔

مہاراجہ صاحب کی باریابی حضور سرکار عالی نے ایک معمولی سے کوچ پر جلوہ افروز ہوتے ہی سب حاضرین کو ایک نظر سے دیکھا۔ ہز ایکسلینسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر یمین السلطنت وزیر اعظم وپیشکار حضور شاہ دکن وہ تین کاؤچوں کے فاصلہ پر میرے پاس تشریف فرما تھے۔ حضور سرکار عالی نے بلند آواز سے فرمایا "مہاراج"۔

اس پر ہز ایکسلینسی مہاراجہ صاحب بہادر فوراً بقصد تعظیم اٹھے۔ اور ہاتھ جوڑے ہوئے آگے بڑھے۔ حضور سرکار عالی سے کوئی تین گز کے فاصلہ پر کھڑے ہو کر رکوع میں جا کر سات دفعہ کورنش بجالائے۔ اور ہاتھ جوڑے پیچھے کو ہٹ کر نہایت ادب کے ساتھ دیک۔ سفیر صاحب کابل اور جناب خواجہ حسن نظامی کے درمیان سامنے ایک کوچ پر بیٹھ گئے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں بولے۔

آداب شاہنشاہی ان کے علاوہ وہاں بڑے بڑے امراء وزراء ودیگر عمائدین سلطنت موجود تھے۔ مگر حضور سرکار عالی کی موجودگی میں ان کے دم خشک ہو رہے تھے۔ ان کے چہروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ ان پر حضور سرکار عالی کے دبدبہ سکندری کا رعب طاری ہو رہا ہے۔ گذشتہ زمانوں کے بادشاہوں کے رعب کا حال کتابوں میں میں نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ لیکن

اس روز میں نے شاہی رعب و جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ایک پتلا دبلا شخص نہایت معمولی لباس میں اور اس کا یہ رعب کہ درو دیوار بھی سہمے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

حضور سرکار عالی کی آواز بلند ہے۔ جو بات بھی کرتے ہیں۔ نہایت بلند آواز سے کرتے ہیں تو سننے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہیں۔

صرف چائے | ہز ہائینس میر صاحب خیرپور نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ سرکار عالی چائے تیار ہے زور سے فرمایا "ہاں" "لاؤ" میں سمجھا کہ شاید اب سونے کی طشتریوں اور چاندی کی پیالیوں میں چائے آئیگی۔ اور معلوم نہیں کس قسم کی اعلیٰ ٹرے میں چائے لگ کر پیش حضور ہوگی۔ مگر تین چار منٹ کے بعد ایک معمولی خانساماں معمولی چینی کی چائے دانی میں چائے لگا کر حاضر ہوا۔ اور حضور سرکار عالی کے آگے رکھ کر واپس چلا گیا۔ چائے کا کل سامان حیدرآباد کی ساخت کا تھا۔ اور نہایت معمولی حضور سرکار عالی نے ذرا آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے خود ہی اپنے لئے چائے بنائی اور روٹی اور مکھن کے دو یا تین ٹکڑے اٹھا کر اپنی چائے والی طشتری میں ایک طرف رکھ لئے طشتری کو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور دائیں ہاتھ سے چائے پینی شروع کی۔ میرے لئے یہ نظارہ نہایت ہی تعجب انگیز تھا۔ بھلا جو شخص میر صاحب خیرپور کے زمانۂ عروج میں انکا ایک مقرب ملازم بحیثیت مشیر قانونی رہ چکا ہو اور جس نے چیمبر آف پرنسس کی پر تکلف اور عالیشان شاہی دعوتیں کھائی ہوں اور جو گورنروں اور وائسراؤں کی دعوتوں میں شامل رہا ہو۔ اس کے لئے ہندوستان کے سب سے بڑے والی ریاست اور دنیا کے سب سے بڑے دولت مند شخص کا اس طرح سے چائے پینا تعجب خیز کیوں نہ ہوتا۔

سودیشی کی عملی حمایت | حضور سرکار سودیشی کے پکے حامی ہیں۔ اور اس بارے میں مہاتما گاندھی سے بھی دو قدم [illegible] ہیں۔ ولایتی اشیاء کو تو چھوتے تک نہیں۔ اول تو حیدرآبادی ساخت کی اشیاء کے استعمال پر بہت زور دیتے ہیں۔ اگر [illegible] نہ مل سکے تو ہندوستانی ساخت کی اشیاء استعمال کر لیتے ہیں۔ حضور حیدرآبادی ساخت چار مینار مارکہ سگریٹ پیتے ہیں۔ جسکی ایک ڈبیا [illegible]

میں آجاتی ہے۔ گولکنڈہ سوپ فیکٹری کا صابن استعمال کرتے ہیں۔ صبح کو اُٹھ کر اپنے بچوں کو غسل خانے میں خود لیجاتے ہیں۔ پہلے اپنے ہاتھوں پر صابن ملتے ہیں۔ پھر جھاگ بچوں کے ہاتھ پر مل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خوب زور سے ہاتھ ملو۔

کفایت شعاری کی انتہا حضور اپنی ڈاک کو اپنے ہاتھ سے کھولتے ہیں اور ہر خط کا جواب اسی وقت مختصراً پنسل سے اسی خط پر لکھ دیتے ہیں۔ پھر اس کے مطابق انکا پرائیوٹ سکریٹری سب کو باقاعدہ جواب لکھ دیتا ہے۔ آمدہ خطوط کے لفافوں کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ پھر لفافوں کو پہلوؤں سے کاٹ کر ان کی پشت کو لکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے فرمان شاہی ان لفافوں کی پشت پر ہی پنسل سے تحریر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دیا سلائی کی ڈبیوں کی اندرونی سطح پر فرمان شاہی جاری ہوتے ہیں۔ یہ حضور سرکار عالی کی کفایت شعاری اور کمال سادگی کی شانیں ہیں۔ بعض لوگ حضور کی ان باتوں کو خست اور جنون پر محمول کرتے ہیں۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پبلک کے کاموں میں حضور لاکھوں روپے صرف کر دیتے ہیں تو بلا تامل یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضور سرکار عالی اپنی ریاست کی کل آمدنی کو ایک امانت سمجھتے ہیں اور اپنی ذات پر اشد ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور عام لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ حضور سرکار عالی موجودہ زمانے میں فاروقی سادگی کی زندہ مثال ہیں

سوشلسٹ بھی قائل ہو گیا حضور ممدوح کی اس قدر سادہ زندگی کو دیکھ کر مجھ جیسا حامئی فرودرآن اور کسی حد تک اشتراکیت کے خیالات رکھنے والا سوشلسٹ بھی انکا دل سے گرویدہ ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر دنیا کے تمام بادشاہ حضور نظام کے نقش قدم پر چلیں۔ اور خدمت خلق کو اپنا مطمح زندگی بنائیں تو پھر رو ہی اشتراکیت کی ضرورت دنیا کو ہرگز ہرگز نہ رہے گی۔"

اعلیٰحضرت کی رواداری

بعض لوگوں نے رواداری کی ایسی تعریف کی ہے اور ایسے رنگ میں پیش کرنا چاہا ہے کہ رواداری اپنے مرکز سے نکل کر ایک قسم کا عیب بن جاتی ہے اور بجائے (اخلاق فاضلہ کے

وہ رذایل کی ذیل میں داخل ہوجاتی ہے۔ رواداری کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ انسان اپنے معتقدات کو چھوڑ کر دوسروں کو صرف خوش کرنے کے لئے اخلاقی کمزوری کا اظہار کرے۔ رواداری کا حقیقی اور صحیح مقام یہ ہے کہ انسان اپنے معتقدات کو بجائے خود قائم رکھکر دوسروں کے جذبات اور احساسات کا احترام کرے

مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے جب کسی مسلمان بادشاہ پر عدم رواداری یا بیجا تعصب کا الزام لگاکر اسے بنام کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ میں اپنے نقطۂ خیال سے ہر شخص کو اپنے عقیدہ اور مذہب کے لئے متعصب ہونے کا قایل ہوں اور اس سے مراد صرف اپنے مذہب کی تعلیم اور ہدایت کی پابندی اور اسکی جائز اور مسلمہ عظمت کا عملی اعتراف ہے اس سے یہ مطلب کبھی نہیں کہ دوسروں کو نقصان پہونچایا جاوے تعصب کی اس تعریف کا تو اسلام قایل ہی نہیں وہ اس قسم کی ہدایت ہی نہیں دیتا اسنے تو خلق اللہ کی بھلائی اور شفقت کو ایمان کا جزو اعظم قرار دیا ہے۔ بہرحال میں اس بحث میں دور جانا نہیں چاہتا بلکہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخاں کی بے تعصبی اور رواداری کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اسکی سیرۃ کا ایک نمایاں پہلو ہے۔

اعلیحضرت بہ حیثیت ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے اپنے فرائض میں داخل سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلام کی تکمیل کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کہ

بلا امتیاز مذہب و ملت وہ خدا کی مخلوق سے نیکی کریں

اور بہ حیثیت بادشاہ بھی وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جب رعایا کے مطالبات رعایا کی ضروریات اسکی ترقی اسکے تنازعات میں عدل وانصاف کا سوال آئے تو باوجود مسلمان ہونے کے۔

وہ رعایا کو ہندو مسلمان کے نقطۂ خیال سے اوپر جاکر دیکھیں گے

اور آپ کی نظر میں ہندو مسلمان کا تفرقہ بالکل مٹ جاتا ہے اور ایسا مٹ جاتا ہے کہ آپ اس تفرقہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے۔

بعض فتنہ پرداز لوگوں نے جو ہندو مسلم سوال ہر جگہ پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے

ہیں اور ان خود غرض ہستیوں نے جو مسلمان ریاستوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں مہاراشٹر اور پنجاب کے اخبارات میں حیدرآباد کے خلاف مختلف رنگوں میں خطرناک پروپیگنڈہ کیا کہ ہندوؤں کی حالت حیدرآباد میں کس میرسی کی حالت ہے اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی مراسم کے ادا کرنے میں مختلف قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں اس قسم کا ذلیل بے بنیاد پروپیگنڈہ شریف اور متین پبلک نے اور خصوصاً حیدرآباد کی ہندو رعایا نے نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اول تو حیدرآباد میں کثرت اچھوتوں کی ہے جو اپنے آپ کو ہندو یقین نہیں کرتے دوسرے ہندوؤں کو وہ مراعات حاصل ہیں کہ مسلمانوں کو بھی نہیں۔ حیدرآباد کے جلیل القدر سناتن دھرمی منتہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور باہر سے آئے ہوئے ہندو لیڈروں نے واقعات اور حالات کا مطالعہ کرکے حقیقت کو آشکار کیا ہے میں ایسی شہادتوں سے اعلیحضرت سلطان دکن کی

رواداری کا اظہار کروں گا

ایک عینی شاہد کا بیان لکھنؤ سے ایک مشہور اخبار اودھ نیٹ نکلا کرتا تھا جسکے ایڈیٹر کو اعلیحضرت کی ذات اور دولت آصفیہ سے کمال محبت اور عقیدت ہے۔ اسنے اپنی ۵ ر ڈسمبر ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں اعلیٰحضرت سے اپنی ملاقات کا ایک ذکر لکھا ہے جس سے یہ صداقت کھل جاتی ہے کہ اعلیحضرت اپنی رعایا کے متعلق کس قسم کے جذبات رکھتے ہیں معاصر مذکور لکھتا ہے کہ

دہلی میں جب اسے شرف باریابی عطا ہوا تو اثنائے گفتگو میں اسنے عرض کیا حضور کی ریاست میں ہندو زیادہ ہیں۔ یہ سنکر اعلیحضرت نے فرمایا کہ مجھکو اس مذہبی امتیاز کی گفتگو سے سخت نفرت ہے میرے لئے رعایا میں نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان ہے ہندو اور مسلمان دونوں میرے بچے ہیں مجھکو ان سے الفت ہے اور مجھ کو ان پر فخر ہے میری دلی تمنا ہے کہ میں اپنی رعایا کو ترقی کرتے دیکھوں اسی خیال سے میں نے عام طور پر سکولوں کے اجرا اور تعلیم کو عام کرنے میں خاص توجہ کی ہے میرے ہاں گذشتہ دس سال میں تعلیم میں دگنی ترقی ہوگئی ہے میری

رعایا نے تعلیم میں بہت ترقی کی ہے۔

"مجھے اس روز بڑا فخر ہوگا جب میری رعایا حکومت خود اختیاری کے قابل ہو جائیگی۔ میں اپنی رعایاء کی ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذمہ دار اور جوابدہ ہوں۔ میں اگر اپنی اس ودیعت کو کما حقہ ادا کر سکوں گا تب ہی اللہ تعالیٰ کے روبرو سرخرو ہو سکتا ہوں"

اعلیحضرت کا یہ ارشاد ایک تخلیہ کی مجلس کا ہے جہاں آپ ایک ایسے مسلمان سے آپ مصروف گفتگو تھے جو آپ سے بیحد ارادت اور عقیدت رکھتا ہے اور خاندان آصفی کے ساتھ اسے پرانی عقیدت اور وفاداری کی سچی محبت حاصل ہے۔ اسکے متعلق یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اگر صاف طور پر کوئی بات اس سے کی جائیگی اور وہ کسی حیثیت سے دولت آصفیہ کے مفاد کے خلاف ہو تو وہ اسکو افشا کردیگا۔ رازدارانہ بات ہو سکتی تھی مگر اعلیحضرت نے اپنے جذبات اور تاثرات کا جو وہ رعایا کے متعلق رکھتے ہیں صاف اور کھلے الفاظ میں اظہار کر دیا اور سب سے عجیب اور قابل غور بات جو اس ارشاد عثمانی میں ہے وہ یہ ہے کہ

آپ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور ذمہ دار یقین کرتے ہیں

اور اس احساس شریف کو مدنظر رکھ کر فرائض حکمرانی کو ادا کر رہے ہیں اور یہی وہ روح ہے جو انسان کو ہر قسم کی نیکیوں کی تحریک دلاتی ہے اور انصاف اور عدالت کے مقام معروف پر ممتاز کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف اور اسکے حضور سرخرو ہونے کی تمنا ہی ایک زبردست محرک صحیح اور حقیقی رواداری کا ہو سکتا ہے۔

اپنی رعایا پر فخر اعلیحضرت نے ایک مرتبہ نہیں متعدد تقریبوں پر اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ میں اپنی رعایا پر فخر کرتا ہوں چنانچہ ۱۹۳۲ء میں آپ نے جالنہ اورنگ آباد وغیرہ کا جو دورہ کیا اور مختلف مقامات پر آپ کی رعایاء نے سپاس نامہ پیش کئے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ

"جس طرح تمہیں مجھ پر فخر ہے میں بھی اسپر فخر کرتا ہوں کہ مجھے ایسی وفادار اور اطاعت کیش و عقیدت مند رعایا ملی ہے۔ اضلاع کے دورہ میں یہ امر ہمیشہ میرے پیش نظر رہتا ہے کہ وہاں کے حالات بچشم خود معائنہ کروں اور رعایا کی تکالیف اور ضروریات کو معلوم کروں۔ میں اپنی عزیز رعایا کی تکالیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہوں اور میں رعایا کی آسائش کو ہر چیز پر مقدم کرتا ہوں۔"

سلطان دکن سے ہندوؤں کی عقیدت

ریاست حیدرآباد کے ہندوؤں کو اپنے بادشاہ سے جو عقیدت اور محبت ہے وہ واقعات اور حقائق پر مبنی ہے ریاست حیدرآباد کے ہندو ان احسانات کو جانتے اور محسوس کرتے ہیں جو دولت آصفیہ نے ہمیشہ اپنی رعایا کے اس طبقہ پر کئے ہیں ۱۹۳۲ء کے وسط میں حیدرآباد کے سربرآوردہ مہنتوں اور سناتنی رہنماؤں نے ۱۶ لیڈروں کا ایک وفد نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر سیاسیات کے پاس بھیجا انکے سپاسنامہ سے ظاہر ہے جسکو میں معہ اسکے جواب کے درج کرتا ہوں۔

سربرآوردہ مہنتوں اور سناتنی رہنماؤں کا سپاسنامہ

اعلیحضرت ہم سناتن دھرم اور آدھیش مہنت مٹ بیراگیوں کے مذہبی پیشوا حضور عالی کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمیں کسی ایسی سیاسی تحریک سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو ریاست کے وقار کے خلاف ہو۔ بلکہ ہم تو اس قسم کی تحریکوں کو جو ملک کے امن و امان اور عام خوشحالی اور ریاست کی ترقی کے منافی ہوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا کام تو صرف خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور بس۔ اور ہم لوگوں میں صرف اسی عقیدہ کی اشاعت کرتے ہیں۔

السلطان ظل اللہ

ہمارے دلوں میں اپنے حکمران کے لئے بیحد عقیدت اور محبت ہے کیونکہ کرشن جی مہاراج نے

اپنی مقدس کتاب بھگوت گیتا میں فرمایا ہے۔

"اے انسانو! اگر تم انسان کی صورت میں میرا درشن کرنا چاہتے ہو تو اپنے حکمران کی شکل کو دیکھو"!

اعلیٰحضرت! تمام دنیا میں شاہ پرستی کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی اور ہم حکومت کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے خلاف ہیں جو ریاست میں بد نظمی پھیلانے کے ناپاک ارادے رکھتے ہیں ہم ہمیشہ اپنے عالی قدر حکمران کا ساتھ دیں گے۔ ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ ایک عام اعلان کے ذریعہ ہمارے جلسوں اور دیگر مشاغل پر سے پابندیاں دور کر دی جائیں۔ کیونکہ ہماری جماعت بالکل مذہبی حیثیت رکھتی ہے اور ہم وفادار اور امن پسند لوگ ہیں اور ہمارے جلسوں اور لیکچروں کا موضوع خالص مذہبی ہوتا ہے اس لئے اگر ان پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کی جائیں تو وہ ریاست کے لئے بھی مفید ثابت نہیں ہونگی۔

مندروں کو سرکاری امداد

ہمارے مندروں اور عبادت گاہوں کے لئے ریاست کی طرف سے جاگیریں عطا کی گئی ہیں اور اچھا سلوک کیا گیا ہے اس کے لئے ہم حکومت کے بیحد شکر گذار ہیں۔ لیکن ہم نہایت ادب سے درخواست کرتے ہیں کہ ایسے مندر جو ان مراعات سے محروم ہیں ان کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک ہونا چاہیئے ہم سری کرشن اور رام کے ماننے والے ہیں۔ ہماری اکثریت ہے اور ہماری تعداد کئی لاکھ پر مشتمل ہے لیکن اب بعض نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں جو ان کی توہین کرتے ہیں اور ہمارے جذبات کو مجروح کرتے ہیں اس لئے ہم نہایت زور کے ساتھ حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے خلاف ہمیں قانونی محافظت حاصل ہونی چاہیئے۔

والہانہ عقیدت

ہمیں اعلیٰحضرت کے ساتھ ملاقات کر کے بے حد مسرت اور شرف حاصل ہوا ہے ہمیں یقین ہے کہ حکومت کے [illegible] ہمارے وفاکیشانہ تعلقات اس طرح مضبوط رہیں گے۔

جس طرح اس وقت ہیں ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے مخلصانہ جذبات کو ہمارے عالی قدر فرمانروا تک پہنچا دیں گے۔ آخر میں ہم تمام اپنے جلیل القدر حکمران کی ترقی اقبال کے لئے خلوصِ دل سے دعا کرتے ہیں۔

محضر کا جواب

وفد کے ارکان کو پولیٹیکل ممبر کی طرف سے حسب ذیل جواب دیا گیا:۔

"میں آپ حضرات سے ملاقات کر کے بیحد خوش ہوا ہوں آپ کو رعایا کے ایک بہت بڑے طبقہ کی مذہبی پیشوائی اور قیادت کا شرف حاصل ہے جس طرح ہمارے دل میں اپنے مذہبی پیشواؤں کی عزت اور قدر ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کے مذہبی مقتدا ہماری نظروں میں عزت کے مستحق ہوتے ہیں۔"

لہٰذا میں آپ کا مخلصانہ استقبال کرتا ہوں آپ کا یہ اعلان کہ آپ کا کسی ایسی سیاسی تحریک سے کوئی تعلق نہیں جو مفاد سلطنت کے منافی اور لوگوں کی عام فلاح و بہبود کے خلاف ہو مورد صد ہزار مبارک باد ہے۔ اس لئے کہ ایک اتنے بڑے طبقہ کی وفادارانہ اور عقیدت مندانہ وابستگی راعی و رعایا کے لئے اطمینان کا باعث ہے۔ ایسی رعایا کا وجود سلطنت کے لئے باعث افتخار ہے۔ سری کشن جی کے جن ملفوظات کا آپ نے حوالہ دیا ہے کہ کسی سلطنت کا تاجدار دیوتاؤں کا اوتار ہوتا ہے یہ آپ کی انتہائی وابستگی کی دلیل ہے۔

تاجدار سے وابستگی

یہ اظہار عقیدت بھی ایک خوش آئندہ مستقبل کی علامت ہے۔ اس لئے کہ ہر جماعت کا مرکز تاجدار سلطنت ہی ہوا کرتا ہے۔ اور دنیا کی ہر رعایا اپنے بادشاہ کے ساتھ وفا کیشانہ لزوم سے ہی مضبوط و محکم رہ سکتی ہے۔ وہ انتشار سے محفوظ رہے گی۔ یہی اصول بعض دیگر اقوام میں بھی نافذ ہیں۔ جاپان میں اس کی نمایاں مثال نظر آتی ہے۔ جہاں رعایا کا ہر فرد اپنے بادشاہ کی محبت کا سرمایہ دار ہے۔ اسی طرح انگریزی رعایا اپنے بادشاہ کی ارادت مندی فرائض ادا

کرنے میں مصروف ہے۔ ہم فرزنداں توحید کے لئے یہ حکم نازل ہوا ہے کہ "تمہیں خدا" اس کے رسول اور ان برگزیدہ شخصیتوں کی متابعت کرنی چاہئے جو والی امر ہوں" تحریک آزادی کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باامن لوگوں کے لئے کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہئے اگر آپ کو کسی خاص شعبہ میں زحمت گوارا کرنی پڑی ہو تو میں خندہ پیشانی سے اسے سننے کے لئے تیار ہوں اور اگر ضرورت پڑے تو ہر ممکن اصلاح کی جائیگی۔

طوطی ہند پنڈت راج نرائن دہلوی کے تاثرات

پنڈت راج نرائن دہلوی شمالی ہند کے ایک مشہور و معروف اخبار نویس اور سناتن دھرم کے ایک ممتاز اور مسلمہ رہنما ہیں پنڈت راج نرائن صاحب حیدرآباد کی سناتن دھرم سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر ایڈریس دینے کے لئے بلائے گئے تھے اسی جلسہ میں اونہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

جب میں حیدرآباد کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ تو اخباروں کی اطلاعات کی بنا پر میرا خیال تھا کہ ریاست حیدرآباد میں مندروں کی حالت قابل اعتراض ہے اور ہندوؤں کے مندروں کی طرف حکومت کی مطلق کوئی توجہ نہیں۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ حیدرآباد پہنچکر حکومت سرکار عالی کی توجہ مندروں کیطرف مبذول کراؤں لیکن یہاں آکر جب ہر عنوان سے تحقیقات کی تو یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی کہ (ہندو) اخبارات کا بیان سراسر گمراہ کن اور جانبداری پر مبنی تھا۔ یہاں کے تمام مندروں اور معبدوں کو حکومت سرکار عالی کی طرف سے مالی امداد کافی مل رہی ہے اور مسلم معابد کی نسبت ہندوؤں کے مندر تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔

یہ پنڈت ارمان صاحب کے سرسری معائنہ کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ خود کہتے ہیں کہ "میں نے ہر عنوان سے تحقیقات کی" اور مندرجہ بالا بیان اسی تحقیقات کا نتیجہ ہے اس کے علاوہ پنڈت جی نے

یہ بھی فرمایا کہ "میں نے بہت سے ہندو ریاستوں کا دورہ بھی کیا ہے۔ ہندو راجا میرے دوست بھی ہیں لیکن ان کے ہاں میں نے حیدرآباد دکن کی طرح سارے مندروں کو امداد ملتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

یہ اس شخص کی رائے ہے جو ایک مشہور سناتن دھرمی لیڈر ہے اور مورتی پوجا وغیرہ کا زبردست حامی ہے اس کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس قدر نازک مذہبی مسئلہ میں کسی مصلحت سے ضمیر فروشی کریگا۔ وہ صاف کہتا ہے کہ قلمرو دکن میں ہندوؤں کے مندروں کو باقاعدہ امداد ملتی ہے۔ ہندو سبھائیوں کا مخالفانہ پروپیگنڈہ بالکل بے بنیاد ہے اور کسی ہندو ریاست میں بھی مندروں کو اس قدر امداد نہیں ملتی جس قدر اعلیحضرت کی مملکت میں مل رہی ہے۔

رواداری کی انتہائی شان گاؤکشی کی ممانعت کا فرمان

اعلیحضرت سلطان العلوم کی رواداری اور غیر متعصبی کی عملی مثالوں میں سب سے نمایاں

امتناع گاؤکشی کا فرمان ہے

دنیا کی کوئی حکومت کسی قوم کے مذہبی مراسم اور ان کے اکل و شرب کے امور میں مداخلت کرنا پسند نہیں کرتی خواہ وہ کسی ایک یا دوسری قوم کے جذبات یا عقائد کے خلاف ہی کیوں نہو اسلئے کہ آزادی ضمیر اور آزادی مذہب ایک منصف و عادل حکومت کے فرائض منصبی میں داخل ہے لیکن جہاں بادشاہ کو اپنی رعایا کے اس فریق کے اخلاص و وفاداری پر اتنا اعتماد ہو کہ وہ دوسری کسی قوم کے جذبات کے احترام یا دلداری کے لئے قربانی کر سکتی ہے وہاں بشرطیکہ بادشاہ خود بھی انہیں جذبات کا پیکر ہو وہ اس قسم کی رواداری کا عملی اظہار کر سکتا ہے چنانچہ اعلیحضرت سلطان العلوم نے ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ کو

امتناع گاؤکشی کے متعلق حسب ذیل فرمان جاری کیا

چونکہ بقرعید کا زمانہ بہت قریب ہے اسلئے مناسب ہوگا کہ بذریعہ جریدہ غیر معمولی اس امر کا

اعلان ممالک محروسہ سرکار عالی میں کرادیا جائے کہ آئندہ سے بجز بکرے کے گائے یا اونٹ کی قربانی نہ کی جائے بلکہ اسے ممنوع قرار دیا جائے نہ کہ اس وجہ سے کہ ہمارے مذہب میں ناجائز ہے بلکہ اس خیال سے کہ ان ہر دو جانور کا گوشت مزیدار نہیں ہوتا اور آجکل گرانی کی وجہ سے انکی قیمت بہت گران ہے لہذا مناسب ہوگا کہ قبل از قبل اسکا انتظام فوری عمل میں آئے تاکہ بروقت تعویق سے کافی ہرج کار نہو۔

شرحد ستخط اعلیحضرت بندگان عالی مدظلہ العالی

یہ فرمان مبارک جس مدبرانہ سپرٹ اور حکیمانہ سیاست کو لئے ہوئے ہے مجھے اسپر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مذہب السلام کے احترام کو بھی قائم رکھا اور اپنی ہندو رعایا کی پوری دلداری بھی اس رواداری کے ساتھ کی اور ملک کو ان تمام جھگڑوں سے جو اس قسم کی تقریبوں پر ہندوستان کی دو ممتاز قوموں میں پیدا ہوجاتے ہیں بچالیا۔

مذہبی رواداری مسٹر جانکی ناتھہ کے نقطۂ خیال سے

عصر قدیم کے مولف مسٹر جانکی ناتھہ نے اس خصوص میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:
مغل بادشاہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کو مذہبی رواداری سے واقف کیا شہنشاہ بابر وہمایوں اور خصوصاً شہنشاہ اکبر اعظم کی طرز حکمرانی کا تمام دنیا کو اعتراف ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کو مورخین کے ایک گروہ نے تعصب مذہبی کا الزام دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ملک دکن کے مندروں اور دیہات کے پروہتوں کی جاگیریں اگرہار اور انعامات و مقطعہ جات سیکڑوں ایسے ہیں جن کی سند دربار اورنگ زیب عالمگیر سے عطا ہوئی ہے۔ اور ان کے داخلے ممالک محروسہ سرکار عالی کے متعلقہ دفاتر میں محفوظ ہیں۔ یہی روادارانہ رسم خاندان آصفجاہی کا آئین ہے جس کو گورنمنٹ برطانیۂ ہند کے اعلان آزادی مذہب نے اور بھی مستحکم و پختہ کردیا ہے۔
خاندان آصفیہ ہمیشہ سے رعایا کی مذہبی آزادی کا طرفدار رہا ہے اور کبھی کسی فرقہ رعایا کی ادائے مراسم و عبادات میں خلل انداز نہیں ہوا ہے۔ خاصکر ہمارے زمانے میں

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اپنی خاندانی روایات میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ کے دور حکومت میں ناقوس کی جھنکار اذان کی صدا کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ آتشکدوں کے بھڑکتے ہوئے شعلے دھیمے نہیں ہونے پاتے گرجاؤں میں صلیبوں کے نشان بلند اور گھنٹوں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں غرض ہر فرقے کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔

بہت سے کائستھ، چھتری، برہمن، تلنگے، مرہٹے، ریڈی، شیعہ، وغیرہ، آصف جاہی امراء میں داخل ہیں اور بڑی بڑی جاگیرات، سمستان اور مناصب کے مالک ہیں۔ اس فہرست میں بعض نام انگریزوں، پارسیوں، فرانسیسی نسل کے عیسائیوں اور سکھوں کے بھی ملتے ہیں جو ہماری سرکار میں پشتہا پشت سے منصب پا رہے ہیں۔

مملکت آصفیہ کی بے تعصبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم ادارات مذہبی جن میں مندر، دہرم سالے، گوشالے، جاترا، رتھوں کے جلوس، دیو کے جلوس، پرودھتا، نجومی برہمن بھکشا استھان، گرو کی مدد معاش، کتھا کہنے والے، گرجا، آتشکدے، گردوارے شامل ہیں۔ تعداد میں تقریباً بارہ ہزار ہیں جن کا سرکار سے تنخواہ، یومیہ، معمول، انعام، وغیرہ مقرر ہے۔ برخلاف اس کے مسلم ادارے جن میں مساجد، عاشور خانہ، درگاہیں، خانقاہیں، مذہبی مکاتب، قاضی، مفتی، پیرزادے وغیرہ، ہیں تعداد میں کل پونے پانچ ہزار ہیں جن کو سرکار سے تنخواہ، یومیہ، یا انعام ملتا ہے۔ علاوہ اس فیاضی کے بہت سے عظیم الشان ادارات ہنود وہ ہیں جن کو ہزاروں اور لاکھوں کے دیہات بطور جاگیر مدد معاش واگزار دیئے گئے ہیں۔

اکثر مہذب ملکوں میں مذہبی رواداری کے اعلان کے ساتھ غیر مذہبوں اور غیر قوموں کے درمیان ایک حد فاصل قائم رکھی جاتی ہے، چنانچہ انگلستان میں عہد ملکہ وکٹوریہ کے پہلے تک یہودی کے معنی قریب قریب ایسے ہی تھے جیسے کہ ہندوستان میں شودر اور بنیئے کے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ شودر اور بنیئے ہندوستان میں سرکاری اعلیٰ خدمات کے حصول سے کبھی محروم نہیں رہے، انگلستان میں قدیم زمانے میں یہودی سرکاری خدمتوں اور کنیت

پارلیمنٹ کے حصول سے بالکل محروم تھے۔ الغرض یہودیوں کی محرومی اُس وقت تک قائم رہی جب تک برطانیہ عظمیٰ کی حکومت خود اپنے مذہب سے بالکل بے پروا نہیں ہوگئی مگر آصف جاہی حکومت میں پہلے سے حاکم و محکوم اقوام کے درمیان کوئی مذہبی حدِ فاصل نہیں رہی باوجودیکہ شاہان آصفیہ اپنے مذاہب کے پابند رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگانعالی نے خاندانی روایات رواداری سے چند قدم آگے بڑھ کر اپنی رعایاء کی دل جوئی فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب کئی برس تک ہندوستان کے گاؤکشی کے فسادات سے وہاں کی رعایا، متاثر ہوتی رہی تو آپ نے ذریعہ فرمان مبارک اپنے قلمرو مملکت میں گاؤکشی کی ممانعت فرمادی۔ یہ واقعہ عہد عثمانی کی وہ مستقل یادگار ہے جو ہنود کے دلوں پر نقش ہے اور کبھی نہیں مٹے گی۔ حکومت کے ایسے ہمت افزا برتاؤ سے ہندو مسلم اتحاد کی بے مثل نظیر قائم ہوگئی ہے اور باوجودیکہ ہندو مسلم فسادات سے ہندوستان کی فضا ہمیشہ مکدر رہتی ہے۔ حیدرآباد میں رعایا کی باہمی یک جہتی کو اور استحکام ہوتا جا رہا ہے اور دکن میں سب قومیں اپنے مذاہب کی پابندی کے باوجود ایسی شیر و شکر ہیں کہ سب کی ایک ہی قومیت معلوم ہوتی ہے۔

اگر عیسائی مشنری یا دری، مسلمانوں کے مناظر ملا اور ہندوؤں کے آریہ سماج یک قلم قدرتی طور پر گنگ ہو جائیں تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے قلمرو حکومت سے دنیوی معاملات میں معیار قوم و ملت بالکل جاتا رہے گا کیونکہ معاشرت میں اختلاط باہمی کی وجہ سے کوئی بیّن فرق نمایاں نہیں ہے۔

ہندو مسلمان سب کا بادشاہ

از مولوی مرزا امام بیگ صاحب۔ رونق قادری مدیر دکن نیوز و جریدہ "خلیق"۔

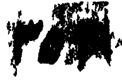
غدر سے پہلے ہندوستان میں یہ سوال کبھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا کہ ایک شخص پہلے

ہندو یا مسلمان ہے یا ہندوستانی۔ یہ پہلے اور بعد کا سوال بھولے سے بھی ذہنوں میں نہیں آسکتا تھا۔ ہر شخص اول و آخر ہندو یا مسلمان تھا اور پہلا ہندوستانی بھی اسلئے کہ مذاہب نے باوجود اپنے بہت سے اختلافات کے ایک زبان ہوکر جو تعلیم دی ہے وہ انسانیت کا عالمگیر احترام اور لا اکراہ فی الدین کا غلغلہ آمیز پیغام ہے۔ ہندو اور مسلمان خاندانوں کے اتحاد وخلوص اور محبت کے ان نظاروں کے لئے اب کبھی آنکھیں ترستی ہیں جن کے افسانے بڑے مزے لے لے کر ہمارے قدیم بزرگ فخر کے ساتھ سناتے آرہے ہیں اور ایسے خاندان اس گئی گزری حالت میں بھی حیدرآباد میں کثرت سے ملیں گے جن کے گھر میں داخل ہونے کے بعد ہندو یا مسلمان کوئی بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ ریاست حیدرآباد ہندوستان کے اسی قومی دور اور مذہبی رواداری کی باقیات صالحات ہے جس میں پہلے اور بعد کا کوئی خیال تک موجود نہیں تھا۔

سلطنت آصفیہ اور اس کے حکمرانی کی تاریخ ہی قومی پالیسی کی حامل رہی ہے۔ جہاں تک امور سلطنت کا تعلق ہے نہ کوئی ہندو تھا نہ مسلمان، اب بھی اس کی نظر میں رعایا کی حد تک ہندو اور مسلمان کا فرق و امتیاز عنقا ہے۔ قوانین جیسے نافذ ہوئے اور ہوتے جارہے ہیں وہ کسی خاص طبقہ اور مذہب کے تنہا فائدے اور امداد کے لئے نہیں ہوتے بلکہ ہر شخص کے لئے یکساں مفید اور قابل پابندی ہوتے ہیں۔

مملکت دکن کی تاریخ عہد عثمانی اس کی حیات جدیدہ ہے جس میں نہ صرف واحد قومیت کے تصور کو تقویت پہنچی بلکہ مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے اور مزدور کو آجر کی ستم آرائیوں سے نجات دلائی جارہی تھی۔ اب وہ زمانہ ہماری نظروں سے دور نہیں ہے جب محمود و ایاز دونوں ایک ہی صف میں نظر آنے لگیں گے۔

گاؤکشی کا امتناع مذہبی رواداری کا ایک ثبوت تھا تو بیگاری کی لعنت کا قلع قمع کرنے والا فرمانِ انسانی مساوات کے اس خواب کی ایک بہت بڑی عملی تعبیر تھی جس کی تکمیل



کیلئے آج متمدن سے متمدن قومیں کوشاں ہیں، جا بجا عمال جماعتوں کا قیام تحریک انجمن ہائے مزدوران یہ سب آجر اور مزدور دونوں کو ایک ہی سطح پر لانے کی تنظیمی اور باقاعدہ کوششوں کا نام ہے۔

سرمایہ داری دوسری لعنت ہے جس کے خلاف آج ساری دنیا کشمکش میں مبتلا ہے۔ بیسیوں تحریکات اس کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ روپیہ میں اتنی قوت نہ ہونی چاہیئے کہ وہ اس دولت کو جو مشترکہ محنت سے حاصل ہوئی ہو غیر مساوی طور پر تقسیم کر کے ایک بڑے حصہ کا خود مالک بن جائے اور دوسرے طبقے نیم فاقہ کش اور نیم جامہ پوش زندگی بسر کریں۔ ہندوستان میں سرمایہ دار کا کوئی اور طبقہ اتنا زیادہ غلام نہیں ہے جتنا کہ غریب بے چارہ کاشتکار رہے۔ کسان کی گاڑھی کمائی امید و بیم کی ایک حالت زندگی سے لائی ہوئی فصل سب کچھ سرمایہ دار و ساہوکار کی نذر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک کاشتکار کے پاس اتنا غلہ بھی بچا نہیں رہتا کہ وہ سوکھی روٹی ہی پر زندگی بسر کر سکے۔ کاشتکار کی یہ دردناک زندگی ایسی نہیں ہے کہ ایک شخص جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو دیکھے اور خاموش رہے۔ دکن کا دل اس کا بادشاہ ہے جو سب سے پہلے ان دردناک حالات سے پسیجتا ہے اس نے مزدور کو بیگار کرتے ہوئے دیکھا خاموش نہ رہا گیا کاشتکار کا روپیہ کا غلام بنا رہنا اور نیم فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنا کوئی ایسی معمولی چیز نہیں تھی کہ شاہ دکن کے جذبات رحم و کرم کو متحرک نہ کر دیتی۔ فرامین صادر ہوئے اور ایک ایسے دستور العمل کے نفاذ کی نوید لائے جو ایک بہت بڑی حد تک ساہوکار اور اس کے روپیہ کی غلامی سے کاشتکار کو آزادی دلائیں گے۔

کاشتکار اپنی تعداد میں زیادہ ہندو ہیں لیکن مملکت آصفیہ کو جس کی بنیاد ایک واحد قومیت پر قائم ہے اور اس کے بادشاہ کو جو ہندو اور مسلمان سب کا بادشاہ ہے اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ کاشتکار مذہباً کیا ہے۔ اسی قدر کافی ہے کہ مملکت دکن کا بسنے والا اور اسکا

وفادار رعیت ہے۔ وہ کاشتکار ہے اور ایک مظلوم کاشتکار ہے جس کی محنت اور کمائی پر دولتمند طبقہ آہستہ آہستہ قبضہ کرتا جارہا ہے۔ اس ظلم اور غیر مساوی حیثیت سے نکال کر برابر کی سطح پر لے آنا بھی ایک قومی حکومت کی تمنا ہوسکتی ہے۔

کیا اب بھی وہ لوگ جو ہندو اور مسلمان کے نام سے پھوٹ کا بیج بوتے ہیں نفاق اور باہمی مخاصمت کے ملزم ہیں، اپنے دماغی بتوں کو توڑ کر صرف ایک قوم اور ایک مملکت کے حقیقی تصور کی پرورش نہیں کریں گے؟

سلطانِ دکن کی کفایت شعاری

کفایت شعاری ان اخلاق فاضلہ میں سے ہے جو افراد اور اقوام کی اقتصادی حالت پر موثر ہوتے ہیں ہر مذہب نے تبذیر و اسراف کو گناہ قرار دیا ہے اسلام نے خصوصیت سے اسراف و تبذیر سے نفرت دلائی ہے۔ سلطان دکن (آصف جاہ ہفتم) باوجود بادشاہ ہونے کے کفایت شعاری کے صحیح اصولوں پر عمل پیرا ہے۔ جہاں واقعی خرچ کی ضرورت ہو وہاں وہ لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کر دیتا ہے لیکن غیر ضروری محل پر وہ ایک پائی خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

یہ نہ صرف قرآن کریم کی تعلیم اقتصاد پر عمل ہے بلکہ آصفی خاندان کی روایات کو زندہ کرنا ہے

حضرت آصف جاہ اول کی زندگی کے حالات پر غور و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فضول اور ناجائز اخراجات سے سخت نفرت تھی۔ جائز اخراجات کے لئے انہیں لاکھوں روپیہ کے صرف میں تامل نہ ہوتا مگر معمولی فضول خرچی بھی آپ کو پسند نہ تھی۔ اصل میں لوگوں نے اسراف و تبذیر کے فلسفہ کو نہیں سمجھا عام طور پر لوگ رقم

کثیر کو خرچ دینا اسراف تصور کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں بلکہ بے محل خرچ کرنے کا نام اسراف ہے خواہ وہ ایک پائی ہی کیوں نہ ہو۔

غرض حضرت آصفجاہ اول کا بھی یہی معمول تھا اور آپ اس خصوص میں چھوٹی سی چھوٹی بات کو نظر انداز نہ فرماتے تھے اسکی وضاحت کے لئے آپ کی زندگی کا ایک واقعہ یہاں دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس سے اسراف و کفایت شعاری کا صحیح فلسفہ معلوم ہوتا ہے۔

"ایک دن فرمایا کہ میر محمد حسین خان مغرب کے وقت محل کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوجائے چنانچہ وہ حاضر ہوا اور ڈیوڑھی کے ناظر نے اس وجہ سے کہ نواب آنیکے معمول سے زیادہ چراغ جلوائے جب اون کو خان مذکور کی حاضری کی خبر ہوئی تو باہر نکلے یکایک ان چراغوں پر نظر پڑی فرمایا کہ یہ زاید چراغ کیسے جلائے ہیں لوگوں نے کہا کہ ناظر ڈیوڑھی نے آپ کے آنیکی وجہ سے جلوائے ہیں نواب نے کہا کہ جب ہم نکلتے ہیں تو روشنی ہمارے ساتھ ہوتی ہے ان زائد چراغوں کا حساب کہاں پڑیگا خانساماں نے کہا کہ جبکہ لاکھوں روپیہ سرکار میں خرچ ہوتا ہے اور یہ آدمی بھی آپ کے تصدق سے ہزارہا روپیہ پیدا کرتے ہیں اگر چراغ کے تیل کے لئے ایک پیسہ خرچ ہوگیا تو کیا مضائقہ حضور ان کا قصور معاف کریں فرمایا کہ لاکھوں کا بجا خرچ مضائقہ نہیں ہے اور بیجا خرچ کرنا ممنوع ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ لا یحب المسرفین یہ آدمی کہ بڑی سختیاں جھیلتے ہیں انکا حق ہے ہم نہیں چاہتے ان کے اہل و عیال کے حق کا ایک پیسہ بھی ہماری سرکار میں خرچ ہو"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آصف جاہ اول اپنی ذات کے لئے ایک پیسہ بھی بے جا طور پر خرچ کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور جائز محل پر لاکھوں کے خرچ میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے یہی عادت

آصفجاہ ہفتم کی ہے

وہ اپنی رعایا کی بہتری اور غربا پروری کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے سے مضائقہ نہیں کرتے اور اپنی ذات پر ایک عام آدمی کے رنگ میں خرچ کرتے ہیں میں نے آپکے سوانح حیات میں واقعات کے ضمن میں سالگرہ کی تقریب پر جمع ہونے والے چندوں کے متعلق ایک فرمان کا ذکر کیا ہے جس میں ایٹ ہوم اور رقص وسرود کی محفلوں کو بند کر کے غربا پروری کے طریقوں کی ہدایت کر کے ایک ہی وقت میں معاشری اصلاح اور رعایا پروری کا نمونہ قائم کیا یہ ایک مثال ہے۔ حضرت ولیعہد بہادر اور شہزادہ معظم جاہ بہادر کی شادی کی تقریب پر رعایا نے اظہار مسرت کے لئے نذر عقیدت پیش کی مگر آپ نے اس رقم کو کھیل تماشوں میں صرف کرنے کے بجائے رعایا کے مفید اور اجتماعی فوائد کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا۔

آپ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو یہ امر مد نظر رہتا ہے کہ رعایا کے مفاد و آرام کیلئے اسکا جزو اعظم ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو آپ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اور اگر مفاد عامہ کا تعلق ہو تو لاکھوں روپیہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں اس خصوص میں میں ایک فرمان مبارک کا ذکر کئے بغیر آگے نہیں چلتا۔ یہ فرمان مبارک ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ کو صادر ہوا۔ رعایا نوازی کا یہ ایک نمونہ ہے اور وہ یہ ہے۔

"حال میں میں نے جبکہ ممالک محروسہ کا دورہ ختم کیا اس وقت سے خیال کر رہا ہوں کہ جن مقامات پر میرا قیام ہوا وہاں اس واقعہ کی مستقل یادگار قائم کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ کیا ہوگا اب کامل غور کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو کوئی کام اس کے متعلق کیا جائے وہ اس بنا پر ہونا چاہیئے کہ میری عزیز رعایا کے آرام و آسایش کے ذرائع میں واجبی سہولتیں پیدا کیجائیں۔

پینے کے لئے صاف پانی کا مہیا کیا جانا اور ایسے ہی دوسری مقامی ضرورتیں جنکا مجھے اثنائے دورہ میں ذاتی مشاہدے کی بنا پر علم ہوا ہے انکی تکمیل کے واسطے مستقل

انتظام ضروری ہے اس قسم کے کاموں کے لئے میں حکم دیتا ہوں کہ فی الفور پندرہ لاکھ روپے حسب تفصیل ذیل مخصوص کئے جائیں۔

منجانب دیوانی	پانچ لاکھ روپے
منجانب صرفخاص	ایک لاکھ روپے
منجانب لوکلفنڈ	نو لاکھ روپے

اور صدر اعظم بمشورہ صدر المہام فینانس فوراً میرے حکم کی تعمیل میں ضروری کارروائی شروع کردیں اور رفاہ عام کے ایسے کاموں کے لئے جو کام وہ مناسب سمجھیں خاص مقامی ضرورتوں کو پیش نظر رکھکر تو تعین کردیں"

اب غور کرو پندرہ لاکھ کے مصارف کو کس دریا دلی اور خوشی سے قبول کیا صرف اسلئے کہ وہ رعایا کی آسایش اور آرام اور مفاد کے لئے تھا غرض اعلیٰ حضرت کی کفایت شعاری کی بنیاد ایک زرین اصول قرآنی اور احیاء روایات خاندانی پر ہے۔ جن لوگوں نے بدقسمتی سے اعلیحضرت کی کفایت کو بخل سے تمیز نہیں کیا انہوں نے علمی بددیانتی کی ہے اور فلسفہ اخلاق اور فلسفہ اسراف و تبذیر پر غور ہی نہیں کیا۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا یہ پہلو معاشرتی زندگی پر بے حد موثر ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ عظیم الشان فرامین جو سلطان العلوم کے قلم سے نکلتے ہیں وہ ان لفافوں پر لکھے جاتے ہیں جو بارگاہ خسروی میں داخل ہوتے ہیں آپ انکو ضائع نہیں جانے دیتے اور ان پر ہی پنسل سے فرامین شاہی لکھدیتے ہیں۔ جنگ عظیم کے دوران میں ہماری حکومت برطانیہ نے کفایت شعاری کے لئے ایک ہی لفافہ کو متعدد مرتبہ استعمال کرنے کے احکام نافذ کئے لیکن اعلیحضرت آصفجاہ ہفتم کا یہ عمل اس سے بھی پہلے سے جاری ہے۔ آپ کی کفایت شعاری کے پہلو کی تفصیلات نہایت دلچسپ اور طویل ہیں میں صرف یہی کہکر ختم کردیتا ہوں کہ

آصفجاہ ہفتم اسراف کو پسند نہیں فرماتے اس لئے کہ قرآن کریم کہتا ہے ان اللہ لا یحب المسرفین

سلطان دکن کی تصویر مہاراسر کشن پرشاد کی آنکھ و رقلم سے

مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بالقابہ وزیر اعظم دولت آصفیہ عثمانیہ ایک بالغ نظر اور صاحب بصیرۃ مدبر اعظم ہے اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان (متعنا اللہ بطول حیاتہ) اُن کے سامنے پیدا ہوئے۔ بڑے پھلے اور پھولے اور دولت آصفیہ کے اورنگ نشین ہوئے اور سریر السلطنت کو آپ کی سیرۃ و شمائل کو جس وقت نظر اور قریب سے پڑھنے کا موقعہ ملا ہے وہ میری کسی تصریح کا محتاج نہیں اونہوں نے اپنے محبوب آقا زادہ اور آقا کو جس نظر سے دیکھا اسکی تصویر خود اونہوں نے اپنے قلم سے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

جب سے اس مشرق الانوار خسرو دکن نے اپنی حکومت کی بسم اللہ کی اور اس جشن شاہانہ کی رسوم ادا ہوئیں دکن کے نصیب جاگے۔ بہار سلطنت نے پھول برسائے اقدس چرخ نیلی نے تارے آتارے ظل اللہ کا اقبال چتر بنکر سایہ فگن ہوا عزت و اجلال کے جلوہ میں ترقی کی رفتار نے برق خرامی کی بخت آصف کا شہباز ہوائے ملک رانی میں بلند پرواز ہوا۔ زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیکر ثابت کر دیا۔

بالائے سرش زہوشمندی ۔ مے تافت ستارۂ بلندی

حضرت اقدس و اعلیٰ نے جو کچھ چاہا کیا اور تمام نظم و نسق نگینہ کی طرح جڑ گئے جو کچھ حضور پر نور نے کیا اور جو کچھ ہوا۔ پبلک سے پوشیدہ نہیں ہے امید قوی ہے کہ بعونہ تعالیٰ ایک روز یہ حکومت اپنے مرکز پر نہایت حسن اور مزید کامیابی کے ساتھ

دائرے کی گردش کو طے کر کے اپنے نقطہ کمال پر پہونچے گی۔ الحمدللہ ملک کا نصیبہ چمکا جناب جوہر
و فولاد بازو نے ہر چیز اپنے قبضہ میں لے لیا اور عقل و دانش کے تیلے نے اسطرح دوست و دشمن
کو ایک گھاٹ پانی پلایا کہ دُور اندیش تجربہ کاروں نے اکثر آپ کی فراست و فہم کا لوہا مان لیا
ہر ادنیٰ و اعلیٰ کام میں شہریار کی ذاتی دلچسپی اور شفقت نے سلطنت کی تمام گھتیوں کو یک قلم
سلجھادیا یار و اغیار نے سمجھ لیا کہ اب حیدرآباد میں مفت خوروں کا گذارہ نہیں۔

حضور بذات خود ہر کام کے بڑے ماہر ہیں یہی وجہ ہے کہ انکے عہد میں حیدرآباد
کی آمدنی نے ہمیشہ سے زیادہ ترقی کی اور کر رہی ہے اور روپیہ کے معاملہ میں تمام باریکیوں
کو ایک تجربہ کار کہنہ مشق ماہر سے زیادہ تیزی سے سمجھ جاتے ہیں۔

مہاراجہ بہادر کی آنکھ سے اعلیٰحضرت کی شان | مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب نے اعلیٰحضرت کے
اخلاق حمیدہ اور کمالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"بے خبر لوگ اعلیٰحضرت کی صفات حسنہ سے واقف ہوں اور ان پر غور کریں میں نے
تو آتنی صفتوں کا آجتک کوئی بادشاہ نہیں دیکھا"

نادان نکتہ چین اور احمق معترض مہاراجہ کے اس کلام میں شاید خوشامد کی
شان کو دیکھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مہاراجہ ایسی شخصیت اور علم و واقفیت کا انسان اس
بات کو پبلک میں نہیں کہہ سکتا جو صداقت سے معرا ہے۔ ہاں یہ تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ
اس میں شکر گذاری اور محبت کی جھلک نمایاں ہے خوشامد نہیں۔

بعض لوگ جو حقایق اور آداب سے نا واقف ہیں وہ اس قسم کے الفاظ پر معترض
ہوتے ہیں اور ہر حالت میں اسے خوشامدانہ رنگ دیتے ہیں مگر سچ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے
نقطہ نظر اور اپنے معلومات کی بنا پر ایک بات کہتا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا جواب | ایک مرتبہ خواجہ حسن نظامی صاحب کو بھی لوگوں نے کہا کہ
انکے الفاظ میں جو وہ روزنامچہ میں اعلیٰحضرت کی نسبت لکھتے ہیں خوشامد کی بو آتی ہے۔

خواجہ صاحب نے انکو لکھا کہ میں تو اسلئے لکھتا ہوں کہ مسلمانوں اور ہندوستان کے بچے اپنے قدیمی لٹریچر کے ادب سے واقف ہوں اور انہوں نے اعلیٰحضرت کے حضور بھی عرض کیا کہ

"آپ مسلمان قوم اور مشرقی اقوام میں ایسی شخصیت رکھتے ہیں مسلمان قوم اور مشرقی اقوام آپ کے نمونہ ذات سے اپنے اندر وحدت و اجتماع پیدا کر سکتی ہیں پس میں جو کچھ آپ کی نسبت لکھتا ہوں وہ خوشامد نہیں ہے، نہ آپ پر کوئی احسان ہے بلکہ اپنی قوم کو پراگندگی سے بچانے اور متحد رکھنے کی ایک خدمت ہے جس کا اجر خدا دے گا۔"

غربا نوازی اور بے تکلفی کا ایک واقعہ | یہ قدرتی بات ہے کہ سلاطین کے دربار اور ان تک پہونچنے کے کچھ نہ کچھ آداب اور قواعد مقرر کرنے پڑتے ہیں کیوں کہ بغیر اس کے چارہ نہیں مگر اعلیٰحضرت جب کبھی ایسے مقام پر ہوتے ہیں جو پبلک مقام سمجھا جاتا ہے یا اس مقام کی کچھ ایسی خصوصیات ہوں کہ وہاں اس قسم کے قواعد و ضوابط پر عمل ممکن تو ہو لیکن نامناسب ہو تب آپ اسکی پرواہ نہیں فرماتے۔ فبروری ۱۹۳۴ء میں آپ دہلی تشریف رکھتے تھے ۲۶ فبروری ۱۹۳۴ء کو آپ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں گئے ہوئے تھے اس موقعہ پر کسی شخص نے کوئی درخواست پیش کرنی چاہی ظاہر ہے کہ وہ موقع اور محل اس کام کے لئے نہ تھا۔ پیشی مبارک کے اہلکاروں نے اپنے فرائض کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اسے روکا آپ کی نظر اس پر پڑی تو آپ نے محسوس کیا کہ یہ شخص اس عظیم الشان بزرگ حضرت خواجہ قطب صاحب کی درگاہ میں میری حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے آپ نے درباری آداب کو ترک کر دیا اور زبان مبارک سے فرمایا۔ لے لو۔ لے لو۔ اس کی درخواست لے لو۔ بظاہر واقعہ نہایت معمولی ہے مگر اس میں سلطان العلوم کی انتہائی غربا نوازی۔ خلاص اور بے تکلفی کا پتہ ملتا ہے۔ خدا کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کے لئے دل میں ایک جوش ہے۔

اور اس کے لیئے وہ قواعد وضوابط کے حدود بھی بعض وقت توڑ دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔

قدیمان خود را بیفزائے قدر کا جذبہ اعلیٰ حضرت کی خصوصیات میں یہ امر داخل ہے کہ آپ قدیم متوسلین دولت آصفیہ کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں خواہ انکا تعلق موجودہ حکومت سے رہا ہو یا نہ ہو۔ اس خصوص میں متعدد واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں مگر میں صرف ایک واقعہ پر اکتفا کروں گا۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین مرحوم عہد محبوبی میں بڑے ممتاز اہلکاروں میں سے تھے وہ اپنی دیانت امانت اور صابت رائے میں مشہور تھے۔ ان کے مخالف اُن کی نسبت جو کچھ بھی چاہیں کہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک فرض شناس دیندار اہلکار تھے۔ حیدرآباد میں بھی وہ گونہ عسرت ہی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت مرحوم کا عہد حکومت امراء اور عمایدکی سیاسی خانہ جنگیوں کا ایک عجیب مرقع تھا۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین پر بھی ایک یا دوسری پارٹی میں شرکت کا گمان تھا اسلئے ایک مرتبہ وہ فدیہ یا تدبیر کی مخالف پارٹی کے رکن ہونے کی حیثیت سے حیدرآباد سے رخصت کر دیئے گئے پھر بلائے گئے اور بالآخر وہ وظیفہ پر حیدرآباد سے رخصت ہوگئے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جبکہ وہ قومی خدمات میں مصروف تھے اونہوں نے اعلیٰ حضرت آصف جاہ ہفتم کے حضور ایک عرضداشت بھیجی اعلیٰحضرت نے فوراً اپنے تاج وتخت کے ایک قدیم اور وفادار خادم کی حوصلہ افزائی کی وقار حیات کے مصنف نے اس واقعہ کو حسب ذیل رنگ میں پیش کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت آصفجاہ ہفتم سابع کے حضور میں ایک عرضداشت نواب وقار الملک نے اپنا تمام زمانہ ملازمت نہایت دیانت داری سے بسر کیا تنخواہ کے علاوہ انکی کوئی بالائی آمدنی نہ تھی اسلئے حیدرآباد میں بھی وہ عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ایسی حالت میں اُن کے پاس اس قدر روپیہ کہاں پس انداز ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی جائداد خریدتے یا آمدنی کے وسایل کو ترقی دیتے جو کچھ وہ خریدتے وہ بھی اسوجہ سے کہ ان کو بعض اوقات غیر معمولی طور پر کافی

روپیہ ملکیا مثلاً پہلی برخواستگی کے بعد جب دوبارہ حیدرآباد گئے تو چند سال کی وظیفے کی کارروائیوں کے بعد ان کو تین سال کی تنخواہ زمانہ خانہ نشینی کی ملکتی یا جب وہ حیدرآباد سے استعفا دیکر واپس آئے تو نواب سر آسمان جاہ نے ان کے مکان کا فرنیچر اصل قیمت پر خرید لیا اور یہ فرنیچر بھی اعلیحضرت کا عطا کیا ہوا تھا آخر میں اونہوں نے اپنے مکانات فروخت کر دئے لیکن باوجود اس کے ان کی جائداد کی آمدنی اسقدر نہ تھی جو صاحبزادہ مشتاق احمد کی یورپ کی تعلیم کے لئے کافی ہو۔ ان حالات سے متاثر ہوکر اونہوں نے اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ کے حضور میں ایک مفصل درخواست پیش کی جس میں اپنے تمام خانگی حالات آمدنی کی کیفیت اور علالت وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد دولت آصفیہ کے احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر مشتاق احمد کی تعلیم کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ

"ایک وہ زمانہ تھا کہ اپنے بڑے فرزند محمد احمد مرحوم کی تعلیم یورپ اور بیرسٹری وغیرہ کے اخراجات کے واسطے جب کہ سرکار عالی کے متعدد عہدہ داروں کو تعلیمی وظائف دئے جارہے تھے اپنی بیش قرار تنخواہ کے لحاظ سے اس قسم کی درخواست پیش کرنے کی جرأت نہ کی اور نیز باوجود اپنے دوستوں کے مشورہ کے جو کچھ خرچ ہوا اپنی ذات سے کیا اسوقت کی حالت کے لحاظ سے سوائے اسکے کہ سرکار عالی سے امداد کی درخواست کی جاوے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ اور یہ امر کہ وہ امداد کیا ہوگی یہ سب سرکار عالی کی غریب پروری اور شاہانہ فیاضی پر منحصر ہے عرض کرنے کی حاجت نہیں کہ

"خواجہ خود روش بندہ پروری داند"

یہہ درخواست سر فریدون الملک بہادر کے ذریعہ سے بارگاہ خسروی میں پیش ہوئی اور اعلیحضرت نے اپنی ضرب المثل شاہانہ فیاضی اور قدردانی سے صاحبزادہ مشتاق احمد کی تعلیم ہندوستان کے لئے سو روپیہ اور تعلیم یورپ کے لئے ڈہائی سو روپیہ ماہوار منظور فرمائے در زمانہ جنگ میں اس وظیفہ میں اضافہ بھی فرمایا گیا اسکے علاوہ مرحوم کے دو نواسوں کا وظیفہ بھی

مقرر ہوا۔ اور سو روپیہ کا وظیفہ اعلیحضرت نے انکی بیگم صاحبہ کو مرحمت فرمایا۔ ندوی)

اور اپنے وفادار اور دیرینہ سال ملازم کو زندگی کی آخری گھڑیوں میں مایوس نہیں کیا سلاطین دولت آصفیہ کی یہی شاہانہ فیاضیاں ہیں جو لوگوں میں وفاداری بلکہ جاں نثاری کا جذبہ پیدا کر دیتی ہیں یہ واقعات دیکھ دیکھ کر بے اختیار اسلام کے عہد گزشتہ کی تاریخ کا مرقع سامنے آجاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تاریخ اپنے صفحات الٹ الٹ کر ہمارے سامنے لارہی ہے۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وفادار ملازم نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اپنے محبوب آقا کو کیسی دعائیں دی ہوں گی اور شکر گزاری کے کیسے جذبات اسکے دل میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

سلطان دکن کی محبت ذی روح سے

مولانا ہوش بلگرامی نے ذی روح سے محبت کے عنوان سے ایک نہایت موثر اور دلکش مقالہ عظمت اسلام اور رحمۃ العالمین کے اخلاق کی ایک شان دکھانے کو لکھا ہے میں اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے اس کا آخری حصہ یہاں دیتا ہوں۔

بے زبان جانوروں کے متعلق رحم و شفقت کا جذبہ اس انسان کامل کے دل میں کیونکر نہ ہوتا جس کی نسبت صحیفہ ربانی کے یہ الفاظ ہر مسلمان کو یاد ہیں کہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

جب اس کا یہ حال تھا تو اس کے جانشینوں کا کیا حال ہوگا جو نقش پائے رسالت کے ہر ذرہ کو اپنا رہنما جانتے تھے۔ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا انسانی محبت و شفقت کے ان نقوش سے محروم نہیں ہے جو اس مرسل برحق کی سیرت پاک نے صفحۂ ہستی پر قائم کئے ہیں اور جو انسانوں کے لئے خدا کا یہ پیام لایا تھا کہ: "زمین کے جانور اور ہوا کی چڑیاں بھی تمہاری طرح ایک امت ہیں"

اسلام کے نبی برحق نے جن تعلیمات کا چراغ ظلمت خانہ عرب میں روشن کیا تھا اس سے ہر زمانہ اور ہر ملک میں لاکھوں چراغ روشن ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اور یہی اسلام کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ اس کی تعلیمات کسی عہد اور کسی ملک میں اثر و نفوذ سے محروم نہیں رہتیں۔ آج جبکہ اسلام کی تشکیل ظاہری بگڑی ہوئی نظر آتی ہے (اس لئے کہ مسلمانوں نے اسوۂ حسنہ اور درس اخلاق و اعمال کو بھلا دیا ہے) اور آج جبکہ عالم اسلام پر ہم ایسے انسانوں کے اعمال کی بدولت مصائب و مشکلات کی گہری بدلیاں چھائی ہوئی ہیں پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی ایسی شمع روشن نظر آتی ہے جس نے دنیا کے اس پہلے چراغ سے کسب نور کیا ہے۔

حضرت اقدس و اعلیٰ کے متعلق یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ حضور انور کا دامن لطف و کرم بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانوں پر سایہ کئے ہوئے ہے، آج کی صحبت میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو حضرت بندگان عالی کی سیرت کے ایک ایسے پہلو سے بھی روشناس کراؤں جو حضرت پیر و مرشد کی ذات اقدس میں اسلام کی سچی تعلیم کا آئینہ دار اور اپنے پیغمبر کے اسوۂ حسنہ کا صحیح عکس ہے۔ مجھے اس حقیقت کے اظہار پر فخر ہے کہ حضرت ظل سبحانی کا قلب صافی اپنے دین برحق کی عظمت سے اس درجہ لبریز ہے کہ موجودہ دنیائے اسلام میں کسی ایسے "صاحب ایمان" کا پیش کرنا اگر محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ (فیہ نظر عرفانی)

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیم خصوصی تعصب و تنگ نظری سے بہت بلند ہے وہ تو خدا کا ایک ایسا پیام ہے جو ساری کائنات کو اخوت و مودت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا چاہتا ہے اس لئے ہر وہ مسلمان جو اسلام کی حقیقت معنوی سے بہرہ مند ہے کسی انسان کی ایذا رسانی تو کجا کسی حیوان پر بھی ظلم و جبر کو ٹھنڈے دل سے برداشت نہیں کر سکتا اور نہ محض اختلاف عقائد کی بنا پر کسی کو صدمہ پہنچانے کا خیال اس کی اخلاقی زندگی کے دستور العمل میں جگہ پا سکتا ہے۔ حضرت بندگان عالی کا ضمیر منیر بھی انہیں تجلیات سے روشن و منور ہے، دنیائے اسلام کو اس پر فخر کرنا چاہیئے کہ اقبال تیموری کے وارث دہلی کی ذات میں

انسان تو انسان بے زبان حیوانوں کے ساتھ بھی محبت و شفقت کے وہی جذبات کار فرما ہیں جو عہد نبوت اور تعلیم اسلامی کی ایک خصوصیت ہے۔

جن لوگوں کو ذرا قریب سے سیرت شاہانہ کے مطالعہ کے مواقع نصیب ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک بے زبان چوپائے اور ایک مشت پر کے لئے بھی اس ارفع و اعلیٰ انسان کے دل میں وہی ہمدردی و محبت موجود ہے جس سے اُس کی وفادار اور عقیدت مند رعایا ہر روز مستفید ہوتی رہتی ہے سینکڑوں میں سے صرف دو چار واقعات جو میرے حافظہ میں محفوظ ہیں اُنکو سیرت شاہانہ کے ایک عکس کی حیثیت سے اس لئے ان صفحات پر پیش کرتا ہوں کہ شاید ایک اعلیٰ اور ارفع اخلاقی زندگی کی یہ مثالیں ادنے اور کمزور انسانوں کے اخلاق کی رہنمائی کر سکیں۔

بہت سے دیکھنے والوں کو وہ واقعہ یاد ہوگا کہ ایک روز سواری شاہانہ موٹر پر گزر رہی تھی، راستہ میں ایک بکرا موٹر کی زد میں آجاتا ہے۔ معاً موٹر رک جاتی ہے اور ایک بادشاہ کا درد مند دل اُس بکرے کی پوشیدہ چوٹ کا تصور کر کے بے چین ہو جاتا ہے۔ موٹر کی آغوش اُس حقیر اور کمزور جنس کے لئے وا ہو جاتی ہے۔ وہ "زخم خوردہ" بکرا آستانہ عالی پر آ کر اتارا جاتا ہے، علاج ہوتا ہے اور صحت پانے کے بعد آج بھی کنگ کوٹھی مبارک میں "شہ نشین" سے بالکل قریب بندھا ہوا دانہ چارہ کھاتا رہتا ہے۔ ذات شاہانہ کے لئے اس جانور کا وجود حقیر اب بھی موجب شادمانی ہے! کسی کو کیا معلوم کہ اس بادشاہ کامگار کے قلب صافی کے لئے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں دنیا کے بہترین عیش و طرب سے زیادہ موجب مسرت ہوتی ہے۔

ولیعہدی کے زمانہ میں ایک "خوبصورت مادیان" سواری شاہانہ کے لئے مخصوص تھی برسوں اس نے اپنی پیٹھ پر حضرت آصفجاہ سابع کو سوار کیا تھا۔ یکایک اس پر بیماری کا حملہ ہوتا ہے اور حالت اس قدر نازک ہوتی ہے کہ مرحوم عثمان یار الدولہ کو عرض کرنا پڑتا ہے کہ اس کو بندوق کا نشانہ بنانے کی اجازت دی جائے جو عموماً ایسی حالتوں میں جانوروں کیساتھ

مہذب دنیا کا دستور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنی عزیز گھوڑی کے لیئے قبل از مرگ ایسا حکم دینے سے مجبور ہوں۔ طبعی موت سے اگر وہ مرتی ہے تو یہ قضا و قدر کے احکام ہیں مگر ایک ذی روح حیوان کو اور وہ بھی وہ ذی حیوان جس کی عمر زمانہ ولی عہدی کے ساتھ میری خدمت میں گذری ہے میرا قلب بندوق کا نشانہ بنانے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے۔ علاج کے ذریعہ سے اس کی تکلیف کو کم کرنے کی امکانی کوشش اس وقت تک کیجائے جب تک کہ وہ شاہی اصطبل میں سانس لے رہی ہے۔ اونٹ منجملہ ان جانوروں کے ایک ہے جس کی قربانی اسلام نے جائز قرار دی ہے۔ حضرت بندگان عالی نے اونٹ کی قربانی کا منظر کبھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا ایک مرتبہ اس کو دیکھنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ رقیق القلب بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ ایک عرب نے خنجر کا وار اس کی گردن پر کیا اور اس کی گردن سے خون کے فوارے جاری ہوئے تو "دل گداختہ" اس منظر کی تاب نہ لا سکا چشم کرم میں آنسو جھلکنے لگے، قصر معلی میں مراجعت فرمائی کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ اونٹ کی قربانی کا نظارہ اس قدر دل خراش ہوتا ہے تو میں بھولے سے بھی اس کے دیکھنے کی تمنا نہ کرتا۔ گو قربانی سنتِ ابراہیمی ہے۔ مگر میں اپنے اس دل کو کس طرح سمجھاؤں جو اس تکلیف کو دیکھنے کی بھی مطلق قوت نہیں رکھتا اس لئے مناسب ہوگا کہ اس سنت کو کسی دوسرے طریقہ سے ادا کیا جایا کرے۔

قربانی کے دن ایک گائے اور اس کا اکلوتا بچہ بھی قربان گاہ میں لایا گیا بچہ کو دیکھکر دریافت فرمایا کہ اس کو ماں کے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ خدام ادب نے عرض کی کہ اس کو بھی ماں کے سامنے خنجر کی لذت سے آشنا کیا جائیگا۔ یہ جواب محبت بھرا دل برداشت نہ کر سکا اس تعجب سے فرمایا کہ اگر تیری لڑکی کو تیری بیوی کے سامنے ذبح کیا جائے تو کیا وہ اس کی متحمل ہو سکیگی۔ اس لیئے اس گائے اور بچہ کو شاہی گاؤخانہ میں بھجوا دیا جائے تاکہ یہ پرورش پائیں اور اپنی عمر طبعی کو تمام کریں۔

خدا کی بے زبان مخلوق پر رحم و لطف کے یہ چند واقعات ہیں جن کو میں نے اپنی معلومات کی حد تک پیش کیا ہے۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت ظل سبحانی کی عطوفت و عنایت کا دامن اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور کون ہے جو ان واقعات کے سننے اور دیکھنے کے بعد مسحور اور متاثر ہوئے بغیر رہ سکے۔ اللہ اکبر ایک طرف یہ عظمت و جلال کو لاکھوں کروڑوں انسانوں کی پیشانیاں اُس آستانۂ عالی پہ جھکی ہوئی ہیں اور دوسری طرف یہ نرمی و رافت کہ درد شناس دل ایک معمولی حیوان کی تکلیف کی بھی تاب لا سکے

اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایسا راعی اپنی رعایا کے کسی دکھ کو کیونکر گوارا کر سکتا یا ور فرمائیے کہ شاہ ذیجاہ کی سیرت تنگ ظرف اور بیگانۂ مذہب انسانوں کے لئے ایک ایسا درس ہے جو انہیں کامیابی کے ساتھ ایک سچا مسلمان اور ایک راست باز انسان بنانے میں اُن کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ سیرت و وجدان اکتساب کا منت پذیر نہیں ہوتا بلکہ یہ توفیق ربانی ہے جس کو خدا دیتا ہے اسی کو ملتی ہے حضرت اقدس و اعلیٰ کی سیرت سرزمین دکن میں روحانیت و اخلاق کے ایسے ایسے نقش ثبت کر رہی ہے جس کو تاریخ ہمیشہ دھراتی رہیگی اور جس پر اپنائے زمانہ ہمیشہ فخر کریں گے۔

خوش نصیب ہے وہ رعایا اور مبارک ہے وہ ملک جسکو ایسا فرشتہ سیرت بادشاہ نصیب ہو۔

۱۴ اسفندار ۱۳۴۵ ف

سیرت شاہانہ از ہوش بلگرامی | انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے عجیب و غریب مجموعۂ اضداد ہے ایک طرف اس کے عزم و ہمت کی بلندی دنیا پر چھانے کی اہلیت رکھتی ہے تو دوسری طرف اُس کے ارادے اور افکار حباب سے زیادہ کمزور اور سبک ثابت ہوتے ہیں تاہم چونکہ خلاق عالم نے اس کو خلافت ربانی سے سرفراز فرمایا اور کائنات کے نظام تمدن پر حکمرانی کا شرف و امتیاز عطا کیا ہے اس لئے نوع انسان کی تنظیم کا سامان بھی خود ہی فرما دیا ہے

تاریخ عالم کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ حیات انسانی اپنی ترتیب و تکمیل کے لحاظ سے ہمیشہ کسی فوق الارادہ طاقت کی زیرِ منت رہی ہے۔ انسان خلافت الٰہی کا یہ بارِ گراں اُس وقت تک نہیں اٹھا سکا جب تک کہ ایک قوی ہاتھ اُس کی مدد کے لئے اُٹھ نہ گیا اور وہ اس وقت تک اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا جب تک کہ کسی منزل شناس نے اُس کی رہبری نہ کی۔ سلطنتوں کی بنیادیں ہوں یا خانقاہوں کی تعمیریں سب ایک ہی اصول پر ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔ دنیا میں انسان کامل پیدا ہوئے اور ماہ و سال کی مسلسل گردشیں کسی نہ کسی بلند شخصیت کو سرآمدِ روزگار بنا کر پیش کرتی رہیں گی اور یہ سلسلہ ہر ملک اور ہر قوم میں ہمیشہ باقی رہیگا۔ اسی کلیہ کے تحت میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ عہد حاضر میں فطرت نے اپنی فیاضی کے تمام آثار و علامات حضرت آصفجاہ سابع کی ذات گرامی میں جمع کردئے ہیں۔

یہ نہ دیکھئے کہ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ ایک وسیع سلطنت کے فرمانروا ہیں (خدا رہتی دنیا تک اسے قائم رکھے) اور یہ نہ سوچئے کہ سلطنت آصفیہ کا خزانہ مرکزی قوت کے حسن انتظام کی وجہ سے دوسرے ممالک کے لئے قابل رشک ہے یہ وہ بدیہیات ہیں جن پر ہر سطح بیں کی بھی نظر پڑتی رہتی ہے لیکن میرے نزدیک برتری اور افضلیت کی سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ زبردست حجت حضرت پیر و مرشد کی وہ عدیم المثال شخصیت و انفرادیت ہے جو صحیح معنیٰ میں اخلاق اسلامی کا مکمل نمونہ ہے یہ وہ شخصیت و انفرادیت ہے جو زمانہ کے سانچے میں نہیں ڈھلتی بلکہ زمانے کو خود اپنے سانچے میں ڈھال لیتی ہے اور جس کو بڑے سے بڑا طوفان بھی متزلزل کرنے کی قوت نہیں رکھتا، وہ ایک آہنی حصار ہے استحکام سیرت و کردار کا، ایک ناقابل تسخیر قلعہ ہے بلندی فطرت اور علوئے عزائم کا سر بفلک منارہ ہے اُس روشنی کا جو عہد جدید کی تاریک و طوفان خیز فضا میں قوم کے سیلاب زدہ جہاز کو امن و سکون کے ساحل تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔

دنیا اعلیحضرت کو صرف شاہانہ سطوت وجلال کے سایہ میں دیکھتی ہے حالانکہ وہاں نگاہیں صرف اس کیلئے بیقرار ہیں کہ کوئی محض انسان ہونے کے لحاظ سے اُن کی سیرت وعظمت کا مطالعہ کرے اور انسانیت کی اُن صفات عالی کو اپنے لئے دلیل راہ بنائے، اُس بکھ درد کو سمجھے جو اعلیحضرت کے دل ودماغ میں نوع انسانی کی طرف سے پایا جاتا ہے اور عظمت سلطانی سے پہلے اُن کی اُن خصوصیات پر غور کرے جو صرف میر عثمان علیخاں ہونے کے لحاظ سے نوع بشری کے ایک فرد واحد کی حیثیت سے اس ذات گرامی میں درجہ کمال تک پائی جاتی ہیں۔

اس دنیا میں وہ کونسی انسانی تمنا ہے جس کا پورا کرنا خدام جہاں پناہی کے اقتدار میں نہیں ہے۔ وہ کونسی راحت وعشرت ہے جو حضور کے قدموں کو بوسہ دینے کے لئے آمادہ نہیں دولت وثروت کی وہ کونسی مست بنا دینے والی انتہا ہے جو ایک ادنیٰ اشارۂ ابرو سے حاصل نہیں ہوسکتی، لیکن اللہ رے صبر وضبط کے باوجود ممکن اسباب عیش وتنعم فراہم ہونے کے اعلیحضرت کی صاف وسادہ زندگی کا یہ عالم ہے کہ قرون اولیٰ کے سچے مسلمانوں کی اسیدھی سادھی طرز معیشت ومعاشرت کے نظارے آنکھوں کے سامنے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں۔

لوگوں نے نئی دہلی میں قصر شاہی کی پُر شوکت بلندیوں پر آصف جاہی پرچم کو لہراتے دیکھا، اس کے مرمریں فرش کی نفاست ودلکشی پر نظر کی اُس کے در ودیوار کے رنگ وروغن اور نقش ونگار کی ستائش کی، ہزاروں برقی قمقموں کی روشنی میں رات کو دن ہوتے دیکھا بیش قیمت ساز وسامان کی فراوانی پر حیران ہوئے۔ فوجی پہرے دیکھے، اسٹاف وارا کین دولت کی خدمتگذاری دیکھی، یہ سب دیکھا مگر یہ کوئی دیکھنے والا نہ تھا کہ مناظر دولت وحکومت کے اس ہجوم میں، اسباب عیش ومسرت کے اس انبار میں ایک ایسا دل بھی موجود ہے جو حقیقتاً ان تمام تماشوں سے بیزار ہے اور جورات دن اس فکر میں وقف کنار رہتا ہے کہ انسان کو صرف انسانیت کا سبق دے، انسان کو صرف صراط المستقیم پر چلنے کی ہدایت کرے کہ انسان کو انسانیت کا پیکر بنا کر چھوڑے اور بتایا جائے کہ انسان کی سب سے بڑی مسرت اُس کے اخلاق کی پاکیزگی ہے۔

ضبط نفس ہے، تدبر و تفکر ہے، راستی و راست بازی ہے، اور حق و باطل میں امتیاز ہے، اور اس کی سب سے زیادہ قیمتی دولت اس کی فطرت کی تابندگی اور اس کا روشن تر خیال صرف اس درس میں پنہاں ہے کہ:-

آسمانوں کی بلندی بھی جھکا دیتی ہیں
آدمی کو دہر میں انسان ہونا چاہیئے

یہ ہے تاجدار دکن کی سیرت جو دنیا کو قائم و منجاب بخش دینے کے بعد خود گلیم و بوریہ پر قناعت فرماتے ہیں جو زمانہ کو دیبا و حریر کی خلعتوں سے سرفراز کرکے خود سادہ ترین لباس سے خوش ہوتے ہیں جو اپنے تمام وابستگان دولت کو جملہ لذائذ و نعائم سے بہرہ ور کر کے خود اپنے لئے نہایت سادہ غذا کو ترجیح دیتے ہیں، باور کیجئے! آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو اس وقت جب اخلاق انسانی کی تاریخ مرتب کی جائے گی تو اس تاریخ کے سرورق کا "طراز" میر عثمان علیخان خسرو دکن کا نام نامی ہوگا اور دنیا دیکھے گی کہ چودھویں صدی کے قحط الرجال میں حکومت و دولت کی گود میں کھیلنے کے باوجود ایک ایسی ہستی عالم وجود میں آئی جس نے اپنے پاکیزہ اخلاق و عادات سے ایک عالم کو حیران کر دیا۔

اعلیحضرت سلطان دکن کی خصوصیات

اور

مختلف اصحاب کے تاثرات

محنت سے محبت | ایک اعلیٰ خصوصیت اعلیحضرت میر عثمان علیخان کی یہ ہے کہ وہ محنت سے ایک عشق و محبت رکھتے ہیں اور اتنا دن میں اتنا زیادہ کام کرتے ہیں کہ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو وہ بات عقل میں نہیں آسکتی اور ایک کرامت معلوم ہوتی ہے۔

انکی عادت ہے کہ وہ آج کا کام آج ہی ختم کر دیتے ہیں فلسفیوں نے کہا تھا
آج کا کام کل پر نہ چھوڑو گر یہ عثمان علیخان آصف جاہ ہفتم اسکو کرکے دکھاتے ہیں چاہے
آدھی رات ہو جائے یا ساری رات گزر جائے مگر جب تک آج کا کام ختم نہ کرلیں آرام
نہیں فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی پیشی میں کاغذات کے انبار جمع نہیں رہتے ان کے
دور میں تین روز بھی کاغذ نہیں رکتا۔

بڑے بڑے محنتی اور مشہور کام کرنے والے حیران ہو جاتے ہیں جب اعلیحضرت
میر عثمان علیخان کے کاموں کا شمار کرکے دیکھتے ہیں حضور کی پیشی کے آدمی بھی بڑے
مستعد اور محنتی ہیں مگر وہ بھی اس اکیلی ذات کے کاموں کی کثرت اور وسعت دیکھکر
بعض اوقات ششدر رہ جاتے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ باوجود اتنی محنت اور مصروفیت
اور مشغولیت کے اعلیحضرت لوگوں سے ملتے اور دوسرے تفریحی مشاغل کے لئے بھی وقت
نکال لیتے ہیں۔ اور اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انکے پاس کچھ کام ہی نہیں۔

حافظہ کی قوت | حیدرآباد ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان میں شاید کوئی حکمران اعلیحضرت
کا سا حافظہ نہیں رکھتا وہ دس دس سال کی پرانی مثلوں کی عبارتیں لوگوں کو سنا دیتے
ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ میں نے دس سال پہلے اس مقدمہ کے متعلق یہ لکھا تھا اور
اس ارشاد کے وقت محض فیصلہ کا خلاصہ ہی نہیں فرماتے بلکہ فیصلہ کی تمام عبارت
پڑھ دیتے ہیں اور جب دفتر سے مثل منگا کر دیکھی جائے تو حاضرین حیران رہ جاتے ہیں
کہ دس سال کی پرانی عبارت کیونکر اعلیحضرت کو یاد رہی حالانکہ اس قسم کی سینکڑوں
عبارتیں روزآنہ آپ کے قلم سے نکلتی ہیں۔

اعلیحضرت پنسل سے لکھتے ہیں | یہ بھی قابل ذکر خصوصیت ہے کہ اعلیحضرت کی اکثر
تحریرات پنسل سے ہوتی ہیں آپ کا خط نہایت صاف اور پختہ ہے آپ نہایت جلدی
اور بلا تامل لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور پنسل کی تحریر اتنی صاف ہوتی ہے کہ ہر شخص آسانی

پڑھ سکتا ہے۔

کھڑے کھڑے لکھ سکتے ہیں | اعلیٰحضرت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ منبر پر پہلے ہوئے کاغذات پر کھڑے کھڑے لکھ سکتے ہیں اور اتنا جلدی اور قلم برداشتہ لکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور کوئی بادشاہ اتنا اچھا اور جلدی نہیں لکھ سکتا ہے۔

(ضمیمہ روزنامچہ ۱۴ فروری)

محتاط تقریر

دنیا میں شاید کوئی بادشاہ ایسی محتاط تقریر کرتا ہوگا جیسی اعلیٰحضرت حضور نظام کرتے ہیں۔ ان کے ہر لفظ کے اطراف میں بے شمار پہرہ دار ہوتے ہیں اور اپنے مخاطب کے دلی منشاء کی اصلیت کو اتنی جلدی سمجھ جاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے ان کے سامنے غلط بیانی کرنی قطعی ناممکن ہے جس طرح کسی صاحب مکاشفہ درویش کے سامنے جھوٹ بولنا مشکل ہوتا ہے۔

قوت فیصلہ

ایشیائی ملکوں کی مغلوبیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کی اقوام میں قوت فیصلہ کم ہوگئی ہے۔ معمولی باتوں کے فیصلہ کے لئے کئی کئی دن غور کرتے ہیں پھر بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہونچتے مگر۔

"اعلیٰحضرت کو شاید یہ قوت تمام ایشیاء کے حصہ کی ملگئی ہے کہ ہر بات کا فیصلہ ایک سکنڈ میں کر دیتے ہیں"

چنانچہ میں نے آج جو باتیں پیش کیں ان کا فیصلہ فوراً دو دو الفاظ میں کر دیا گیا اور فیصلہ بھی ایسا جو مہینوں کے غور و خوض سے بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتا تھا۔ (حسن نظامی)

اعلیٰحضرت کی شخصیت کا اثر

میں اعلیٰحضرت سے ! بار مل چکا ہوں مگر جب ملتا ہوں انکی شخصیت کا مجھ پر ہمیشہ ایک خاص اور نیا اثر ہوتا ہے ان کی گفتگو کنول کا پھول ہوتی ہے جو پانی کی سطح پر تیرتا نظر آتا ہے مگر اسکی جڑ پانی کی تہ کے اندر ہوتی ہے یہ شخص عام انسانوں سے

کچھ اونچا معلوم ہوتا ہے گو بشری پیکر ہے مگر حیرت آمیز کریکٹر ہے۔

نکتہ آفرینی

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر ۲۵ فروری ۱۹۳۴ء کو خواجہ حسن نظامی صاحب کے نظام الاسکول کو دیکھنے گئے تھے۔ وہاں ایک فوٹو ذالک فضل اللہ پر سنجیدہ مذاق سے گفتگو ہونے لگی اسی سلسلہ میں سریمین السلطنت نے فرمایا۔

"ایک بار اعلیٰحضرت نے اعتراض کیا کہ ہم لوگ ہر بات سرکار کے اقبال سے کیوں کہا کرتے ہیں۔ اسکا جواب ہم نے دیا کہ ہماری اصطلاح میں اقبال سرکار کے معنی فضل خداوندی ہیں اسپر اعلیٰحضرت مسکرا کر چپ ہو رہے"

اعلیٰ حضرت کی ایمانی کیفیت کی ایک جھلک اس اعتراض میں نمایاں ہے باوجودیکہ وہ ایک ملک کے بادشاہ ہیں۔ لیکن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کی ہی عظمت وجلال کا رعب ہے اور آپ اتنا بھی گوارا نہیں کرتے کہ کسی کامیابی کو انکے اقبال کا نتیجہ قرار دیا جاوئے یہ ایک ذوقی امر ہے۔ میں اگر ہوتا تو صاف عرض کرتا کہ خدا کے مقرر کردہ سلاطین کو ایک اقبال دیا جاتا ہے اور اسی اقبال کیوجہ سے ان پر فتوحات کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

حیدرآباد کا فلسفی سلطان

اعلیٰحضرت سلطان دکن نے ایک فلسفیانہ فطرت پائی ہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب ایک ملاقات کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں کہ

"آج اعلیٰحضرت سے ملنے گیا تھا انکی شاہانہ اور فلسفیانہ تقریر سے مستفید ہوا فلسفہ حیات انسانی کے بڑے بڑے سبق اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک سے سننے میں آئے۔ ہندوستان میں کوئی فرمانروا بھی اس قابلیت کا نہیں"

(۲۸ اکتوبر ۱۹۲۳ء)

چھوٹے بچوں پر التفات

خواجہ حسن نظامی صاحب نے اعلیٰحضرت سلطان دکن کے سفر دہلی ۱۹۳۴ء کا ایک واقعہ لکھا کہ۔

۲۶ فروری ۱۹۳۴ء کو اعلیٰحضرت جمعہ کی نماز کے لئے حضرت محبوب الہٰی رضی کی مسجد میں تشریف لے گئے تھے نماز سے فراغت کرکے جب خواجہ صاحب کے مکان پر تشریف فرما ہوئے خواجہ صاحب نے اپنے تیسرے چار سالہ لڑکے زید کا ذکر کیا تھا کہ اسکو مسلمان بادشاہ کے دیکھنے کا شوق ہے۔ ارشاد ہوا کہ وہ بچہ کہاں ہے زید حاضر ہوا اور سلام کرکے ادب سے قریب بیٹھ گیا۔

ایک اجنبی بچہ | کہیں سے ایک اجنبی بچہ بھی وہاں آگیا تھا اس نے کوئی بات گذارش کی اعلیٰحضرت نے تبسم کے بعد ارشاد کیا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اور اس کے بعد اس کی بات سماعت فرمائی۔

اعلیٰحضرت سلطان دکن کی بھائیوں سے محبت

حکومتوں اور سلطنتوں کی تاریخ میں بادشاہوں کے تعلقات اپنے بھائیوں سے دلچسپ اور عبرت انگیز مطالعہ ہے۔ بسا اوقات بادشاہ اور اس کے بھائیوں میں عداوتوں اور سازشوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چلا آتا ہے اور یہ حکومتوں کی تاریخ کا ایک نہایت زہرہ گداز باب ہے لیکن دولت آصفیہ کا موجودہ عہد اس خصوصیت میں

ایک امتیازی درجہ رکھتا ہے

آصفجاہ ہفتم کو اپنے بھائیوں سے انتہائی محبت و خلوص ہے اور اسکا مشاہدہ اکثر مواقع پر ہوا ہے کہ اگر کسی تقریب پر انہیں آنے میں دیر ہوتی ہے تو اعلیٰحضرت ہمہ تن اشتیاق ان کے لئے

منتظر کھڑے ہیں

سر مہاراجہ یمین السلطنۃ نے (جو ایک فریس اور مدبر وزیر اعظم ہیں) ایک مر
اسی کلیہ کا اظہار فرمایا کہ۔

"حکومت کی تاریخ میں بھائیوں کے کشیدہ تعلقات بھی بہ کثرت ہیں
مگر اعلیحضرت حضور نظام اپنے بھائیوں پر بھی اتنی شفقت فرماتے
ہیں کہ بھائی صاحبان اعلیحضرت ہی کو پدر محترم سمجھتے ہیں"

اس محبت و شفقت ایک مظاہرہ اس وقت بھی ہوا جبکہ خدا تعالیٰ کی مشیت نے
صلابت جاہ کو موت کے ذریعہ جدا کر دیا۔ اعلیحضرت پر اس کا بہت بڑا اثر ہوا۔
ضبط نفس کے آنکھیں اشکبار تھیں اور بار بار انکی خوبیوں اور کمالات کا ذکر کر
تھے۔ پرنس صلابت جاہ ایک ذی علم شاہزادے تھے۔ عربی زبان سے انہیں
محبت تھی اور اس میں اسقدر کمال انکو حاصل تھا کہ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے او
مجموعہ عربی اشعار کا موجود ہے اعلیٰ حضرت نے ان اشعار کو انگریزی زبان کا لبا
پہنا کر شایع کرنے کا خیال بھی فرمایا تاکہ

مرحوم بھائی کی علمی یادگار قائم ہو

کہتے ہیں کہ وہ مجموعہ انگریزی زبان کے پرنظر ماہر اور قادر الکلام شاعر نواب
نظامت جنگ بہادر کے سپرد ہوا ہے یا ہوگا تاکہ وہ ان اشعار کا انگریزی نظم میں
کر دیں۔

خلاصہ یہ کہ اعلیحضرت کو اپنے بھائیوں سے بے انتہا محبت ہے کوئی سفر
نہیں ہوتا کہ وہ ہم رکاب نہوں دعوتوں کی تقریب میں وہ سب سے قریب ہ
ہیں۔ اور بھائی بھی نہایت مخلص اور اپنے بادشاہ بھائی کی محبت میں سرشا
اور فدائی ہیں افسوس ہے نواب صلابت جاہ بہادر کی وفات نے ایک نہ
دالا صدمہ اعلیحضرت کو دیا مگر سچ یہی ہے ؎

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے — چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے
چھوڑنی ہوگی تجھے دنیائے فانی ایکدن — ہر کوئی مجبور ہے حکم خدا کے سامنے

صفات شاہانہ

جناب شاہد صدیقی صاحب

(*)

جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ آفتاب کا عرفان حاصل کرنے کی غرض سے کسی دلیل کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی قابل تسلیم خیال نہیں کیا جاسکتا کہ کسی مجموعۂ اوصاف وکمالات حکمراں کی مدح الفاظ و پیرایۂ بیان کی محتاج ہے۔

اس قابل تردید فیصلے کے بعد زیر نظر سطور کی حیثیت سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہتی کہ جوش عقیدت حروف و الفاظ کی صورت میں متشکل ہونا چاہتا تھا۔ اور اسے سالگرہ مبارک کی خارجی تحریک نے "کارفرمائی" کا موقع دیدیا۔ اب اگر حکایت "دراز تر" ہوجائے تو اس کی "لطافت" کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے مجھے معذور سمجھنا چاہیئے۔ معذوری اور وقت و فرصت کی کمی کا شکوہ گذار بھی کیونکر۔

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکران کے لئے

آقائے ولی نعمت کی سالگرہ مبارک کا یہ روز سعید اپنے دامن میں کیف و نشاط کے جس قدر سامان لئے ہوئے ہے انکا تذکرہ بجائے خود ایک طویل داستان ہے۔ مختصر الفاظ میں یہہ کہدینا کافی ہوگا کہ مسرتوں کا نزول، لطافتوں کی بارش تسکین و سرور کا ہنگامہ اور شادی و شادکامی کا یہہ سیلاب غرض کہ تمام ارض و فردوسی لذتوں کا یہ مجموعہ جس نے آج دکن کی سرزمین پر "تقریب سالگرہ" کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ہاہمین واضح طور پر نوید مسرت پہنچا رہا ہے۔ گویا ایک "موج تبسم" ہے جو ہونٹوں سے

اٹھتی ہے۔ اور روحوں سے گزرتی ہوئی لامحدود فضاء میں پھیل جاتی ہے۔ ؎

ہواؤں میں نزاکت ہے فضاؤں میں لطافت ہے
دکن کا ذرہ ذرہ آج تصویر مسرت ہے

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ وقت کم ہے اور کام اہم دنیا کے جلیل القدر حکمراں، حکیم السیاست، سلطان العلوم ہمدرد خلق روشن دماغ اور مرجع محبت و مودت بادشاہ کے متعلق اظہار خیال، آتنا احتیاط طلب مرحلہ ہے۔ اور آتنا قابل تشریح موضوع کہ اگر میں اپنے تمام عقلی و دماغی قویٰ کو بیدار کر کے اس سے گزرنا چاہوں تو بھی مشکل ہے۔ اور اگر صبح دکن* اپنی ایک سال کی مجموعی اشاعتوں کو اس کے لئے وقف کر دے تو بھی ممکن نہیں، میں ان سطور میں جنہیں بسلسلہ عرض محبت و حصول شرف سپرد قرطاس کیا جا رہا ہے۔ ذات ہمایونی کی ان چند نمایاں ترین خصوصیات کی جانب سرسری اشارے کرونگا۔ جن کی موجودگی ایک انسانی ذات کو ہر شعبۂ زندگی میں "مکمل" بنانے کی ضامن ہوتی ہے۔ اعلیٰحضرت کی جن صفاتِ روشن کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں ان تک پہنچ کر ہر وقت پسندن گاہ" اعتراف جلال" کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اور ان محاسن کی معرفت حاصل کر کے ہر دماغ مدح سرائی پر آمادہ نظر آتا ہے۔ یہ خصوصیات اس درجہ نمایاں اور واضح ہیں کہ انہیں "مسلمات" کی حیثیت حاصل ہے۔ اور میں آج ان کی جانب قارئین کو اس لئے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ عقیدت و محبت کے جو نقوش ان کے دلوں میں موجود ہیں وہ زیادہ مجلا ہو جائیں اور وفاداری و شاہ پسندی کے جو جذبے ان کی روحوں کو "سراپا نیاز" بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ اور تڑپ پیدا ہو جائے۔

اس سلسلہ میں ایک حد تک ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذات ہمایوں کی صفات و خصوصیات کو ایک تواتر کے تحت بیان کروں اور خصائص شاہانہ کے متعلق اپنی ناچیز رائے کا اظہار بھی کرتا چلوں۔

---

* صبح دکن حیدرآباد کا مشہور روزنامہ ہے اور اسی سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔ عرفانی۔

تدبّر

ذات گرامی بہ حیثیت ایک بادشاہ کے جو صفت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ وہ تدبر ہے۔ اپنی جامعیت نیز اپنے متعلقات کے لحاظ سے، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اس کا واسطہ کسی والئی ملک سے ہو۔ یہ صفت اہم ترین سمجھی جاتی ہے۔ اور مجھے اس موقع پر یہ کہتے ہوئے ایک نوع کی ناقابل بیان مسرت کا احساس ہو رہا ہے کہ دکن کی قسمت کا مالک فطرت کی جانب سے "تدبر" کا بہترین جوہر لے کر آیا ہے۔ کوئی مسئلہ ہو سیاسی یا قومی، ملکی یا مذہبی آپ ذات ہمایونی کے طرز عمل کو غائر نگاہ سے ملاحظہ فرمائیے۔ تو قول و تحریر کی تہہ میں اعلیٰ ترین قسم کا تدبر کار فرما نظر آئے گا۔ اور یہہ ایک ایسی نعمت ہے جو نہ صرف ذات شاہانہ کے لئے بلکہ تمام حلقہ بگوش محبت کے واسطے باعث فخر و مباہات ہے۔

رواداری

یہ صفت اعلیٰ حضرت کی پوری حیات مبارک کا خصوصی نقش ہے اور جس شخص نے دکن کے اندرونی حالات اور ممالک محروسہ نظام کی بین الاقوامی فضاء کو گہری نظر سے دیکھا ہے وہ اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہے کہ ارض دکن پر سانس لینے والی ہر قوم خواہ اس کا تعلق "حرم" سے ہو یا "دیر" سے اور خواہ اس کے دل میں جذبات "وحدت پرستی" ہوں یا خیالات "تثلیث نوازی" بغیر شائبہ امتیاز مراحم خسروانہ سے مستفید ہو رہی ہے، میرا یہ دعویٰ بے دلیل نہیں کہلایا جا سکتا ہے اگر کسی کو شوق تحقیق ہو تو اٹھے۔ اسے بہت جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ خانۂ خدا (مسجد) میں اپنے سر نیاز کو خلاق کائنات کے حضور میں جھکا دینے والا وجود مندروں، صنم کدوں اور کلیساؤں سے بھی غافل نہیں ہے۔ اور بزرگان اسلام سے عقیدت رکھنے والی ذات کا نغمۂ محبت کرشن اور بدھ کے پجاری بھی خوش ہو ہو کر گا رہے ہیں۔

علم دوستی

قوموں کی ہر جہتی ترقی کا سب سے پہلا زینہ علم ہے۔ آج دنیا کی اس طویل و بسیط سطح پر وہی گروہ معزز و مفتخر نظر آرہے ہیں۔ جنہوں نے اس زینے پر اپنے قدم استحکام کے ساتھ جمائے پھر چونکہ راعی کا اثر رعایا پر اور حاکم کا رنگ طبیعت محکوموں پر مستولی ہونا ضروری ہے۔ اس لئے میرے خیال میں وہ ملک سب سے زیادہ خوش نصیب کہلایا جا سکتا ہے۔ جس کا والی علم دوست و معارف پرور ہو۔ یہ صفت جسے خزانہ صفات انسانی میں "درشہوار" کی حیثیت حاصل ہے۔ خانوادۂ آصفی کا بالعموم اور موجودہ شاہِ دکن کا بالخصوص طرۂ امتیاز ہے۔ اعلیحضرت کی علم دوستی نے دکن کے گوشہ گوشہ کو جس درجہ روشن کیا ہے۔ اور ذاتِ والا کے چشمۂ علم سے جتنے پیاسے سیراب ہوئے ہیں۔ ان کا ایک سرسری اندازہ بھی فرصت طلب ہے میں اس مقام پر بلاخوف تردید یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ "علم دوستی" اور ادب نوازی کے سلسلہ میں حضرت اقدس و اعلیٰ کی فیاضیاں اور نوازشیں اس درجہ روشن ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ماضی و مستقبل کی فضا میں ایک حد تک تاریک نظر آتی ہیں سب سے زیادہ خوش گوار حقیقت جو ایک طالب تحقیق کو متحیر ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ذات ہمایونی کی علمی فیاضی "مکان و زمان" اور قومیت و وطنیت کی حدود سے بالاتر نظر آتی ہے میری مراد یہ ہے کہ علم دوست بادشاہ کا ابر کرم صرف حدود دکن اور باشندگان ممالک محروسہ ہی پر نہیں برستا بلکہ اس کی روح افزا بارش سے "علاقہ ہائے غیر" بھی سرسبز و شاداب ہیں۔

روشن خیالی

اس سے مراد وہ خصوصیت ہے۔ جس کی کارفرمائیاں کسی قوم کو جہالت و پستی اور تنگ نظری و وہم پرستی کے اندھیرے سے باہر نکال لاتی ہیں یہی وہ بنیاد ہے جس پر قومی اعزاز و بزرگی کے فلک آشنا ایوان تیار ہو سکتے ہیں، یہی وہ بیج ہے

جس سے پیدا ہونے والے خوشنما و فائدہ بخش درختوں کے سایہ میں تھکی ہوئی جماعتیں آرام لیتی ہیں اور یہی وہ چنگاری ہے جو راہِ عمل میں بڑھنے والے طبقوں کو سرگرم و "آتش زیرپا" رکھتی ہے اندریں حالات ہوائے دکن میں زندگی کا سانس لینے والی قومیں کس قدر خوش نصیب ہیں کہ ان کا آقا۔ ان کا مرکز محبت و عقیدت ایک روشن خیالی انسان ہے، اور اس مبارک انسان کی روشن خیالی کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ دکن کی سرزمین سے کورانہ رسم و رواج اور جاہلانہ توہمات کے نقوش مٹ رہے ہیں ایک ذہنی و روحانی بیداری کی فضا پیدا ہو رہی ہے۔ اور ان مشاہدات کی روشنی میں ہمارا "قومی مستقبل" تابناک و درخشاں نظر آرہا ہے۔

ترقی پسندی

روشن خیالی کی شاخ سرسبز میں ترقی پسندی کا ثمر شیریں پیدا ہوتا ہے اور جن لوگوں کو قومی نفسیات کا علم ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ خصوصیت (یعنی ترقی پسندی) اجتماعی زندگی کو بہترین طریقے پر قائم رکھنے کا سب سے زیادہ قابلِ اعتبار نسخہ ہے اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ تو پھر ہم اپنی قسمتوں کو قابلِ رشک کیوں نہ سمجھیں کہ خدا نے ہمیں ایک ترقی پسند بادشاہ کے زیر سایہ زندہ رہنے کی سعادت عطا فرمائی کیا ان حقائق سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ آقائے ولی نعمت کے اس عہد زریں میں دکن تعمیری، شہری ذہنی، علمی، اور روحانی ترقی کے راستوں پر سرگرمی سے گامزن ہے، ہر وہ شخص جو آج دس سال کے بعد حیدرآباد آئے اور یہاں کی ملکی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرے تو اسے متعجب ہونا پڑیگا۔ وہ دیکھے گا کہ "دکن" حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی کی بلندیوں تک پہنچتا جا رہا ہے، اور وہ وقت دور نہیں کہ مشرق اپنے اس بہتر و منور نقش کو مغربی ممالک کے سامنے فخر و غرور کے ساتھ پیش کر سکے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ آخر اس سیلاب ترقی کا حقیقی سرچشمہ کہاں ہے؟ وہ کونسی شمع ہے

جس کے نور سے دکن کی کلیاں، اور باشندگانِ ملک کے دل و دماغ چمک رہے ہیں۔ میں عرض کر دوں اور میرا یہ عرض کرنا حقائق و واقعات پر مبنی ہے کہ ترقی کی یہ دوڑ حصولِ اعزاز کی یہ کوشش بلندی پر پہنچنے کا یہ جذبہ والیٔ دکن کی ترقی پسندی اور بلند حوصلگی کے روشن نشانات ہیں۔ اور اسی ذات کا فیضان ہے کہ دکنی قومیت "میخانۂ اقوام" میں اپنے ظرفِ عالی اور "وقارِ مستی و ساقی پرستی" پر فخر کر سکتی ہے۔

سادگی

ایک حکمران، عظیم المرتبت بادشاہ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی قسمتوں کا مالک، دنیا کا عدیم النظیر مدبر اور افقِ مشرق کا ایک درخشندہ ستارا دنیا جانتی ہے کہ اسکا سادگی کو کس درجہ عزیز رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں کی نگاہیں صحیح معنوں میں "مسلماں بادشاہ" کو دیکھنا چاہتی ہیں، جن بزرگوں نے آغازِ اسلام کے حکمرانوں کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے اپنے ذہن میں "اسلامی تاجدار" کا کوئی تخیل قائم کیا ہے۔ وہ آئیں انہیں ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کا مالک سادگی کے گہرے اور دل نشین رنگ میں رنگا ہوا نظر آئے گا، پھر اگر آقائے ولی نعمت کو دیکھنے والی نگاہوں میں اعترافِ صداقت کا نور ہے تو وہ اس فخر کے ساتھ چمک اٹھیں گی کہ اسلامی عادات و خصائل اور شاہانِ اسلام کی حقیقی عظمت کو نمایاں رکھنے والا ایک زندہ نقش ابھی تختِ دکن پر موجود ہے اور مسلمانوں کی قوم اپنے اس فرمانروا کی ذات پر ناز کر رہی ہے۔

انصاف نوازی

بالآخر اوصافِ شاہانہ کی جانب سرسری اشاروں کی دوران میں وہ اہم ترین صفت بھی معرضِ گفتگو میں آ ہی گئی۔ جس سے متصف ہونا گویا حکمرانی کا ناقابلِ تردید استحقاق ہے۔ انصاف، عدل، اور فیصلۂ صحیح، یہ ایسے الفاظ ہیں جو عامۃ الورود ہونے کے باوجود اکثر مقامات پر شرمندۂ معنی نہیں ہوتے۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر جس والیٔ ملک

کو انصاف نوازی کا جذبہ مسعود عطا کرے اس کے آستانِ حکومت پر دادخواہوں کی جبینوں کا جھکنا ضروری ہے جو ذات شاہانہ اپنی رعایا کے ساتھ معدلت گستری سے مملو طرز عمل اختیار کر سکے۔ فضائے سیاست میں اس کی برتری کا اعتراف ہوا کی ہر جنبش اور ذرہ کی ہر حرکت کو کرنا پڑتا ہے۔ اس خصوصیت کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے خسرو دکن کا وجود مسعود جس درجہ قابل محبت و عقیدت نظر آتا ہے، اور طبیعتوں میں وفا کیشی و سرفروشی کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان "قرطاس وقلم" کی گرفت میں نہیں آسکتی آقائے ولی نعمت کی جانب کے پورے دور حکومت میں انصاف پسندی اور عدل نواز کے جو نمونے دیکھنے میں آرہے ہیں، ان کی اہمیت "سرشاہ پرست" دل کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی قسمت پر ناز کرے یقیناً اس عدل ناآشنا اور باطل پسند زمانہ میں کسی قوم کی انتہائی خوش بختی یہی ہو سکتی ہے کہ اس پر حکمرانی کرنے والی ذات زیور عدل سے آراستہ ہو، پھر ایسی قومی یا مذہبی امتیاز کی پابند نہیں ہے۔ ہم بجا طور پر بلا قید ملت و مشرب اظہار نشاط و مسرت کر سکتے ہیں اور اپنی قسمت کی تابانیوں پر، دل سے نکلے ہوئے نغمے فضائے دکن میں پھیلا سکتے ہیں۔

ہمدردی رعایا

لاوارث یتیموں کے ہنستے ہوئے چہرے، بے یار و مددگار بیواؤں کی مطمئن نگاہیں، مفلوج و ازکار رفتہ انسانوں کے سراپا سپاس دل، اور فلاکت زدہ اندھوں کی شکر گذار روحیں حضرت اقدس واعلیٰ کے جذبۂ ہمدردی کی ناقابل تردید شہادتیں ہیں۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کا واحد ذریعہ ذات شاہانہ کی رعایا نوازی ہی ہے۔ یہی ایک ایسا محور ہے جس پر ملک کے اکثر معذور لوگ اپنی حیات فانی کو گردش کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں وہ جلیل القدر بادشاہ جس کے ہاتھوں میں ایک سلطنت کی عنان حکومت ہے اپنی رعایا کے ساتھ پدرانہ شفقت کا برتاؤ کرتا ہے۔

اپنے ملک میں بسنے والے بندگان خدا کی تکلیف اسے متاثر کرتی ہے اور اس کی شاہانہ فیاضیاں ہمہ وقت آغوش کھولے ہوئے نظر آتی ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس روحانی آغوش میں بہت سے مغموم و معصوم انسان زندگی کا اصلی لطف حاصل کر رہے ہیں۔

ذوقِ شعر

اعلیٰ حضرت کے مبارک مشاغل میں "شعر گوئی" کا جو درجہ ہے اسکی رفعت پر غور کرتے ہوئے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ "مقالہ مختصر" جو اس نشاط انگیز تقریب کے سلسلہ میں مسرت ایک ہدیۂ حقیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہرگز کافی نہ ہوگا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ "جشن سیمین" کے موقع پر "اعلیٰ حضرت کے افکار عالیہ" کے سلسلہ میں بقدر شوق و رسائی اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ اس موقع پر صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ ملکۂ فطری سلسلہ آصفیہ میں "گوہر آبدار" کی شکل سے درخشاں رہا ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے اس "فن شریف" کی جانب توجہ معطوف فرما کر ارباب ذوق پر جو احسان کیا ہے وہ قابل فراموشی نہیں اور بزم سخن میں حضور والا کے اشعار عالیہ نے جو رونق افزائی کی ہے وہ اہل بصیرت کے لئے نہ صرف جاذب نظر بلکہ روح و دماغ میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے والی ہے۔

صفات و اوصاف کے "دریائے بے پایاں" میں سے چند قطرے پیش کر کے میں اپنے قلم پر نازاں ہوں اور سالگرہ مبارک کی مسرت آفرینی نے میرے دل میں جن جذبات عقیدت کو مضطرب

کر رکھا ہے ان کے اظہار کی قوت نہیں۔ اس لئے آئیے ہم آپ سب مل کر اپنے آقا۔ اپنے حکمران۔ اور مرجع وفاداری و محبت کی بارگاہ عالی میں ہدیہ تہنیت پیش کریں۔ اور پھر خلوص دل سے ایک زبان ہوکر دعا مانگیں کہ وہ جو عباسیوں، اُمویوں، علویوں، عثمانیوں، ورانیوں اور افغانیوں کی حکومتوں کا محافظ رہا ہے۔ جس کی رحمت کے چھینٹوں نے سلطنتوں کو شاداب رکھا ہے۔ مملکت آصفیہ پر اپنی مہربانیاں نازل کرے یہاں کی پرامن فضا کو قیام حاصل ہو۔ سرزمین دکن پر بسنے والی قومیں متحد و متفق رہیں۔ اور وہ ذات گرامی جس کی سالگرہ منائی جا رہی ہے ہم پر سایہ افگن رہے۔ ہر صبح کو مشرق سے جھانکنے والا آفتاب باشندگان دکن کو مسرور و مطمئن دیکھے اور راتوں کی تاریکی میں چمکنے والے تارے دولت نظام کی روز افزوں ترقی پر متبسم رہیں! آمین

خدا پر بھروسہ کرنیوالا بادشاہ

حضور نظام اتنے بڑے ملک کے تاجدار ہیں جہاں پہلے چار بادشاہوں کی حکومتیں تھیں اور اب وہ سب ایک حضور نظام کے قبضہ میں ہیں مگر اتنا بڑا بادشاہ باوجود ہر قسم کے دنیاوی اسباب کا مالک ہونے کے کسی دنیاوی سبب پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اسباب پیدا کرنے والے خدا پر اسکا توکل اور اعتماد اور بھروسہ رہتا ہے۔

چنانچہ حضور نظام کے ملک میں سالہا سال سے طاعون پھیلتا ہے جسکو مادی ماننے والے متعدی کہتے ہیں اور یہہ واقعہ بھی ہے کہ طاعون متعدی بیماری ہے اور طاعون زدہ مکان سے علیحدہ ہوجانا مفید ہوتا ہے لیکن حضور نظام کبھی ایک دفعہ بھی طاعون کے زمانہ میں اپنے گھر سے کسی دوسری جگہ نہیں گئے حالانکہ انکی رعایا انکے امرا انکے عہدہ دار طاعون کی شدت کے وقت گھر چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں

چلے جاتے ہیں مگر آپکی زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے کہ اونھوں نے وبائی امراض کی شدت میں کبھی بھی اپنا گھر چھوڑا ہو۔ جس سے انکی قوت ارادی (ول پاور) اور اعتماد علی اللہ کا ثبوت ملتا ہے

اقبال سرکار کا لطیفہ

سر کن السلطنتہ نے ایک موقعہ پر بیان کیا کہ ایک بار اعلیحضرت نے اعتراض کیا کہ تم لوگ ہر بات سرکار کے اقبال سے کیوں کہا کرتے ہیں اسکا جواب ہم نے دیا کہ ہماری اصطلاح میں اقبال سرکار کے معنی فضل خداوندی ہیں اسپر اعلیحضرت مسکرا کر چپ ہورہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ لطیفہ بجائے خود جہاں سر مہاراجہ بہادر کی حاضر جوابی اور فطانت کا ثبوت ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیحضرت بیجا خوشامد اور رسمی تکلفات کو پسند نہیں فرماتے اور ہر کامیابی کا خدا لتعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں۔

بعض اصلاحی امور

اعلیحضرت کی سیرۃ میں یہ امر بھی داخل ہے کہ بعض ایسے امور کو جو منکر کا رنگ رکھتے ہوں انکے انسداد و اصلاح میں حصہ لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد کو کون پسند نہیں کرتا۔ حضور کی مدح اور نعت مومن کے قلب پر ایک گہرا اثر پیدا کرتی ہے لیکن بعض اوقات ایسے لوگ نعت پڑھتے ہیں جو اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے نہایت ذلیل ہوتے ہیں اس صورت حال کو دیکھکر "بے محل نعت خوانیوں" سے آپ نے روکدیا یعنی بازاری عورتوں کو نعت خوانی سے روکا جاوے تھیٹروں چارخانوں، اور بازاری مقامات پر نعت خوانی نہو۔ ایسا ہی ماہ رمضان میں رات ہوٹلوں وغیرہ میں افطار سے لیکر سحر تک گانا بجانا ہوتا تھا۔ اسے روک دیا گیا۔ غرض اگر ایسا معاملہ نہی عن المنکر کا آپ کے نوٹس میں آجاوے تو اسپر فوراً نوٹس لیتے ہیں خواہ وہ کسی بڑی شخصیت کے متعلق ہو گلبرگہ کی درگاہ سے آپکے بڑی عقیدت ہے اور ہر سال تقریب عرس پر وہاں جاتے ہیں لیکن جب وہاں کے سجادہ نشین کے متعلق کچھ شکایات پہونچیں تو آپنے انکو آگاہ کیا اور اصلاح کا موقعہ دیا لیکن اونھوں نے کچھ پروا نہ کی تو اعلیحضرت نے فرمان مورخہ ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۴ھ کے ذریعہ انکو سجادگی سے علیحدہ کردیا مگر درگاہ کے ساتھ جو جاگیر تھی اسے ضبط نفرمایا ہاں اسکے انتظام کیلیے سرکار کی طرفسے ایک ناظم

کے تقرر کا فیصلہ فرمایا اور مسند سجادگی پر ان کے صاحبزادہ کو نامزد کر دیا۔ میں اس سلسلہ
اصلاحات میں زیادہ تفصیل سے

برکاتِ عثمانی

میں بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق

شاہ دکن ایڈیٹر انڈین سٹیٹ کی آنکھ سے

ہمارے بادشاہ اپنی رعایا کے حق میں مہربان باپ کی سی الفت رکھتے ہیں۔
آج کے دن اعلیٰ حضرت جائز طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ حضور کی ادنیٰ توجہ سے ہندوستانی
ریاسات میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ اس بیس سالہ (اب تو پچیس سالہ کہنا چاہیے
(ع زغافی) حیدرآباد کی ترقی دولت وثروت میں اسقدر اضافہ ہوا جو گزشتہ دو صدی
سے اب تک نہیں ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت میں فرض شناسی کا مادہ اسقدر ہے کہ حضور پر نور
نے اپنے آپ کو نصفت پرور۔ بیدار مغز۔ وسیع القلب۔ ہمدرد اور قابل تقلید
بادشاہ ثابت کیا اگر اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر کی گزشتہ بائیس سالہ
دور حکمرانی پر نظر ڈالی جاوے تو غیر جانبدار نقاد کو اس ریاست نے جو عظیم الشان
ترقی کی ہے۔ اس کا یقین ہو جائیگا حضور پرنور بلا تفریق مذہب وملت اپنی رعایا کی
فلاح و بہبود کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں جس سے آپ کا مرتبہ ہندوستان کے دیسی
روسا میں

صف اول میں ہے

وزیر اعظم برطانی کا یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت ایک قابل نمونہ کے فرمانروا ہیں۔ محض
حقیقت پر مبنی ہے۔ میری نظر میں تو حضور کی ہستی اس سے بھی بالاتر ہے ہمارے
بادشاہ کی ہستی واجب الاحترام ہے۔ جو تمام اصلاحی کاموں میں درخشان ستارہ
کی طرح رہنمائی کرتی ہے۔
حیدرآباد میں فرقہ وارانہ منافرت مفقود ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنی عزیز رعایا

اتحاد و اتفاق دیکھنے کے متمنی رہتے ہیں اور حضور کا سلوک تمام رعایا، و برایا کیساتھ یکساں ہے۔ رعایا کے دلوں میں اپنے بادشاہ کی دل و جان سے زیادہ عزت ہے جو ان کی سرسبزی کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور عمدہ نظم و نسق سلطنت کے سبب حیدرآباد کا مرتبہ دولت و ثروت میں بہت بڑھ گیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شفاعت احمد خان (سر شفاعت احمد خان عرفانی) نے لکھا تھا کہ

ہندو مسلم سوال ریاست حیدرآباد میں بالکل مفقود ہے

یہ افسانہ کہ حیدرآباد میں کسی ہندو کو جگہ نہیں دی جاتی بے بنیاد ہے۔ اعلیٰ حضرت نظام نے ہمیشہ ہندوستان کے دو بڑے گروہ میں قطعی طور پر مساویانہ سلوک رکھا ہے اور ان کی حکومت نے ایسی پالیسی پر عمل کرکے اور ہندوستان کے متعصب انسانوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں دکن کے روشن ضمیر سلطان کی انصاف پسندی کا نتیجہ ہیں ریاست حیدرآباد کے ہندو مسلمان آپس میں برادرانہ تلطف و تعلق رکھتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں حضوری کے ایک صاحب کا بیان بھی دلچسپی سے میں کام چاہتا ہوں پڑھا جائے گا۔ جنہوں نے بمقام دہلی خواجہ حسن نظامی سے بیان کیا کہ اعلیٰحضرت کے سامنے کسی نے ہندو مسلم مسئلہ کی بحث شروع کی تو ارشاد ہوا کہ

"میرے ملک میں ہندو مسلم یا شیعہ سنی وغیرہ فرقوں کا امتیاز نہیں کیا جاتا میں ہر فرقہ کے افراد کے عمدہ کام کو دیکھتا ہوں اور کام کی عمدگی و غیر عمدگی سے اشخاص کا امتیاز کرتا ہوں چاہے وہ کسی قوم اور کسی فرقہ کے ہوں۔"

مولوی عبدالحامد خان صاحب بدایونی کے تاثرات

مولوی عبدالحامد خان بدایونی نے روزنامہ صبح دکن میں اعلیٰ حضرت سلطان دکن کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کا اقتباس یقیناً دلچسپی سے پڑھا جاوے گا۔ (عرفانی)

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم میر عثمان علیخان شہنشاہ دکن کا جشن سالگرہ منایا جا رہا ہے اور اس شخص سے اظہار محبت و عقیدت کا اظہار ہونے والا ہے جسکے قلب میں بارگاہ رسالت کی غلامی و محبت کا قوی جذبہ موجود ہے جس کے پہلو میں پہلے جد اعلیٰ امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی الفت تازہ ہے جس کے دماغ میں سطوت فاروقی کا تخیل ہے جو ذی النورین اور حضور مولائے کائنات کے ساتھ سچی عقیدت و عشق رکھتا ہے۔ جو بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ماضی کی یاد تازہ کر رہا ہے جسکی نگاہیں عالم اسلامی کی راحت و مصیبت کی طرف لگی ہوئی ہیں جو اسلامی سادگی و مساوات کا بہتر نمونہ ہے۔ جس کے شہنشاہانہ ہاتھ ملت بیضا کی معاونت کے لئے ہر آن متحرک ہیں جس کا دماغ عصبیت سے پاک ہے جس کے ملک کی دولت اپنی عیش پرستی پر نہیں بلکہ قوم اور رعایا کی فلاح و ترقی میں صرف ہو رہی ہے اور وہ اپنے ملک کو ترقی کی عمیق شاہراہوں پر لیجا رہا ہے۔

آج دوسرے مالداروں کی دولت اپنے حظ نفس پر خرچ ہو رہی ہے۔ مگر اس کی مملکت کا خزانہ قومی ضروریات کا بیت المال بنا ہوا ہے۔

آج دوسرے والیان ملک مغربیت کے زہریلے اثرات سے متاثر ہو کر مذہبیت کو فنا کر چکے ہیں مگر اس کے قلب و دماغ میں دنیا کے ساتھ دین بھی شامل ہے۔ وہ اگر دنیا کے مسائل میں معلومات کا حامل ہے تو دینی و مذہبی معلومات میں بھی اس کو خاص بصیرت و نظر حاصل ہے۔

آج دوسرے افراد سے خدا پرستی دور ہو رہی ہے مگر وہ خدا کے خوف و خشیت سے

لبریز دل لیے ہوئے خدا کے گھر میں ہر ہفتہ چند رُوپوں کے لباس سے ملبوس ہوکر اسلامی سادگی کا بہترین نمونہ اسلامی برادری کے روبرو پیش کرتا ہے۔

دنیا کے موجودہ شہنشاہ مغرب کی تحریک وطنیت کے مکروہ جذبہ سے متاثر ہوکر دوسروں کیلئے اپنی مملکت میں دروازے بند کر رہے ہیں۔ مگر وہ کل مؤمن اخوۃ کی تعلیم پر عمل کر رہا ہے۔ اپنی مملکت میں ہر رہنے والی ملت کے حقوق کا کماحقہٗ نگران و محافظ ہے اور اس سلسلہ میں یقیناً اس نے شاہانِ ماضیہ کے صحیح طرزِ عمل کو ازسرِ نو زندہ کردیا۔

اعلیٰحضرت سلطانِ دکن کا علمی مقام

حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کی تعلیمی حالت سُن لیجیے۔ کسی یونیورسٹی نے درس نہیں دیئے ہیں۔ یورپ کی سرد ہواؤں نے روشن خیال نہیں بنایا ہے۔ اسی مشرقی طریقۂ تعلیم کو حضور کی تربیت کی عزت حاصل ہے۔ اور فضائے دکن ہی کی آب و ہوا نے "شاہی" کے اصلی گر سکھائے ہیں۔ عربی کے فارغ التحصیل اور قلم برداشتہ عربی لکھنے پر قدرت رکھنے والے عربی کا ایک خط میری نظر سے بھی گزرا تھا جو مرحوم عماد الملک بلگرامی کو حضرت بندگانِ عالی نے تحریر فرمایا تھا۔ مرحوم بلگرامی" اعلیٰحضرت کی عربیت کا اعتراف کرتے تھے، فارسی میں کئی دیوان مرتب ہوچکے ہیں اور ایک تازہ دیوان عنقریب شایع ہونے والا ہے۔ اِس زمانہ میں جبکہ فارسی کا مذاق ہماری بے توجہی سے مفقود ہو رہا ہے۔ بندگانِ عالی کی ان جواہر پاشیوں سے اس زبان کے نشر و احیار کو جو فائدہ پہونچ سکتا ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہ ہوگا۔ انگریزی کے بہترین انشاء پرداز ہیں۔ اور اردو کے تو بادشاہ ہیں۔ جس قدر فرامین ملک کے نظم و نسق اور عزیز رعایا کی صلاح و فلاح سے متعلق جاری ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے الفاظ کی بلند ترتیب اور جملوں کی غیر معمولی نشست جو حضرت بندگانِ عالی کے قلم مبارک سے بیساختہ نکل جاتے ہیں

انشا پردازی کی جان ہوتے ہیں۔ خود سمجھ لینا آسان ہے مگر دوسرون کو سمجھانا دشوار کام ہے۔ یہ حضرت بندگان عالی کی وسعت نگاہ اور دست گاہ تامہ ہے کہ اہم سے اہم مسائل کو باتوں باتوں اور حد درجہ دلپذیر انداز بیان مین حل فرما دیتے ہیں۔ عبارت تعقید سے پاک اور بیان ابہام سے خالی ہوتا ہے ان شاہی تحریروں کا مطالعہ کرنے والا (جو طرز بیان سے واقف ہو گیا ہے) پہلی نظر میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ ادبی جواہر پارے اس کے قلم سے نکلتے ہیں۔ جس کا انوکھا طرز بیان اپنے رنگ میں مجتہدانہ شان رکھتا ہے یہ فیضان فطرت ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کو قدرت نے شاہانہ تدبر و فہم کی عدیم المثال استعداد کے ساتھ علم و ادب کا ایسا صحیح مذاق عطا فرمایا ہے جسکی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ باوجود ان مشاغل کے اخبارات بھی مطالعہ مین رہتے ہیں اور رسائل و کتب بھی مصنفین و مؤلفین کی دماغ سوزیوں پر بھی ناقدانہ نظریں پڑتی رہتی ہیں۔ سمجھ مین نہیں آتا کہ ایسی مصروف زندگی ان تمام مراحل سے کیونکر عہدہ برآ ہو جاتی ہے۔ میں تو اس کو فضل الہیٰ اثر سمجھتا ہوں۔

حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ فاتح ایران کی طرح بادشاہ بھی ہیں اور نفس کشی وسادگی میں "فقر حیدری" کو زندہ کرنے والے بھی غرض کہ ذات شاہانہ ایک وقت مین "انسانی تکمیل" کی مجسم تصویر ہے۔

ایک اخبار کے محدود صفحات مین اس کی کہان گنجایش کہ جان نثار "ہوش" حضرت اقدس و اعلیٰ کی زرین حیات کے کارنامے جی کھول کر بیان کر سکے۔ کسی دوسرے وقت کے لئے اپنے خدا سے توفیق چاہتا ہوں اور غالب کا ہمنوا ہو کر اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ:-

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار (ہوش بلگرامی)

اعلیحضرت کے علمی مقام کا یہہ تذکرہ ایک ایسے صاحب علم کے قلم سے لکھا گیا ہے جس کو اعلیٰ حضرت کی خدمت مین رہنے کا شرف اور قریب سے آپ کو مطالعہ کرنیکی عزت حاصل ہے اور علم النفس کی روشنی مین بندگان عالی کے قول اور فعل پر نظر کرتا ہے۔

"اعلیحضرت کے علمی امتیاز کا اندازہ ان کارناموں سے بھی ہوجاتا ہے جو آپ نے اپنی رعایا کو دولت علم سے مالامال کرنے مین دکھائے ہیں جامعہ عثمانیہ کی تاسیس اور اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینا ایک ایسا کارنامہ ہے جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور یہی کارنامہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ فلسفہ تعلیم کے ماہر اور مبصر ہیں اور اس حقیقت کو آپنے اپنے عمل سے نمایاں کرکے دکھایا کہ علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا بہترین ذریعہ

مادری زبان ہے

اور اس تجربہ نے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے ذریعہ کیا گیا ثابت کردیا کہ یہی بہترین طریق تعلیم ہے اور اب ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں اس کی تقلید کرنے پر امادہ ہین اور یہ سوال ان کے زیر غور ہے۔

آپ کے علمی مرتبہ کے امتیاز کے لئے صیغہ تالیف و ترجمہ کا قیام ہے۔ جس نے اپنی مختصر سی عمر مین حیرت انگیز کام کیا اور تمام علوم کی کتابوں کو ترجمہ کے ذریعہ

اردو کا لباس پہنادیا

اور پھر آپ کی علمی فیاضیوں کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ وہ حیدرآباد سے نکل کر ہمارے ہندوستان مین اور ہندوستان سے نکلکر مدینہ منورہ تک جاپہونچا۔ جہاں ایک مدرسۂ عثمانیہ قائم ہوا۔ میں اس سلسلہ مین ان طلباء کا ذکر نہیں کرتا جو مصر اور یورپ کے مختلف شہروں مین تعلیم کی غرض سے بھیجے جاتے ہیں۔ غرض آپ کا علمی مقام بہت بلند ہے۔ علمی حیثیت کے مختلف شعبے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ان تمام شعبوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ شاعری بھی ایک خداداد عطیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مقام شاعری مین بھی بہت بلند ہے۔ اور فارسی

عربی۔ اردو۔ اور ہندی میں آپ کا کلام وجد آفرین ہوتا ہے۔ ان تمام امور کی تفصیلات کا دوسرا مقام ہے۔ یہاں میں نے صرف ضمناً ذکر کیا ہے۔

تاجدارِ دکن کی شخصی کشش

"از قاضی عبد الغفار صاحب اڈیٹر پیام"

دنیا کے بالادست اہل سیاست نے تاجدار دکن کی سیاسی حیثیت کو کتنا ہی محدود کر دیا ہو لیکن بحمد اللہ ابھی تاج و تخت دولت آصفیہ کے مالک کی وہ شخصی کشش باقی ہے جو رعایا کی انسانی فطرت کو اس کے آقا کی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ اور یہی ایک عظیم الشان قوت ہے۔ یہی ملک داری کا ایسا گراں قدر سرمایہ ہے جس سے کوئی قوت اعلیٰ حضرت کو محروم نہیں کر سکتی۔ برطانیہ حکومت کے محکمہ سیاسی میں شاہ دکن محض ایک " والیٔ ریاست" سمجھے جائیں لیکن دنیا کے دفاتر خارجہ میں اور خود اپنے ملک میں اپنی رعایا کے دلوں میں اور تمام مشرقی ممالک میں ذات شاہانہ کا مرتبہ اب بھی بہت بلند اور ارفع ہے۔ خود برطانوی ہندوستان میں ذات شاہانہ کے ساتھ برطانوی رعایا کی عقیدت مندی کے بہت سے ناقابل انکار مظاہرے ہو چکے ہیں۔ خصوصاً ۲۶ء سے اسوقت تک جب کہ برطانوی حکومت نے دولت آصفجاہی کے در و لبست میں مداخلت شروع کی اور آج بھی جبکہ پھر ایک دفعہ حالات کے بہتر ہونے کے امیدیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اعلیحضرت کے متعلق اہل ہند کے جذبات بر سر میدان آتے رہتے ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ شاہ دکن کے ساتھ ہندوستان کی برطانوی رعایا کی عقیدت مندی خود دکنی رعایا کی عقیدت مندی سے کسی طرح کم نہیں رہی۔ ۲۶ء میں برطانوی حکومت کی پالیسی کے خلاف ہندوستان میں جس شدت کے ساتھ احتجاج کیا گیا اور جس ذوق و شوق کے ساتھ

اعلیٰ حضرت کے خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں کسی دوسرے فرمان روا کے متعلق کبھی ایسے مظاہرے نہیں ہوئے۔ اسی طرح اہلِ ہند کی جانب سے کسی دوسرے "والیٔ ریاست" کو ہدیہ خطاب پیش نہیں ہوا۔ جو لوگ ندوۃ العلماء کے اس جوش و خروش کو دیکھ چکے ہیں۔ جہاں اعلیٰحضرت کے لئے "محیّ الملّت والدین کا خطاب تجویز ہوا تھا۔ وہی سمجھ سکتے ہیں کہ تاجدارِ دکن کی شخصیت ہندیوں کے دلوں میں کس قدر عزیز ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دنیائے اسلام میں بھی شاہ دکن کی حیثیت ہمیشہ ایک آزاد حکمراں کی سمجھی گئی ہے اور یہ تازہ رشتۂ محبت جو بہ سلسلہ ازدواج شاہزادگان والا تبار اور خاندانِ خلافت ترکیہ کے درمیان قایم ہوا وہ بھی بلاشبہ ایک بین الاقوامی اہمیت رکھتا ہے

سلطانِ دکن بحیثیت فرزند سعادتمند

میں نے سیرۂ عثمانی کے ذیل میں اعلیٰحضرت سلطانِ دکن کو بحیثیت ایک شفیق باپ کے پیش کیا ہے اور اس خصوص میں دکھایا ہے کہ آپ اپنی اولاد کی شایان شان تعلیم و تربیت اور فلاح کے عملی جذبات کا پیکر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

اکرمُوا اولادکم

اپنی اولاد کی جائز تکریم کو ہر موقعہ اور محل پر پیش نظر رکھتے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی اس ممتاز نمونہ سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے۔ ایسا ہی میں برادرانہ شفقت کا مرقع بھی پیش کر چکا ہوں اور سریر السلطنۃ کے الفاظ میں دکھا چکا ہوں کہ شاہِ دکن کو اپنے بھائیوں اور بہنوں سے بے انتہا محبت ہے۔ اب میں اعلیٰحضرت کی زندگی کے اِس پہلو کو نمایاں کرتا ہوں جو

بحیثیت ایک سعادتمند فرزند کے ہے

اعلیٰحضرت مرحوم کے عہدِ حیات میں آپ کے مدنظر ایک ہی امر تھا کہ بندگانِ عالی کے

منشاء کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔ کامل اطاعت پدری و نیاز مندی آپ کا طرۂ امتیاز تھا اور ایسا ہی حضرتہ والدہ صاحبہ کے حضور آپ ایک سعادت مند بیٹے کی طرح کامل ادب اور اخلاص سے حاضر ہوتے ہیں۔ اعلیٰحضرت مرحوم کی وفات کے بعد والدین کی نعمت کا احساس بہت بڑھ گیا اور ساری نیاز مندیوں اور اخلاص کا

مرکز وحید حضرتہ محترمہ کا وجود ہو گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اعلیٰحضرت سلطان دکن نے اپنے عمل سے بتایا کہ اس ارشاد گرامی پر

آپ صدق دل سے فدا ہیں

قرآن مجید میں بھی والدین کی تکریم اور ان کے مقام ادب کی صراحت کی گئی ہے۔ والدہ کے مقام کی عظمت کا اندازہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بھی نمایاں ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب کبھی آپ کی رضاعی والدہ حضرتہ حلیمہ سعدیہ تشریف لاتیں تو آپ انکا اسی طرح ادب و محبت سے استقبال فرماتے جو مہربان والدہ کے لئے سزاوار ہے۔ پھر والدہ کے مقام ادب کا پتہ اس واقعہ سے بھی ملتا ہے حضور کے عہد سعادت میں یمن میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہٗ اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں مصروف تھے باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں وہ ایک فدایانہ فطرت رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا بہت بڑی سعادت اور عزت تھی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ معلوم کر کے کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں ان کو حاضری سے معاف کر دیا۔

یہ واقعہ

والدۂ محترمہ کے مقام و شان کو ظاہر کرتا ہے

اعلیٰحضرت سلطان دکن باوجودیکہ وہ ایک وسیع مملکت کے بادشاہ ہیں اور مختلف قسم کے

امور مملکت آپ کی توجہ اور اوقات گرامی کو اپنی طرف مبذول کرائے رکھتے ہیں۔
لیکن ان تمام مصروفیتوں اور مشاغل میں ایک چیز ہے جو اس مصروف سلطان کے
تمام اعمال پر

اپنی کشش اور جذب کو غالب کر دیتی ہے

دنیا کی کوئی مصروفیت کوئی دلچسپی اور کسی دنیوی رشتہ کی محبت اور کشش اس پر غالب
نہیں آسکتی اور یہ

حضرتہ والدہ محترمہ کی محبت و اطاعت ہے،

آپ نے اپنی زندگی کے روزآنہ نظام عمل میں ایک وقت مخصوص کر لیا ہے کہ حضرتہ محترمہ کے
حضور نہایت اخلاص اور ارادت سے حاضر ہوں اور اپنی سعادت مندی اور اطاعت
کا ہر طرح عملاً اظہار ہو۔ آپ کی زندگی کے کسی دوسرے شغل میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔
لیکن اس میں ترمیم نہیں ہوسکتی ٹھیک وقت پر جو روزآنہ مقرر ہے آپ حضرتہ کی
خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور حضرتہ محترمہ اپنے نور چشم کو اپنے پاس موجود پاکر

حیات نو پاتی ہیں

اور مملکت دکن کا جلیل القدر تاجدار ان کی دعاؤں ان کی شفقت آلود نگاہوں کو
اپنے دین و دنیا کا بہترین سرمایہ یقین کرتا ہے۔ محبت اور اطاعت کے اس
مظاہرہ کو شاعر اور مصوّر کا قلم بھی بیان نہیں کرسکتا۔ خوش نصیب ہے وہ ماں
جس کا سعادت مند بیٹا ایسا بادشاہ ہو اور مبارک ہے وہ سلطان جو اپنے رتبہ
اور منزلت کے باوجود

فرزندانہ سعادت کا ایسا پیکر ہو

اعلیحضرت اس کو برداشت ہی نہیں کرسکتے کہ کوئی شخص اپنی والدہ محترمہ کے
قدموں سے کسی وجہ سے دور رہے۔ حیدرآباد میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ

یہاں کے ایک بہت بڑے امیر کو بعض ایسے اسباب پیش آئے کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کے حضور سالہا سال تک نہ جا سکے۔ باوجود اپنے جذبات ادب واطاعت کے انہیں حاضری کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ مرور زمانہ سے حجاب بڑھتا گیا۔ اعلیحضرت کے علم میں جب یہ واقعہ آیا تو آپ کو اس شفقت کی وجہ سے جو آپ کو اپنے امراء اور رعایا کے افراد پر ہے بہت بڑا احساس ہوا۔ آپ نے نفسیاتی اصول پر سمجھا کہ حجاب کی وجہ سے باوجود قریب ہونے کے دونو دور ہو رہے ہیں۔ اس لئے آپ ایک شفیق بزرگ اور مہربان بادشاہ کی حیثیت سے آگے بڑھے اور اپنے نسلاً بعد نسل وفادار اور ممتاز امیر کو ان کی والدہ محترمہ کے پاس لے گئے۔ محبت مادری اور فرزندانہ سعادت کے جذبات صرف تحریک ہی کے محتاج تھے۔ سعادت مند بیٹے کو اسکی کھوئی ہوئی جنت اور شفیق ماں کو اس کا نور نظر مل گیا اور یہ ظاہر ہے کہ ماں بیٹے نے

اپنے بادشاہ کیلئے کسقدر دعائیں کی ہونگی

غرض اعلیحضرت کی زندگی بحیثیت ایک سعادتمند فرزند کے

نمونہ کی زندگی ہے

جو اس عہد جدید کی آزادی میں نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

اعزا و اقربا کیساتھ سلوک

اعلیحضرت کی زندگی کا یہ پہلو بھی ایک عجیب شان رکھتا ہے آپ جب اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے مجمع میں ہوتے ہیں تو آپ علی قدر مراتب ہر ایک سے اسی طرح پیش آتے ہیں جو اسکے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے ضروری ہے باوجودیکہ بحیثیت بادشاہ آپ کا مقام سب سے بلند ہوجاتا ہے لیکن آپ اس خداداد مقام اور مرتبہ کے احترام کو قائم رکھتے ہوئے اس امر کو نظرانداز نہیں ہونے دیتے کہ

رشتہ داروں کے مراتب کس عمل کو چاہتے ہیں

چھوٹوں کے ساتھ آپ بزرگانہ شفقت کا اظہار فرماتے ہیں اور جو رشتہ مین بڑے ہیں اُن کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں تا دوسروں مین بزرگوں کے ادب کی روح پیدا ہو اس خصوص مین آپ کے مدنظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی رہتا ہے کہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر رحم کرو۔

جن لوگوں کو آپ سے کسی نہ کسی نوع کا رشتہ قرابت حاصل ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے عزیزوں کے لئے اپنے دل مین محبت و شفقت کا ایک خاص احساس رکھتے ہیں پچھلے دنوں نواب سلطان الملک بہادر کے فرزند نواب وحید یار جنگ مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ اعلیٰحضرت کو یونہی علم ہوا۔ آپ کو بہت بڑا احساس ہوا۔ خود موقعہ پر تشریف لائے اور اپنی موجودگی میں مرحوم کو غسل دلایا۔ تبرکات دیئے اور نماز جنازہ مین شریک ہوئے اور تجہیز و تکفین کا تمام انتظام اپنی حاضری میں کر دیا۔ اور پھر خاندانی اور اسلامی روایات کے پیش نظر اپنے گھر سے ورثار کو کھانا بھوایا یہ باتین سرسری نظر سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ اور نہ انسانی زندگی کے روزآنہ معمولات مین داخل ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہین بلکہ اعلیٰحضرت کی زندگی کے اس پہلو پر نظر کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ یہ

ایک بادشاہ کا طرزِ عمل ہے

دولت اور حکومت کے نشہ کی سرشاری قرابتوں اور رشتہ داریوں کو نظر سے دور کر دیتی ہے اور ایک حجاب پیدا ہو جاتا ہے لیکن سلطانِ دکن کا یہ فعل قابل صد ہزار تحسین ہے وہ ایسے اوقات مین حکومت اور جہاں بانی کے عام معمولات یا رسوما کی پروا نکر کے اپنے

عزیزون کے غم مین شریک ہوتا ہے

نواب سلطان الملک بہادر کے خاندان کے لوگوں سے جا کر پوچھو کہ اعلیٰ حضرت کے اس فعل نے ان کے قلوب مین محبت و فدویت کے جذبات کو کتنا گہرا کر دیا ہے۔

اس واقعہ کو مولانا ہوش بلگرامی نے بھی شائع کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے موثر اور جاذب مرقع کو اس موقعہ پر پیش کر دوں اس لئے کہ اس سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے جو میری اس تالیف کا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اسی واقعہ کو لیجیے حضرت اقدس و اعلیٰ نے جس وقت نواب وحید یار جنگ بہادر کے انتقال کی خبر سنی تو نہ صرف اس لحاظ سے کہ مرحوم کو خاندانِ سلطانی سے تعلق تھا اور ان کے بچپن کی تعلیم و تربیت شاہی نگرانی میں ہوئی تھی بلکہ سرپرستِ خاندان پائیگاہ ہونے کے اعتبار سے ان کی تجہیز و تکفین کے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئیں اور صبح ۹ بجے میت میں شرکت کے لئے موکب ہمایونی بیگم پیٹھ کی جانب روانہ ہوا۔

حضرت خواجہ اجمیری کے مزار مبارک کا مس کیا ہوا کفن کا ایک گیرواکپڑا مصفا و پاک آبِ زمزم اور مزارِ نبوی کی خاک پاک ہمراہ لے لی گئی، اس قسم کے تبرکات قصرِ شاہی میں محفوظ رکھے جاتے ہیں تاکہ ایسے مواقع پر کام دے سکیں اور کلمہ گو اس سے اپنے آخر وقت پر محروم نہ رہے اور میت کی مذہبی طہارت و پاکیزگی کے کام آئیں، مرحوم کو غسلِ میت کے بعد ہی کفن دیا گیا، سینہ اور پیشانی پر خاکِ پاک مَلی گئی اور میت کو آبِ زمزم سے مطہر کیا گیا، غسل دینے والوں نے دیکھا کہ میت کے جسم پر احتراقِ خون کے اثرات دھبوں کی شکل میں نمودار تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ دوامی مُہریں "دختِ رز" کی ثبت کی ہوئی تھیں۔ مولوی عبد القدیر صاحب بدایونی مفتی عدالت العالیہ اور مولوی صابر حسینی صاحب و مولوی سید محمود صاحب مفتی میرم رجمنٹ اور مولوی قاری فخر الدین صاحب مذہبی رسوم جب تک ادا کرتے رہے۔ اس وقت تک حضرت جہاں پناہ برابر ٹہلتے رہے۔ دو مرتبہ مرحوم کا چہرہ نہایت غور سے ملاحظہ فرمایا گیا اور یہ ارشاد ہوا کہ:—

"یہ دن مرنے کے نہ تھے شادی بیاہ کا زمانہ آنیوالا تھا۔ مگر افسوس کہ بدعادت نے ان کو کھویا اور ان کی مخبوط الحواس ماں کو زندہ درگور کر دیا۔"

کفن پہنانے کے بعد جب آخری مرتبہ چہرہ ملاحظہ فرمایا تو ارشاد ہوا کہ :-

"مذہبی رسوم کی تکمیل اور تبرکات کے استعمال نے چہرہ پر نورانیت پیدا کردی اور میں خوش ہوں کہ خدا کا یہ گنہگار بندہ اپنے مالک حقیقی کے حضور میں پاک اور مطہر ہو کر جارہا ہے"

غور کیجئے کروڑہا بندگان خدا پر حکومت کرنیوالا بادشاہ کس احترام سے مالک حقیقی کی یاد کرتا ہے اور اسے اپنے مذہبی اعمال کا کس قدر خیال ہے۔ ایمان کی استواری بتارہی ہے کہ اس کے معتقدات کیسے ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان و ایقان کیسا ہے۔ میں سخن پروری نہیں چاہتا۔ انصاف سے کہئے کہ کیا کسی اور کو بھی آپ نے دیکھا ہے کہ دولت و حکومت کے ایسے بے پایاں ہجوم میں مذہب اور احکام مذہب کا اس قدر پابند ہو اور اس خلوص دل اور خلوص نیت سے فرائض مذہبی بجالاتا ہو۔ دولت کے مظاہر حکومت کی خداوندی اور عشرتوں کی بہتات کی مثالیں بے شمار ملسکتی ہیں لیکن کہیں اسکا پتہ بھی ملتا ہے کہ ایک بادشاہ وسیع المشربی اور مذہبی رواداری کے ساتھ اپنی شریعت اور مذہبی احکام کا اسقدر احترام کرتا ہو اور پھر اپنی رعایا کے دکھ درد کا اس طرح سے شریک بھی ہو

اس کے بعد جنازہ کو اس مسجد میں لیگئے جو ایوان بیگم پیٹہ کے احاطہ میں خدا کی وحدانیت کا اعلان کررہی ہے اور جس کو نواب سروقار الامراء کی توفیق ایمانی نے تعمیر کرایا تھا حضرت بندگان عالی اور دوسرے حاضرین نے مفتی صاحب میسرم رجمنٹ کی قیادت میں نماز میت ادا فرمائی اور بعد ختم نماز میت کو "موٹر بس" میں اس قبرستان تک لیجانے کیلئے اعلیحضرت نے ارشاد فرمایا جو نواب شمس الامراء امیر کبیر کے احاطہ میں واقع ہے اور جہاں حضرت برہنہ شاہ صاحبؒ کے سایہ روحانی میں امیر کبیر کے خاندان کے مرحوم افراد اطمینان کی نیند سوئے ہیں۔

زمانۂ قدیم سے یہ رسم چلی آرہی کہ بادشاہ کو میت کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونیکا موقع نہیں دیا جاتا یہانتک کہ میت کو دکھایا بھی نہیں دیا جاتا، لیکن ظل اللہ اس کو داہام

تعبیر فرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ انسان کی وہم پرستیاں ہیں جس کی اسلام نے شدت سے مخالفت کی ہے، جہاں پناہ اپنے خدائی احکام کو دنیا کے رسم و رواج پر مقدم اور سنت نبوی کا اتباع اپنے لئے افضل سمجھتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ مرحوم کے والد نواب سلطان الملک بہادر دماغی علالت کی وجہ سے بیگانہ عقل و ہوش ہیں اور یہی حال کم و بیش مرحوم کی والدہ کا بھی ہے، جن کو اسکا احساس کہاں کہ ان کی گود کا کھیلا ہوا نونہال عین عالم شباب میں چل بسا اس حالت میں بندگان عالی کا یہ شیوہ بزرگانہ، یہ شفقت و کرم اور اس درد محبت سے تجہیز و تکفین کے مراسم ادا فرمانا دکھیاری ماں کے زخم دل پر مرہم کا کام دے گیا، اس کے آنسو خشک ہو گئے، اسکا رنج و غم بہت کچھ دور ہو گیا اور اس کے بے چین قلب کو حرف پیر و مرشد کی موجودگی نے وہ تسکین دیدی جو بڑے سے بڑے زاہد و صوفی کے وعظ و پند سے ممکن نہ ان حالات میں میں کیسے نہ کہوں کہ خسرو دکن کا یہ اسوۂ نیک سارے ملک کے لئے اخوت اسلامی کا ایک درس ہے اور یہی وہ عمل ہے جس پر سینکڑوں عادتی اور ریائی سجدے قربان کئے جا سکتے ہیں۔ مشہور ہے کہ خدا دردمند دلوں میں رہتا ہے۔ اس لئے کسی دردمند دل کی چارہ گری اور تسلی یقیناً خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ فخر کر سرزمین دکن کہ تیرے اورنگ شاہی کی زینت اس کے قدم مبارک سے ہوئی جس پر عہد حاضر کے سوا آنیوالی دنیا بھی فخر و ناز کرے گی اور جس کے مبارک کارنامے تاریخ کی صفحات میں جلی حروف سے لکھے جائیں گے، مجھے نواب وحید یار جنگ بہادر کی جوانمرگی کا افسوس ہے اور میری دعا ہے کہ خدا ان کے ارباب خاندان کو صبر اور بالخصوص مرحوم کی والدہ محترمہ کے دردمند دل کو تسکین عاجل عطا فرمائے۔ اس کے بعد میں یہ عرض کرونگا کہ ظل اللہ کو سر پرستی میں مرحوم کی تجہیز و تکفین کا انتظام حسن خلوص نیت اور مذہبی اصول کے سایہ میں ہوا اس پر میرا ایمان پکار کر کہتا ہے کہ اب انکی نجات میں کوئی شک نہیں رہا۔

خوشا نصیب!

آخری بات

اعلیحضرت سلطان دکن آصفجاہ ہفتم خلد اللہ ملکہ کے خصائل و شمائل کے تذکرہ کو میں نے اختصار سے ختم کر دینا چاہا ہے ورنہ آپکے شمائل و اخلاق کے مختلف پہلو اور ابواب ایسے ہیں کہ ان پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور لکھا جانا چاہیئے۔ میں نے آصفجاہ ہفتم کے کردار کی خوبیوں کو بیان کرنے کی سعی کی ہے اور عمل کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ

عملی خوبیاں اور اخلاقی کمالات ہی ہیں

جو لوگ کسی شخص کی عملی خوبیوں کو مدنظر نہیں رکھتے اور ناجائز نکتہ چینی کو اپنا طریق عمل قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے انفرادی یا اجتماعی رنگ میں کبھی ملک اور قوم کی خدمت نہیں کی۔ میں جانتا ہوں آنیوالے مورخ اور کردار نویس اس سلطان کی سیرۃ و سوانح پر بڑی بڑی تالیفات شایع کریں گے مگر میں نے اپنی طاقت کے موافق اس مفید اور ضروری کام کی بنیاد رکھدی ہے۔ قوموں اور ملتوں کی تعمیر اور ترقی کا راز اسی ایک امر میں ہے کہ انمیں وہ خوبیاں پیدا ہوں جو اجتماعی حیثیت سے ملک و ملت پر موثر ہوں۔ بادشاہوں کی زندگی سیاسی۔ معاشی۔ اور اخلاقی حیثیت سے بہت بڑا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ الناس علی دین ملوکہم۔ اس نکتہ خیال سے میں نے آصفجاہ ہفتم کے شمائل و اخلاق کے بیان میں اسی چیز کو نمایاں کرنا چاہا ہے جو والیان ریاست۔ امرا علمائ اور عوام الناس کی زندگیوں میں ایک بہترین تغیر پیدا کر سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نے اسکو کس نیت اور مقصد سے لکھا ہے اگر مسلمان امراء اور رؤسا میں وہ عملی روح پیدا ہو جاوے تو انکی اقتصادی۔ معاشی اور سیاسی مشکلات کا ایک حد تک موثر مداوا پیدا ہو سکتا ہے۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کے مفید نتایج پیدا کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؏

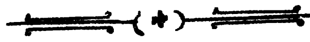
خاکسار
اعرفانی

تبریکِ سلطانی بتقریبِ جوبلیٔ عثمانی

یعنی

کلامِ فصاحت التیام اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

تمہیدی نوٹ



حضرت سلطان العلوم نے جشن جوبلی کے سلسلہ مین اپنے جذبات مسرت وانبساط کا اظہار کلام عثمانی کے ذریعہ فرمایا اور ازراہ عطوفت سلطانی و قدر دانی دولت آصفیہ کے معزز صحیفہ رہبر دکن کو بغرض اشاعت سرفراز ہوا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ حیات عثمانی مین اسے بطور ضمیمہ درج کردوں تاکہ قارئین کرام کے قلوب مین بھی ایک موج مسرت پیدا ہو۔ اور وہ اس ہدیہ تبریک مین اپنے بادشاہ ذیجاہ کے ہمنوا ہوں۔

(عرفانی)

۷۸۶

تہنیت جوبلی سیمین ف

(مطلع) دیدن جشن رخ یار مبارک باشد
گویا این طالع بیدار مبارک باشد

مژدہ اے بادہ کشان آمدہ ایام بہار
جام در کف ہمہ سرشار مبارک باشد

نرگس و سنبل و نسرین و ریاحین سمن
ہر طرف این گل و گلزار مبارک باشد

کف کشادہ کہ عروسان چمن استادند
بارش ابر گہر بار مبارک باشد

(مقطع) نغمۂ چنگ و دف و بادۂ رنگین عثمان
در چنین جشن بہ ہر بار مبارک باشد

ف ۔ اس کیلئے تاریخ مقرر ہو چکی ہے (یعنی جوبلی ویک کیلئے) یکم ذیحجہ جاریہ مطابق ۱۳ ماہ فبروری ۱۹۳۷ء اور جتنے اہم تقاریب (ہفتہ) ہونگے وہ عید ذیحجہ کے ایام تک ختم ہوجائینگے مگر اس سلسلہ میں جو دوسرے کھیل تماشہ ہونگے یا نمایش ہوگی وہ ۲۹ ذیحجہ تک چلتی رہیگی و یکم محرم سے امور برخاست ہوجائینگے کہ زمانۂ عزا ہے تا ختم ماہ صفر

(نوٹ) تازہ ترین فرمان مبارک کے رو سے نمایش وغیرہ ختم نہوگی (عرفانی)

غزل تازہ برجستہ تقاریب جشن جوبلی میں[ف]

(۲۹ ذی الحجہ)

(مطلع) کف و ساعد لبے زیبا است ہر یک — بلائے جان برائے ماست ہر یک
برائے جامہ نسرین و بنفشہ — شمیم آور از ین گلہاست ہر یک
برائے مستی میخوار و زاہد — نبیذ و آب رز صہباست ہر یک
بہ بین ساقی تو گل را کف کشادہ — مثال ساغر ملہاست ہر یک
(مقطع) ہلال سوگ اے عثمان پدید است
بساط عیش (یعنی محرم) و مے برخاست ہر یک
(محفل)

ف یہہ اوستاد جلیل کی داد گرفتہ غزل ہے ۔

تهنیت دیگر جشن جوبلی سیمین

(در ماه ذیحجه)

(مطلع) سایهٔ احمدِ مختار مبارک با تو — مددِ حیدرِ کرّار مبارک با تو

این ندا آمده از طرفِ گلستان بهم — ساغر و نیز لبِ یار مبارک با تو

جامهٔ حشمت و اقبال که زیبائے تنت — طرّهٔ دلکش و دستار مبارک با تو

اے خوشا بخت و خوشا تخت و خوشا ملکِ دکن — ساعتِ فرّخ و دربار مبارک با تو

(مقطع) جوبلی دورِ حکومت بہ بہاران عثمان (۲۵ ساله)

قصرِ نو هم گل و گلزار مبارک با تو

(جوبلی هال) (باغ عامه)

تہنیت جشن سیمین در ماہ ذیحجہ

(مطلع) سحر کہ نغمۂ بلبل مرا بگوش آمد | رسید مژدہ کہ رنگ چمن بہ جوش آمد
چنان طیور نوا سنج و زمزمہ پرداز | کہ جان زاہد صد سالہ در خروش آمد
بہار سبزہ و گل ہمکنار موج شراب | از انکہ ساقی میخانہ سبز پوش آمد
بنوش بادہ و ہنگام گل غنیمت دان | کہ لالہ جام بکف غنچہ خم بدوش آمد
مرنج و غصہ مدہ جان و چشم ساقی بین | بہ ہوش آے کہ دارو ے رفع ہوش آمد
زحال بلبل و پروانہ کیست کو پرسد | زبان شمع و لب برگ گل خموش آمد

(مقطع) عزیز خلق خود او را خدا کند عثمان
ہر آنکہ جرم فراموش و عفو کوش آمد

قطعہ جو کہ جدید تعمیر کردہ جوبلی ہال باغ عامہ پر کندہ ہوگا۔

بیا ساقی بمن دہ بادۂ گلرنگ در ساغر
کہ بلبل در چمن نازد چو بیند نرگس عبہر
بہ دیوانِ نکو نامی ز نامِ آصفِ سابع
کشیدہ نقشِ طغریٰ کاتبِ قدرت بہ آبِ زر

در توصیف جوبلی ہال باغِ عامہ

(جو کہ عمارت پر کندہ ہوئی ہے)

(مطلع) چہرۂ قصرِ نو کہ رخشان است   کرمکِ شب مثال افشان است

قمری و عندلیب نغمہ کنان   کیسۂ غنچہ ہم زر افشان است

خط و خالش ہمہ نمایان شد   غُلِ آئینہ روئے جانان است

رقصِ پیمانہ گو یدائے ساقی   گردِ شمشاد بین چہ ریحان است

آمدِ ماہِ دَے کہ کرد ستم   پُر ز نسرین و لالہ بستان است

چاک شُد در بہار جامۂ گُل   دامنش نیز چون گریبان است

(مقطع) عیدِ عثمان غدیر و ہم نوروز
عیش (فوجیحہ) و عشرت کہ در بہاران است



خان بہادر احمد آلہ دین او ۔ بی ۔ ای

عریضہ نیاز بخدمت سیر یمین السلطنت دام اقبالہ

گرامیٔ قدر۔ علم نواز۔ "شاد باشی"

۱۔ نہایت ادب اور کمال اخلاص سے یہ معروضہ پیش کرنیکی اجازت چاہتا ہوں۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ علم نواز ہستی میرے علمی اقدام کی سرپرستی مین خوشی محسوس کریگی۔

۔ خاکسار نے اعلیحضرت بندگان عالی متعالی کی تقریب سلور جوبلی پر پیش کرنے کیلیے ایک تاریخی ہدیہ بنام حیات عثمانی تیار کیا ہے۔ اسکی جلد اول مین دولت آصفیہ کی اجمالی تاریخ اور ذات شاہانہ کے سوانح حیات اور سیرۃ عثمانی کا رخ دکھایا گیا ہے اور دوسری جلد سوم بہ برکات عثمانی مین حضرت آصفجاہ ہفتم کے عہد سعادت مہد کی حیدرآباد جدید ترقیات کی تفصیل ہے۔ سردست میں پہلی جلد شایع کر رہا ہوں اور اسے متعاقب انگریزی۔ اور عربی مین بھی شائع کرنے کا عزم رکھتا ہوں۔

۲۔ اس تاریخی سلسلہ کو میں جناب والا کے نام سے منسوب کرنیکی اجازت چاہتا ہوں۔ اسلیئے کہ

(۱) جناب والا کا گرامی قدر دودمان دولت آصفیہ کی جلیل الشان خدمات کیلیئے ممتاز ہے۔ پیرا سلیئے کہ

(۲) جناب والا کی علمنوازی علم دوستی ہی ممتاز شان نہیں رکھتی بلکہ آپ بہ نفس نفیس ایک اعلیٰ پایہ کے مصنف ہیں پیرا سلیئے کہ

(۳) آپ ذات ہمایونی کیساتھ ایک فطرتی اخلاص و محبت اور وفاداری و جان نثاری کے جذبات رکھتے ہیں اور دولت آصفیہ کی ایک زندہ تاریخ ہیں۔

ان حالات مین

میں حیات عثمانی کا انتساب حضرت شاد کے اسم گرامی سے ایک نیک فال یقین کرتا ہوں جسمین مسرت و شادمانی کا راز مخفی ہے اور آپکی علمنوازی سے اپیل کرتا ہوں کہ مجھے اس ڈیڈیکیشن کی اجازت مرحمت ہو اور میری درخواست کو شرف قبولیت عطا ہو۔

(گر قبول افتد زہے عز و شرف) محمد منیر عرفانی ایڈیٹر سالار بمبئی
معرفت الہ دین بلڈنگ سکندرآباد

سلسلہ تاریخیہ آصفیہ عثمانیہ

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم آصفجاہ ہفتم (خلد اللہ ملکہ) کا عہد سلطنت اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز اور تاریخی عہد ہے۔ میں نے اعلیحضرت کے جشن سیمین کی یادگار میں ایک تاریخی ادارہ قایم کرنیکا ارادہ کیا ہے جو خصوصیت حیدرآباد کی تاریخ کے متعلق مختلف اوقات میں تالیفات شایع کریگا۔ اس سلسلہ میں سلاطین دکن اور وزرائے دکن اور دیگر مشاہیر دکن کے سوانح حیات اور خصوصیات زندگی کی اشاعت کا مقصود زیر نظر ہے۔

اگر علم دوست حکومت اور پبلک نے اس سلسلہ کی قدر کی تو میں امید کرتا ہوں کہ یہ ادارہ ایک مفید کام کرنے کے قابل ہو سکیگا۔ فی الحال میں اسکی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ یہ نوٹ محض اطلاع کے رنگ میں شایع کیا جاتا ہے۔ حیات عثمانی کی دوسری جلد برکات عثمانی کے نام سے شایع ہوگی جسمیں بندگانعالی کے پچیس سالہ عہد حکومت کے برکات کی تفصیل ہوگی اور اسکے ساتھ ہی وزرائے دکن کے سلسلہ میں پہلی جلد کی اشاعت زیر نظر ہے انسانی عزایم حقیقت میں ایک خیال سے بڑھکر حیثیت نہیں رکھتے جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل انہیں عملی صورت میں تبدیل نہ کردے۔ اسی لیے میں اسی کے فضل اور رحم کا طلبگار ہوں کہ وہ اس مقصد میں کامیابی کیلیے توفیق عطا فرمائے

خاکسار
عرفانی ایڈیٹر سالار

سکندرآباد دکن - ۴ جنوری ۱۹۳۷ء